مُصنّفِ "خلافتِ مُعاوِیہ ؓ و یزید"

محمود احمد عبّاسی

اپنے عقائد و نظریات کے آئینے میں

جمع و ترتیب

سیّد علی مُطہّر نقوی امروہوی

ناشر

مکتبہ الحجاز پاکستان

مُصنّفِ ''خِلافتِ مُعاوِیہؓ ویزید''

محمود احمد عباسی

اپنے عقائد و نظریات کے آئینے میں

(مع اضافات جدیدہ و مضامین مفیدہ)

جمع و ترتیب

سیّد علی مُطہّر نقوی امروہوی

ناشر

مکتبة الحجاز پاکستان

اے ۲۱۹، بلاک ''سی'' الحیدری، شمالی ناظم آباد، کراچی ۷۴۷۰۰

تبصرہ

پتہ : ——— ادارہ تحفظ ناموس اہل بیت "پاکستان"
اے ۲۱۹ - بلاک سی شمالی ناظم آباد "کراچی" ۷۴۷۰۰
مرتب : ——— علی مطہر نقوی امروہوی

محمود احمد عباسی : اپنے عقائد و نظریات کے آئینہ میں

عباسی صاحب کی تلبیسات کا تجزیہ تو متعدد اہل علم اور اہل قلم کر چکے ہیں، لیکن زیر تبصرہ کتاب اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس کے ذریعہ عباسی کی ذہنیت کا پس منظر اور اس کے افکار و نظریات پہلی بار منظر عام پر آئے ہیں جن سے یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ ان کی کتاب " خلافتِ معاویہ و یزید " کی تالیف کے اصل محرکات کیا تھے؟

کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مؤلف نے اپنی طرف سے بہت کم لکھا ہے انہوں نے مختلف لوگوں کے مضامین سلیقہ سے مرتب کر کے ایک گلدستہ تیار کر دیا ہے۔ تمہیدی نگارشات کے بعد کتاب چار حصوں میں منقسم ہے۔

پہلا حصہ تأثرات وانکشافات کا ہے، جو ایسے حضرات کے ذاتی مشاہدات و تأثرات پر مشتمل ہے جنہوں نے عباسی صاحب کو قریب سے دیکھا اور نجی محفلوں میں ان کے افکار و خیالات کو خود عباسی صاحب کی زبان سے سُنا۔ اس باب کو پڑھنے کے بعد قاری اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ عباسی صاحب لا دینی نظریات کے حامل تھے انہیں شیعوں سے کوئی ضد و کد نہ تھی اور " در مدحِ یزید پلید " کا شغل "حبِ معاویہ" کی وجہ سے نہیں بلکہ "بغض علیؓ" کی وجہ سے فرماتے تھے۔

دوسرے حصہ کا عنوان ہے "عباسی صاحب اپنے عقیدت مندوں کی نظر میں" اس میں مولانا محمد اسحٰق صاحب ندوی کا وہ مضمون درج ہے جو عباسی صاحب کی کتاب کی پُر زور حمایت میں صدق جدید لکھنؤ میں شائع ہوا تھا۔ نیز عزیز احمد صدیقی صاحب کی کتاب سے "عقیدت مندانِ محمود احمد عباسی کی فہرست" نقل کی گئی ہے اور عظیم الدین صاحب کا وہ خصوصی مقالہ درج ہے جو "مجلس حضرت عثمان غنی کورنگی" نے "مجدد تاریخ شیخ الاسلام محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ علیہ" کے عنوان سے شائع کیا۔

تیسرے حصہ میں عباسی صاحب کی کتاب پر علمی مجلات کے تبصرے ہیں جن میں عباسی صاحب کی "تاریخی تحقیق کی بخیہ دری" کی گئی ہے۔

چوتھا حصہ "مضامینِ اکابر" کا ہے جس میں ان مسائل کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ واضح کیا گیا ہے جن کو عباسی صاحب نے گڑبڑ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مضامین زیادہ تر امام اہل سنت مولانا عبد الشکور فاروقی لکھنوی رح کے ہیں۔ دو ان کے صاحبزادے مولانا عبد المومن کے اور ایک حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا۔

ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب محمود احمد عباسی کی تحریک ناصبیت کو سمجھنے کے لئے کلید کا کام دے گی

فہرست

فہرست

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

یہ ناچیز اپنے اس مجموعہ کو مشاہیر عالم کے مُسلَّمہ اِمامِ اہل سنت علامہ محمد عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ کی طرف منسوب کرتا ہے، جن کے معترفین علم و تحقیق اور گرویدگان میں شارح ''ابوداؤد'' علاّمہ خلیل احمد سہارن پوریؒ، مُجدّدِ وقت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ، شارحِ ''مسلم'' پاکستان کے پہلے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مورخِ اسلام و شیخ الاسلام پاکستان علاّمہ سیّد سلیمان ندویؒ ـــــ اور مفتی اعظم متحدہ ہند علاّمہ مفتی کفایت اللہ دہلویؒ جیسے تاریخی بحرالعلوم اور آفتابان رشد وہدایت داخل ہیں۔

ع زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

ترجمانِ اَجداد

علی مُطَہَّر نقوی امروہوی

۱۶رشعبان المعظم ۱۴۰۳ھ دوشنبہ

۳۰رمئی ۱۹۸۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

ربّ اشرح لی صدری و یسّرلی امری و احلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی

معذرت : راقم الحروف مجموعہ ہٰذا کو تاخیر سے ہدیہ قارئین کرنے کی اپنے قارئین سے معافی چاہتا ہے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ مصنف ''خلافت معاویہ و یزید'' کی حیات ہی میں ان کے عقائد باطلہ منظر عام پر آ جاتے، جیسا کہ راقم کی خواہش تھی، تو فتنہ یزیدیت اس درجہ برق رفتاری سے مساجد و مدارس دینیہ کو مسموم نہ کر پاتا، جو ملتِ اسلامیہ کے یوم اول سے آج تک محفوظ دینی قلعے اور اہلِ باطل کے مقابلہ میں ناقابل تسخیر حصار رہے ہیں، مگر "کل امرٍ مرھون باوقاتھا" اللہ تعالےٰ کا اٹل قانون ہے، نیز راقم کی مجبوریوں اور حالات کا بھی اس غیر معمولی تاخیر میں دخل ہے، جس کی راقم اولاً اللہ تعالیٰ اور بعدہ قارئین سے معافی چاہتا ہے۔

بنیادی حقوق : اتنا عرض کر دوں کہ دونوں برادرانِ خورد و کلاں (ناصبی و رافضی) مجموعہ ہٰذا کو پڑھ کر تھانہ تحصیل کی دوڑ دھوپ اور حکومت کے غلط سلط کان بھرنے کی بجائے یوم الحساب کو سامنے رکھ کر دلائل کا بانصاف جائزہ لیں اور راقم کی طرح سنجیدگی و دلائل ہی سے جواب دیں یا اپنے ایمان سوز عزائم و منصوبوں پر نظرِ ثانی کریں، علمی بحثیں شائستہ اور آلودگی غیض و غضب سے محفوظ رہنی چاہییں، علمی اور تحقیقی بحثوں کا دروازہ کھلا رکھنا ہر علم دوست حکومت و آبادی کا فریضہ ہے بشرطیکہ تہذیب و شائستگی کے حدود سے باہر نہ ہو، یہ امر بھی دونوں کے پیشِ نظر رہے کہ علی و حسنین رضی اللہ عنہم اور جعفر و باقر رحمہم اللہ وغیرہ مرتب کے آباء و اجداد ہیں، جن کے نظریات و عقائد اور سیرت و کردار کی صفائی اور وکالت و مدافعت اس کا نسبی اور خونی تقاضا بلکہ فریضہ ہے جس کو ادا کرنے سے کوئی قانون نہیں روکتا بلکہ اس حق کو انسانی حق اور ذمہ داری قرار دیتا ہے۔

اظہارِ تشکر: میں ان تمام حضرات کا احسان مند ہوں جنھوں نے زبانی یا تحریری صورت میں مصنف ''خلافت معاویہ یزید'' کے خیالات وعقائد کے متعلق راقم کو یہ گراں قدر معلومات فراہم کیں یا حصول مضامین میں راقم کی مدد کی، ایسے معاونین کو حقیقی اور دائمی اجر تو وہی ذات دے گی جس کے دین وملت کی حفاظت مقصود ہے، واضح رہے کہ اللہ کے دین اور ملت اسلامیہ کے تحفظ کی خاطر بندوں سے اپنے تمام تعلقات کو پسِ پشت ڈال کر وقت کے ہر فتنہ کا مقابلہ ناگزیر ہے اور یہ بہترین جہاد ہے بشرطیکہ لوجہ اللہ ہو اور دیانت وصحت بیانی کا دامن نہ چھوٹنے پائے جو علیم وخبیر کے خوف وتعلق ہی پر منحصر ہے۔

عباسی صاحب اور ان کے مشن کے قائدین کے مقابلہ میں راقم کا قلم کہیں کہیں جارحانہ ہو گیا ہے جس کی قارئین سے معافی چاہتا ہوں، ناظرین دورانِ مطالعہ یہ امر خصوصاً پیش نظر رکھیں کہ جن حضرات کے بیانات دِفاعِ حق میں زینتِ کتاب ہیں، راقم کی جستجو کے مطابق الحمد للہ دیانت دار، خداترس اور مسلک اہلسنّت کے صحیح حامل و ترجمان شخصیات ہیں۔

گذارشات: خالق کائنات کا سب سے بڑا احسان اور اپنی مخلوق سے ہمدردی وکرم نوازی، قرآن کا نزول اور کائنات کے سردار رحمت للعالمین محمد رسول اللہ ﷺ کو ختم نبوت کے منصب جلیل پر فائز کرنا ہے، بعدہ یوم نزول سے یوم الحساب تک اپنے کلام کی کامل حفاظت بھی ازخود اپنے ذمہ ہی لے لینا ہے انا نحن نزلنا الذکرو انا له لحافظون اسی لیے ملت اسلامیہ نے کسی وقت بھی کسی ایسے شخص کو مسلمان ہی نہیں گردانا جو رسول اکرم ﷺ کو خاتم النبیین اور قرآن کو ہر قسم کی تحریف وتبدیلی سے کلیتاً محفوظ نہ سمجھتا ہو۔

اب گذارش یہ ہے کہ اسی طرح دائرۂ اہلِ سنت میں داخلہ کے بھی کچھ شرائط و لوازمات ہیں۔

علماء امت جن میں امام ابن تیمیہؒ، شاہ ولی اللہؒ اور مولانا عبدالشکورؒ صاحب

لکھنوی جیسے مسلک اہل سنت کے مسلّم ترجمان اور تاریخی محققین امت شامل ہیں جو دیگر اکابرین امت کی طرح علی مرتضیٰؓ کو خلفاءؓ ثلاثہ کے بعد بلا استثنیٰ تمام انصار و مہاجرینؓ (صحابہ) کی روح و سرتاج قرار دیتے ہیں، لیکن اس وقت بر بناء اختصار صرف امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ (جو تیرہ سو سالہ علماء اہلسنت کے بہترین وکیل و ترجمان ہیں) کے چند اقتباسات پر قناعت کر رہا ہوں:

> ''خلفاء راشدین: یوں تو قیامت تک ہر زمانہ میں مسلمانوں پر لازم ہے کہ کسی شخص کو جو اس کی قابلیت رکھتا ہو آپ کا خلیفہ بنائیں، مگر خلافت راشدہ جس کی مدت خود حضور ﷺ نے تیس سال معین فرمادی، اس مدت میں چار خلیفہ آپ کے ہوئے، یہ چاروں مہاجرین اور سابقین اولین میں سے تھے، ان کی عظمت و جلالت کا منکر بے دین اور گمراہ ہے۔'' (تحفۂ عنبریہ صفحہ ۹۵)

ناظرین! سطور بالا کی روشنی میں سوچیے کہ جو لوگ یزید کو آسمان پر اور خلیفہ رابع علی مرتضیٰ کو زمین پر بٹھا رہے ہیں وہ کس فہرست کے لوگ قرار پاتے ہیں، یہ امت کا عمومی انحطاط و بدنصیبی ہے کہ ایسے لوگ ہمارے ہی مدارس دینیہ کے فارغ التحصیل اور ہماری ہی مساجد کے امام و خطیب نظر آ رہے ہیں۔

> وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
> کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

یہی پرستاران یزید یہ شہرت دے کر کہ علی مرتضیٰ نے چھ ماہ بیعت صدیقی میں توقف کیا ان کے اخلاص اور نیت پر حملہ آور ہیں اور بظاہر شیعوں کے مدِ مقابل ہونے کے باوجود شیعہ موقف کو مضبوط کر رہے ہیں، حد ہے کہ قتلِ فاروق و عثمان رضی اللہ عنہما تک میں خلیفہ رابع کو ملوث کرنے کے لیے بے تاب ہیں، اب میں بیعت صدیقی سے متعلق امام اہل سنت کا ایک اقتباس نقل کر رہا ہوں:

> ''یہ اہلِ سنت پر افترا ہے، اہلِ سنت ہرگز اس کے قائل نہیں، بلکہ اہلِ سنت کے نزدیک تحقیق یہ ہے، کہ حضرت علیؓ نے ذرا توقف، بیعت صدیقی میں نہیں کیا، بعض روایات میں جو توقف تین دن کا یا چھ ماہ کا منقول ہے، علماء اہلِ سنت نے لکھا ہے کہ یا تو یہ روایات معلول

ہیں یا مأوّل اور تاویل یہ بیان کی ہے کہ حضرت علیؓ نے کئی بار بیعت کی، اور یہ تکرار بیعت محض اس لیے تھی کہ ''فتنہ رفض'' کا انتساب ان کی طرف نہ ہو سکے، ''فتنہ رفض'' کی خبر بطور پیش گوئی کے رسول خداؐ سے وہ سن چکے تھے اور یہ بھی سُن چکے تھے کہ وہ لوگ اپنے کو میری طرف منسوب کریں گے اس لیے حضرت علی نے بڑا اہتمام اس امر کا کیا کہ یہ فتنہ ان کی طرف منسوب نہ ہو سکے۔''

اب آپ امام اہلِ سنتؒ کے الفاظ میں یزید و حسینؓ کا فرق بھی مطالعہ میں لے آیئے:

''الحاصل حضرت علیؓ کا بیعت کرنا ایک قطعی واقعہ ہے جس سے یقیناً ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں، کہ اگر حضرت علی خلفاء ثلاثہ کو دشمن دین اور ظالم جانتے یا ان کی خلافت کو ناجائز سمجھتے، جیسا کہ مذہب شیعہ کا بیان ہے، تو ہرگز ممکن نہ تھا کہ حضرت علیؓ جیسا دیندار اور دلاوران کے ہاتھ پر بیعت کرتا، حضرت علی کے فرزند حضرت حسین کا ''واقعہ کربلا'' سبق لینے کے لیے کافی ہے کہ ایک فاسق کے ہاتھ پر بیعت نہ کی اور اپنی آنکھوں کے سامنے تمام خاندان کو کٹوا دیا اور خود بھی جان دیدی، بھلا جس کے بیٹے کی استقامت وحمیت کا یہ حال ہو، اس کے باپ کی نسبت یہ گمان ہو سکتا ہے کہ اس نے بخوفِ جان یا بطمعِ دنیا ظالموں غاصبوں کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حاشا ثم حاشا۔'' (ابوالائمہ کی تعلیم صفحہ ۴۰)

محبانِ یزید کی مرکزی گمراہی: یہ بھی عرض کر دوں کہ محبانِ یزید کی اصل اور مرکزی گمراہی مع ''بخاری'' و ''مسلم'' جملہ کتب حدیث وفقہ اور اسلاف کی مرتب کردہ تاریخ اسلامی پر اعتماد نہ کرنا اور تمام اہلِ سنت کو ذخیرۂ اسلام سے بددل و بدظن کرنا ہے یہ باغیان اسلام تفصیلات دین میں جیسا کہ خود ان کی عبارتیں بول رہی ہیں اسلاف اہل سنت کی احسان مندی وتعمیل کو عار تصور کرتے ہیں اور ''بخاری'' سے تو خصوصاً دل برداشتہ ہیں، ایسے ہی جیسے ائمہ شیعہ قرآن کریم سے، مگر جملہ اہل سنت کے کما حقہ ترجمان امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے ام کلثوم بنت فاطمہ کے اثبات نکاح کے سلسلہ میں ''بخاری'' کا تذکرہ بایں الفاظ فرمایا ہے:

''یہ نکاح ایک تاریخی واقعہ ہے کوئی روایت نہیں ہے سنی شیعہ دونوں کی اعلیٰ ترین مستند کتابوں میں اس واقعہ کا تذکرہ ہے، سنیوں کی سب سے بڑی مستند کتاب ''صحیح بخاری کتاب الجہاد باب حمل النساء القرب'' میں اس نکاح کا تذکرہ اس طور پر ہے۔۔۔۔''

اہل سنت کا تشخص بمقابلہ روافض وخوارج اور منکرین حدیث :

مختصراً اتنا عرض کردوں کہ ہمارے دائرۂ تخاطب سے وہ حضرات خارج ہیں، جو عقیدتاً ''بخاری ومسلم'' کو بیاض اور رطب و یابس کا مجموعہ سمجھتے ہیں یا عبداللہ بن زبیرؓ اور حسینؓ کو بمقابلہ یزید خاطی و باغی اور خلیفہ رابع علی مرتضیٰؓ سے یزید کو اعلیٰ و برتر تصور کرتے ہیں، ایسے بدنصیب تو دشمنان صحابہ اور منکرینِ حدیث کی فہرست میں داخل اور اہلِ سنت کی فہرست سے خارج و گمراہ ہیں، ہم صرف اہلِ سنت سے مخاطب ہیں اور اہل سنت ہی کو مذہب اہل سنت پر ٹھیک ٹھیک برقرار رکھنے کے لیے یہ تمام تر پاپڑ بیل رہے ہیں خواہ وہ روافض کے مقابلہ میں ہوں یا نواصب و منکرینِ حدیث کے، اہل سنت بلا اختلاف قرآن کریم کے بعد حسب ذیل کتب حدیث کو اپنے دین وشریعت کا ماخذ مانتے ہیں۔

''بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی'' اور بالا جماع تمام اہل سنت ''بخاری'' کو "اصح الکتاب بعد کتاب اللہ" کی حیثیت کے قائل ہیں اور اس فقرہ کو ''کسی بزرگ کا چلتا ہوا فقرہ'' قرار دینے والے کو صحیح العقیدہ نہیں تصور کرتے، اسی طرح اہل سنت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بعد امت مسلمہ کے بحیثیت خلیفہ راشد مقتدائے اعلیٰ ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم ہیں، ان حضرات کی تیس سالہ خلافتوں کا پورا دور بلکہ اس کا ایک ایک لمحہ مینار ہدایت ہے، اسلامی تاریخ کا شہرت یافتہ فاسق وظالم (یزید) تو کس شمار میں ہے؟ باقی عشرہ مبشرہ طلحہ، زبیر، ابوعبیدہ بن الجراح، سعد بن زید، سعد بن وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم سے بھی خلفاء اربعہ کا ہر فرد برتر ہے اور شرعی حجت۔

انتباہ: جس شخص کو بھی مذہب اہل سنت پر مرنا اور جینا مطلوب ہے اس کے لیے مذکورہ

عقائد لازمی اور بالکل ناگزیر ہیں۔
یاد رکھیے! راقم الحروف اہلِ سنت کے اعتقادی وعملی تحفظ ہی میں اپنے وطنِ عزیز بلکہ پورے عالم اسلام کی بقاو خیریت منحصر سمجھتا ہے جس کو ان شاءاللہ صرف الحب للہِ والبغض للہ کی روشنی میں اور بے خوف وخطر اسلاف کے نقش قدم پر گام زن رہ کر حسب استطاعت انجام دیا جائے گا، قارئین کرام راقم کے لیے سازگاری حالات اور استقامت وتوفیق کی گاہے گاہے دعا فرمالیا کریں ورنہ اللہ کے یہاں ماخوذ بھی ہو سکتے ہیں اس دور فتن میں یہ خالص علمی وخادم دین ووطن ادارہ ہے۔
لمحہء فکریہ: شیدائی وطن (راقم الحروف) کوتو وطن عزیز کے ۳۵ سالہ (۱) لیل ونہار نے اس پُر خطر نتیجہ پر قطعی طور پر پہنچا دیا ہے کہ شیعہ ہوں یا نواصب دونوں ملک وقوم کو نظریہ پاکستان یعنی قرآن وسنت سے محروم بلکہ منحرف و بیزار رکھنا چاہتے ہیں، محبان یزید کا اصل جرم انکار حدیث ہے، مصنف ''خلافت معاویہ ویزید'' جنھوں نے ان حضرات کو حبِّ یزید کا زہر پلایا ہے، کٹر لادینی کانگریسی، شدید مخالف مسلم لیگ و پاکستان اور نہایت راسخ العقیدہ سوشلسٹ تھے، جیسا کہ ان کی چینی سفارت خانے کی ملازمت اوران سے تعلقات رکھنے والے معقول وخداترس لوگوں کے بیانات سے ظاہر ہے، رہے شیعہ تو ان کے متعلق میں ''متحدہ ہند'' میں شیعوں کے محبوب قائداعظم (سروزیرحسن) جوایک زمانہ میں ''اودھ'' کے چیف جسٹس اور مسلم لیگ کے صدر بھی رہ چکے ہیں اور مشہور کمیونسٹ لیڈر راول پنڈی سازش کیس کے سزا یافتہ سجاد ظہیر کے والد کی ایک تقریر جو آج سے ۴۵ سال (۲) قبل بمقام ''گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ'' میں ۵رفروری کو راجہ محمود آباد کے برادر خورد مہاراج کمار محمود حسن خان صاحب کی صدارت میں ہوئی ہے جس کو شیعوں کے معروف قومی اخبار ''سرفراز'' مورخہ ۹رفروری سے بواسطہء ''الداعی لکھنؤ'' بلفظہ نقل کر رہا ہوں جس سے قارئین کو شیعت کے اصل خدوخال، حدود اختلاف اور بمقابلہ اہل سنت اور تحریک پاکستان شیعوں کے جذبات اور عقائد وخیالات خود شیعہ قائد

---

(۱) اب ۵۷ سالہ (مرتب) (۲) واضح ہو کہ یہ شمار کتاب ہذا کی اشاعت اول کا ہے۔ (مرتب)

کی زبانی سمجھنے میں مدد ور ہنمائی ضرور ملے گی، اتنا عرض کردوں کہ راقم کا مقصد اختلاف وانتشار پیدا کرنا نہیں بلکہ لاعلمی کو دور کرنا ہے جس پر وطن عزیز کے تحفظ و بقا کا دارومدار ہے۔

راقم کے پاس اس کے واضح دلائل موجود ہیں جن کو راقم نے مجموعہ ہذا میں نقل بھی کردیا ہے کہ ''ناصبیت ورافضیت'' دونوں راقم کے آباء واجداد (فاطمہ وعلی وحسنین اوران کی اولاد) کی صریح توہین وتذلیل اورایمان وعقائد کی نفی اور کردارکشی پر مشتمل ہیں۔

یادرکھیے! محبان یزید کا دعوی حبِ صحابہ ہو یا شیعوں کا دعوائے حبِ اہلِ بیت، دونوں سبز باغ ہیں، بخلاف اس کے مذہب اہلِ سنت حب صحابہ و اہلِ بیت دونوں ایمانی دولتوں سے بدرجہ کمال آراستہ ہے اور یہی اللہ کا دین ہے۔

یہ امر لازماً پیش نظر رکھیے کہ راقم کو اپنے آباء واجداد کے ایمان واخلاق اور ملت ووطن (پاکستان) کا تحفظ اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے جس کی واضح گواہی مجموعہ ہذا اور راقم کی چند سالہ علمی خدمت ہے۔ لیجیے اب آپ وہ اہم تاریخی تقریر لفظ بلفظ ملاحظہ فرمایئے جو اپنا جواب آپ ہے۔ پڑھیے اور سر دھنیے:

شیعہ عقائد وخیالات کا مرقع

سروزیر حسن کی تقریر

آخر میں سرسید وزیر حسن بالقابہ نے ایک تفصیلی تقریر فرمائی، آپ نے پہلے فرمایا کہ میں ڈبیٹ یا مباحثہ میں شریک ہونا نہیں چاہتا، محض ایک تقریر کے ذریعہ اپنے خیالات کا اظہار کردینا چاہتا ہوں، آپ میری اس تقریر کو اپنے مباحثہ کا جز نہ سمجھیں، آپ نے سب سے پہلے یہ دکھایا کہ شیعہ نہ صرف ایک فرقہ ہیں بلکہ تمام دنیا کے شیعہ مل کر ایک نیشن کی حیثیت اختیار کرسکتے ہیں، ہم میں وہ عناصر موجود ہیں جن سے ایک نیشن بنتی ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر ہندوستان کے شیعوں کو ایک نیشن نہ کہا جائے، تو کم ازکم وہ ایک مستقل وعلیحدہ فرقہ ضرور

ہیں جس کی امتیازی خصوصیات اسے دوسرے مسلمانوں سے بالکل علیحدہ کرتی ہیں، آپ نے فرمایا کہ کوئی شیعہ ہندو نہیں سمجھا جاسکتا، اس لیے یہاں پر ہندو و شیعہ کے امتیازات پر میں روشنی نہیں ڈالوں گا، البتہ شیعہ اور دوسرے مسلمانوں میں اشتباہ ہوتا ہے، اس لیے میں دکھاؤں گا کہ شیعہ کس طرح مابہ الامتیاز ہیں، آپ نے فرمایا کہ ''لکھنو'' کے مسلمانوں کا ایک طبقہ شیعوں کو مسلمان نہیں سمجھتا، ہم اس کے اس خیال پر خفا نہیں بلکہ خوش ہیں ہم خود اپنے کو اس نقطۂ نظر سے مسلمان نہیں سمجھتے، جس نقطۂ نظر سے وہ خود کو مسلمان سمجھتے ہیں سرسید(۱) نے ''لکھنو'' کے ان مسلمانوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ شیعہ اور دوسرے مسلمانوں کا کلچر بالکل علیحدہ ہے، شیعوں کا تمدن، اخلاق اور اصول زندگی دوسروں سے قطعاً مختلف ہے، توحید اور الوہیت، کلام مجید، رسالت، خلافت، نماز، روزہ، عقد، تدفین غرض تمام بنیادی اور فروعی امور کی تعبیر میں زبردست اختلاف ہے جو ایک کو دوسرے سے بالکل الگ کردیتا ہے، ہمارا کلچر جرأت ہے، ہمارا کلچر حق پرستی ہے، ہم صادق الاقرار ہیں، ہماری پوری تاریخ ہماری سیرت اسی کا ثبوت دیتی ہے، اپنا کلچر بتانے میں شرم نہ آنی چاہیے نہ ڈرنا چاہیے، مسئلہ خلافت نے خاص طور سے دونوں جماعتوں کو دو علیحدہ علیحدہ گروہ میں تقسیم کردیا ہے، جو کوئی ذہنی مسئلہ نہیں رہا بلکہ ایک مشاہداتی واقعہ ہے، جس کا اثر آج پھر سوسائٹی پر نمایاں ہے، شیعہ کلچر کی بنیاد سوشل ازم پر ہے، جبکہ دوسروں کے کلچر کی بنیاد امپیریل ازم پر ہے، شیعوں نے اس امپیریلزم کی برابر مخالفت کی، میرے عزیز دوست راجہ محمود آباد(۲) نے تھوڑا ہی عرصہ ہوا بمبئی میں تقریر کی، اس کو پڑھ کر مجھ کو جس قدر خوشی ہوئی آج اس کا اظہار کرنا چاہتا ہوں، کہ انھوں نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد سوشل ازم پر ہے، صرف اس قدر اختلاف اُن سے میں کرنا چاہتا ہوں کہ دراصل شیعت کی بناء سوشل ازم پر ہے اور دوسری جماعتوں کی بناء امپیریل ازم پر ہے، اگر خلافت کے اصول قہر و غلبہ کو امپیریل ازم سے تعبیر کروں تو بے جا نہ ہوگا، اسی وجہ سے ہماری تاریخ جدا ہے، ہماری روایات جدا ہیں، کیا آپ انکار کریں گے کہ ہمارے قانونی مسائل جن کے مرکز پر ہماری زندگی دور کرتی ہے علیحدہ نہیں ہیں؟ ہمارے قانون عقد، قانون

(۱) اشتباہ نہ ہو، یہاں ''سرسید'' سے مراد علی گڑھ یونیورسٹی کے بانی ''سرسید احمد خان'' نہیں ہیں بلکہ خطیب موصوف سرور زیر حسن مراد ہیں۔ (مرتب) (۲) یہ نام یاد رکھیے۔ (مرتب)

طلاق اور قانونِ وراثت کو دیکھیے سب علیٰحدہ ہیں، ہمارے ان کے اتحاد کس بنیاد پر ہوسکتا ہے، کانگریس گورنمنٹ نے سب سے بڑی غلطی کی وہ اپنی اس ناعاقبت اندیشانہ حرکت سے اس جماعت کو راضی کرنا چاہتی تھی جو اکثریت سے تعلق رکھتی تھی، لیکن اس کو سبق مل گیا کہ نہ اکثریت راضی ہوسکی اور نہ شیعہ اقلیت ان کی ہمدرد رہ گئی، غلطی کا احساس ان کو بھی ہو گیا، خواہ غلطی کی تعبیر میں ہمارے ان کے اختلاف رائے ہو، یعنی وہ اپنی چال کے ناکامیاب رہنے کا احساس کریں، یا شیعہ مظلومیت کا احساس کریں، لیکن انھیں اپنے اقدام کی غلطی کا احساس ضرور ہے اور یقین رکھیے کہ اس غلطی کی تلافی بھی اُنھیں کے ہاتھوں سے ہوگی، اور کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔

سر وزیر حسن نے اپنے دعووں پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے بعد نفس تجویز مباحثہ کے متعلق کہا کہ اگر میرے دوست اصرار کرتے ہیں تو میرا ووٹ اس تجویز کی موافقت میں ہے، اس جلسہ کا کام خیالات کو مرکوز کرنا ہے، عملی کام کرنے والی دوسری جماعتیں ہیں، جن میں سے ایک وہ ہے جو میرے دوست مہاراج کمار کے دماغ سے نکلی ہوئی ہے، ''وہ آل پارٹیز شیعہ کانفرنس'' ہے، اور مجھے یہ سن کر بڑی مسرت ہوئی کہ اس جلسہ کا مقصد اور رزولیوشن کا مطلب ''شیعہ آل پارٹیز کانفرنس'' کے ہاتھوں کو قوی کرنا ہے، میں نے ایک ڈراونی خبر سنی تھی کہ ''آل پارٹیز کانفرنس'' کو لکھنو کے باہر کسی دوسری جگہ منعقد کرنے کی رائے ہو رہی ہے، یہ بالکل غلط ہے، ''آل پارٹیز کانفرنس'' کے لیے لکھنو سے بہتر کوئی دوسرا مقام نہیں ہوسکتا، سر سید نے ''آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس'' کے اجلاس چھپرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھ کو بعد میں افسوس ہوا کہ ''شیعہ پولیٹکل کانفرنس'' میں اس سال شریک نہیں ہوا، کچھ تو تنگی وقت اور کچھ اور باتیں تھیں، اس کانفرنس میں جو رزولیوشن پاس ہوئے ہیں، ان سے مجھ کو بہت حد تک اتفاق ہے اور مجھے خوشی ہوتی اگر ان کی تائید کرنے کا موقع پاتا۔

آخر میں آپ نے ایک خطرے کی طرف قوم کو متوجہ کیا اور فرمایا کہ ''پانیر'' میں شائع ہوا ہے کہ ''پاکستان'' اور ''خلافت اسکیم'' مسلم لیگ کے ذہن میں ہے، اگر یہ تصورات عملی جامہ پہن لیں تو پھر ہندوستان میں جو مسلم سلطنت قائم ہوگی اس کی بنیاد قہر و غلبہ پر ہوگی، اور اس

میں ہماری گنجائش کہاں ہوگی، خیر یہ مسئلے بہت طویل ہیں اور ''آل پارٹیز کانفرنس'' میں ملے ہوں گے، جہاں ان شاء اللہ میں بھی ہوں گا اور آپ بھی رہیں گے۔

الداعی لکھنو ماہ محرم ۵۹ھ

تبصرہ

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤ گے اے قرآں کے پروانو!
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

علی مطہر نقوی امروہوی (مُرتّب وناشر)

(۱)

''اختلاف عقیدہ''

محمود احمد عباسی کے بارے میں

وطن عزیز کے ایک معروف عالم دین (جو مدرسہ امینیہ دہلی سے وابستہ ہیں) کے تأثرات

بسمہ سبحانہ

محب محترم جناب سید علی مطہر صاحب نقوی سلام مسنون، آنجناب نے محمود احمد صاحب عباسی مؤلف ''تاریخ امروہہ'' کے متعلق کچھ حالات معلوم کیے ہیں اس کے متعلق میں صرف اتنا عرض کرسکوں گا کہ ۱۹۴۴ء میں ردِ شیعت کے سلسلہ میں موصوف سے احقر کی چند ملاقاتیں ہوئی تھیں، محمود احمد صاحب نے اس وقت یزید کے متعلق مجھ سے کچھ معلومات کیں، چنانچہ امام غزالی رحمہ اللہ کی جو عبارتیں احقر کے علم میں تھیں وہ ان کو بتلائیں، کچھ عربی عبارتوں کے ترجمے بھی کر کے دیے، استفسار کرنے پر انھوں نے بتلایا کہ میں اس موضوع پر ایک کتاب ''خلافتِ معاویہ ویزید'' کے نام سے تالیف کر کے عن قریب شائع کرنے والا ہوں، چوں کہ یہ خارجیت احقر کے مسلک اہلِ سنت والجماعت کے بالکل خلاف تھی، اس لیے فوراً کنارہ کشی اختیار کی، اگرچہ موصوف کی عملی زندگی ترک صلوٰۃ وصوم بھی احقر کے لیے باعثِ تکلیف تھی مگر اس کو نظر انداز کرتے ہوئے ملاقاتیں جاری رکھیں، لیکن جب ''اختلاف عقیدہ'' کی سنگین صورت حال سامنے آئی تو تمام مصالح کو بالائے طاق رکھ کر موصوف سے علیحدگی اختیار کر لینی ضروری سمجھی، موصوف ۱۹۴۷ء میں جب ''پاکستان'' چلے گئے تو کچھ ہی عرصہ کے بعد ان کی یہ کتاب سامنے آئی، جس کو دیکھ کر نہایت افسوس ہوا، اللہ تعالیٰ موصوف کی اولاد اور متعلقین کو صحیح مسلک اہل سنت والجماعت کی رہ نمائی فرمائے، آمین ثم آمین، فقط

والسلام

احقر الزمن سید مشہود حسن قادری

۱۷ر شوال ۱۴۰۱ھ

مطابق ۱۸ر اگست ۱۹۸۱ء

(۲)

''فاطمہ بنت رسولؐ کی توہین ''بخاری'' اور روایاتِ صحاح کو جعلی قرار دینا''

حضرت مفتی ولی حسن صاحب (مفتی اعظم پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود احمد صاحب عباسی مصنف ''خلافت معاویہ ویزید'' و ''تحقیق مزید'' وغیرہ سے بندہ ''لیاقت آباد'' میں رہنے کی وجہ سے ایک عرصہ سے واقف تھا، شروع شروع میں روافض دشمنی کی قدر مشترک کی وجہ سے عباسی صاحب سے خاصی دوستی تھی، کبھی کبھی ان کے کہنے پر بعض عربی عبارتوں کے ترجمہ میں مدد بھی دی اسی طرح بعض کتابوں کے حصول میں معاونت بھی کی، میں یہ سمجھتا تھا کہ روافض کے خلاف عباسی صاحب اچھا کام کررہے ہیں، بلکہ بعض بزرگوں کی ملاقات عباسی صاحب سے بندہ ہی نے کرائی، ایک عاشورۂ محرم پر عباسی صاحب کا یہ رنگ بھی دیکھا کہ ان کے مکان پر اچھے خاصے لوگ جمع ہیں اور عباسی صاحب حضرت زینب بنت النبی ﷺ کا اور ان کی اولاد امجاد کا ذکر کررہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں، اس منظر سے میں خاصا متأثر ہوا، لیکن کچھ دن کے بعد یہ واضح ہوا کہ موصوف خاصے ''ناصبی'' ہیں، ایک بار میرے اور کچھ لوگوں کے سامنے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر العیاذ باللہ تنقید شروع کردی اور ہاتھ سے اشارہ کرکے کہا کہ وہ ''اتنی سی تھیں'' یعنی ان کا قد چھوٹا تھا میں فوراً کھڑا ہوگیا، میں نے عرض کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو چیز اذیت دے وہ مجھے بھی اذیت پہنچاتی ہے، آپ کس طرح خاتونِ جنت کی غیبت کررہے ہیں، میں نے یہ بھی کہا کہ ''بخاری'' کی حدیث ہے، اس پر وہ ''بخاری'' اور دیگر کتب حدیث پر تنقید کرنے لگے اور منکرین حدیث کے طرز پر ''احادیث صحاح'' کو ''عجمی سازش'' کہنے لگے، اس سے پہلے میں مشہور منکر حدیث تمنا عمادی کو ان کے یہاں دیکھ چکا تھا وہ ان کے بڑے مداح تھے اور

ان کی خودساختہ تحقیقات کے خاصے معترف تھے ان واقعات کے بعد بندہ نے عباسی صاحب کے یہاں آنا جانا چھوڑ دیا اور مجھ پر واضح ہوگیا کہ یہ شخص ناصبی اور منکر حدیث ہے۔(والعلم عند اللہ تعالیٰ و ھوا علم)

کتبہ
ولی حسن مفتی دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی
۱۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ

(۳)

''خطبہ جمعہ بجائے عربی کے اردو میں ہونا چاہیے''

افسر صدیقی امروہوی مرحوم

افسر صدیقی امروہوی صاحب اردو ادب سے خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں، بہت عمدہ شاعر ہیں، نظم ونثر دونوں پر قادر ہیں، متعدد کتب کے مصنف ہیں آپ کے دو دیوان بھی ہیں، ''انجمن ترقی اردو'' سے طبع ہونے والی متعدد علمی کتب میں آپ کے مقدمات ہیں بلکہ ان کی تیاری آپ کی علمی کاوش ومحنت ہی کا نتیجہ ہے، عمر کے آخری حصہ میں عباسی صاحب نے شعراء اردو کا کلام اُن سے حاصل کیا، وہ ''تذکرہ شعراء امروہہ'' کتاب کی تیاری کے متمنی اور اس کی تیاری میں افسر صدیقی صاحب سے خصوصی تعاون کے لیے کوشاں تھے آپ کی عمر ۸۰ سال سے زیادہ ہے، عباسی صاحب سے صرف ۱۰ سال چھوٹے ہیں، عرصہ سے ''انجمن ترقی اردو'' سے وابستہ ہیں، آپ آج کل اپنی ''سوانح'' مرتب فرمارہے ہیں، اس میں کہیں عباسی صاحب کا تذکرہ بھی آگیا ہے چنانچہ میں عباسی صاحب (مصنف خلافتِ معاویہؓ ویزید) سے متعلق حصہ کو نقل کررہا ہوں۔

''نماز جمعہ میں اپنے شہر کے محدث شہیر حضرت مولانا احمد حسن امروہویؒ کے وعظ سے مستفید ہونے کا موقع (یہ ۱۹۱۱ء کے حالات ہیں) مل جایا کرتا تھا کیا شان تھی حضرت کی، وہ نورانی سرخ وسپید چہرہ، رعب وسنجیدگی کا پیکر آج بھی اس کا تصور پیش نظر ہوتا ہے تو دل

ایک احساس بشاشت سے لبریز ہو جاتا ہے۔

میری ابتدائی زندگی کا ایک ورق

مجھے یاد ہے کہ حضرت نے ایک وعظ میں ذوق کا یہ شعر بھی ادا فرمایا تھا

؎ سر بوقت ذبح اپنا اُس کے زیرِ پائے ہے

یہ نصیب، اللہ اکبر، لوٹنے کی جائے ہے

کچھ ایسا دلکش انداز بیان تھا کہ تقریباً ستر سال کی طویل مدّت نے بھی اس شعر کو میرے صفحۂ دل سے محو نہیں ہونے دیا۔

انھیں دنوں کی بات ہے کہ جب میں نماز جمعہ پڑھ کر جامع مسجد کے صدر دروازہ پر آیا تو ایک ہینڈ بل تقسیم ہو رہا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ خطبے کو عربی کے بدلے اردو میں ہونا چاہیے تا کہ وہ لوگ جو عربی نہیں جانتے اور اردو لکھتے پڑھتے یا بولتے ہیں اس کے معانی و مفاہیم سے باخبر ہو سکیں، میں نے بھی ایک ہینڈ بل لیا، ایک بزرگ سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں جو ہینڈ بل تقسیم کر رہے ہیں تو مجھے بتایا گیا کہ ''اِن کا نام محمود احمد عباسی ہے، ''علی گڑھ'' سے پڑھ کر آئے ہیں'' اس سے زیادہ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی، جہاں تک میں نے اندازہ کیا ''امروہہ'' کا ماحول اس زمانہ میں مذہبی تھا اور یہ (محمود احمد صاحب) عام طور پر نیچری خیالات کے حامل سمجھے جاتے تھے اس لیے اس تحریک کا کوئی اثر نہ ہوا، ۱۹۲۶ء تک میں ''امروہہ'' میں رہا لیکن ان سے ملنے کا اتفاق نہ ہو سکا، موصوف نے ''تاریخ امروہہ'' کی تصنیف کا سلسلہ شروع کیا اور اس کی پہلی جلد مکمل ہو گئی تو میرے ایک شاگرد مسٹر محمد فاروق صادق صدیقی نے جو عباسی صاحب کے پاس آتے جاتے تھے مجھے اس جلد کی تاریخ طبع لکھنے کے لیے کہا یہ میرا پہلا غائبانہ تعارف تھا جو صادق صاحب کی معرفت ہوا۔

۱۹۲۷ء کے آغاز میں راقم الحروف نے ترک وطن کیا اور ''امروہہ'' سے صرف اتنا تعلق رہ گیا کہ ہر سال جون کے مہینے میں وہاں جاتا تھا اور ہفتہ دو ہفتہ رہ کر چلا آتا تھا اسی زمانے میں یہ غالباً ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے کہ ''کراچی'' کارپوریشن کے اسکول بورڈ کے لیے ایک

سکریٹری کی ضرورت کا اشتہار شائع ہوا تھا، یہ اشتہار کچھ اہل وطن کی نظر سے گزرا ہوگا، عباسی صاحب اپنے دوست ماسٹر مختار صاحب (۱) کے تقرر کی کوششوں کے سلسلے میں ''کراچی'' آئے پہلی ملاقات مجھ سے یہیں ہوئی اور میں نے انھیں لے جا کر مسٹر دین محمد علیگ سے ملایا جو ان کے ''علی گڑھ'' کے ہم درس اور ''کراچی'' کے مشہور سندھی روزنامہ ''الوحید'' کے مدیر تھے۔

مختار صاحب کا تقرر تو اس جگہ پر نہ ہوسکا البتہ میرے اور عباسی صاحب کے درمیان تعارف کی ایسی مبارک ابتدا ہوئی جس میں ان کی وفات تک خفیف سا جھول بھی نہیں آیا، اس دوران نہ کبھی مجھے ان کے عقائد کو ٹٹولنے کی رغبت ہوئی اور نہ مرحوم نے میرے عقائد کے بارے میں مجھ سے کوئی بات کی۔''

تبصرہ

بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے شاگردوں کی فہرست تو طویل ہوگی، مگر دو شاگرد (شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ صاحب اور مولانا احمد حسنؒ صاحب امروہوی) اس پوری فہرست تلامذہ کے (۲) سرتاج اور روح کا درجہ رکھتے ہیں جس وقت مصنف ''خلافت معاویہؓ و یزید'' عباسی صاحب نے ۱۹۱۱ء میں مولانا احمد حسن صاحبؒ امروہوی کے آخری زمانہ حیات میں خطبۂ جمعہ کے اردو زبان میں منتقل کرنے کا جگر خراش خالص نیچریت پر مبنی شوشہ چھوڑا تھا اس وقت وطن عزیز ''امروہہ'' کے اہل الرائے کا خیال تھا کہ اس اشتعال انگیز جسارت کو اس وقت نظر انداز کر دینا اور عفو و درگذر سے کام لینا چاہیے، آغاز شباب ہے یہ بچہ ابھی ابھی ''علی گڑھ'' سے آیا ہے، سرسید احمد خان کا تازہ مرید ہے ممکن ہے ''امروہہ'' کے ماحول میں رہنے اور ''علی گڑھ'' چھوڑ دینے کے سبب خود آہستہ آہستہ اس کی اصلاح ہو جائے، مگر قسمت کا لکھا کچھ اور ہی تھا جس نے تا لحد عباسی صاحب کو دین سے بیزار اور کفر و الحاد کے بندھن سے جکڑا ہی

---

(۱) یہ حضرت اہل تشیع میں سے تھے اور ''امروہہ'' کے محلہ لکڑہ میں رہتے تھے۔ (مرتب)

(۲) تذکرہ علمائے ہند (مرتب)

رکھا، کس درجہ عبرتناک ہے یہ حقیقت کہ مصنف ''خلافت معاویہؓ و یزید'' (عباسی صاحب) پر حضور ﷺ کے نامِ نامی کے ساتھ چند بار بھی ﷺ کا اعادہ بارِ سماعت بن جاتا تھا، ایک مرتبہ خود راقم الحروف سے انھیں یہی شکایت ہوئی، بخلاف اس کے اُس سے بڑی محبت فرماتے تھے جو سر سید احمد خان کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (مرتب)

قاری علی تجمل نقوی امروہوی

راقم کے بڑے بھائی قاری علی تجمل نقوی امروہوی جو راقم کی بڑی لڑکی کی شادی میں شرکت کی غرض سے عباسی صاحب کی حیات میں ''پشاور'' سے ''کراچی'' آئے ہوئے تھے، ایک روز اچانک ''چٹان'' لاہور کے نمائندے بھائی کے پاس برائے انٹرویو تشریف لائے اور بھائی سے سوال کیا کہ آپ کچھ مشاہیرِ عالم شخصیتوں سے وابستہ رہے ہیں کیا ان شخصیتوں کے متعلق کچھ معلومات برائے ''چٹان'' فراہم کر سکتے ہیں، ضمناً یہ بھی دریافت کیا کہ مصنف ''خلافت معاویہ و یزید'' محمود احمد عباسی صاحب آپ کے ہم وطن ہیں اور وہ شیعوں سے ایک نئے انداز سے محاذ آرا ہیں، آپ ان سے کس حد تک واقف ہیں، چنانچہ اس سوال کے جواب میں محمود احمد عباسی صاحب کے متعلق بھائی نے جو جواب دیا ہے اس وقت ہدیۂ ناظرین ہے، اس سے قبل کہ نمائندہ ''چٹان'' کے سوال و جواب کا سلسلہ شروع کیا جائے اتنا عرض کر دوں کہ بھائی کا ایک قصیدہ امام اہل سنت کی شانِ اقدس میں جو ''النجم'' کے ''خلافت نمبر'' ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا تھا اور جس کی پندرہ بیس کاپیاں خود محمود احمد عباسی صاحب نے لکھنؤ سے منگا کر شیعان ''امروہہ'' اور اپنے خاص خاص احباب کو پیش کی تھیں، آخر میں منسلک ہے، قصیدہ ہذا میں مذہب شیعہ کے کچھ عجائب و غرائب بھی قارئین کے مطالعہ میں آ جائیں گے، یہ بھی عرض کر دوں کہ بھائی نے اپنی زائد از ۷۰ سالہ زندگی دشمنانِ قرآن ہی کے مقابلہ میں امام اہلسنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ کے خطوط پر تن من دھن سے مصروف جہاد گذاری ہے، خصوصاً اپنے وطن (امروہہ) میں اس لیے اگر ان کی ذات کو ''محفلِ ذکرِ صحابہ'' ہی سے

تعبیر کیا جائے تو وہ اس اعزاز ایمانی کے صحیح مستحق ہیں، نیز محمود احمد عباسی صاحب نے ''امروہہ'' کے حالات، خاندانوں اور بزرگوں سے متعلق جو ضخیم ضخیم جلدیں ''تاریخ امروہہ''، ''تذکرۃ الکرام''، ''تحقیق الانساب'' تالیف کیں، بھائی اِن کی تیاری میں عباسی صاحب کے شب و روز خصوصی معاون رہے، واضح رہے کہ مذکورہ کتب ہی نے عباسی صاحب کو مورخین کی صف میں پہنچایا ہے۔

جلیس سلاسل

چیف ایڈیٹر۔ ''عالمی اسلامی ڈائجسٹ''

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں ہفتہ وار ''چٹان'' لاہور کا کراچی میں نمائندہ خصوصی تھا اور چٹان، بطلِ حریت عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قائدِ صحافت آغا شورش کاشمیری کی زیر ادارت شائع ہوتا تھا۔ ان ہی دنوں علی مظہر نقوی صاحب امروہوی کے بڑے بھائی جناب قاری علی تجمل نقوی امروہوی صاحب کراچی تشریف لائے تھے ان سے میں نے جناب مظہر نقوی صاحب کے دولت کدہ پر ایک خصوصی ملاقات کی تھی۔ اس میں مفکر اسلام سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، علامہ موسیٰ جار اللہؒ، امام اہلسنّت مولانا عبدالشکورؒ صاحب لکھنوی، علامہ اقبالؒ اور خطیب اعظم عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے متعلق بہت اہم گفتگو کی تھی اس طویل ملاقات میں ان تاریخی شخصیتوں کے متعلق قاری صاحب نے بعض پوشیدہ لیکن قابل فخر پہلو بے نقاب کئے تھے۔ اس سلسلے میں ضمناً جناب محمود احمد عباسی کے متعلق بھی جو اُس وقت حیات تھے کچھ باتیں کی تھیں جو عرض خدمت ہیں۔

(۴) (جلیس سلاسل)

سوالات و جوابات

سوال : کیا آپ کا کوئی تعلق محمود احمد عباسی صاحب (مصنف خلافتِ معاویہؓ و یزید) سے رہا ہے اور کیا یہ ممکن ہے کہ ان کے افکار و خیالات پر آپ کچھ روشنی ڈالیں۔

جواب : محمود احمد عباسی صاحب کو میں نے قریب سے دیکھا ہے اور ان ملاقاتوں کے

دوران میں ان کے دینی افکار کا جیسا کچھ اندازہ مجھے ہوا اس کی مختصر روداد یہ ہے کہ وہ اولاً ''ملحدانہ افکار'' کے آدمی ہیں، مذہب کے قائل نہیں ہیں اور اسی بنا پر اسلام کی دی ہوئی تمام بنیادی حقیقتوں کے منکر، ایک دفعہ انھوں نے کہا God is Nothing خدا کچھ نہیں ہے، دوسری بات کہی I Don't Follow Any Religeon میں کسی مذہب پر نہیں چلتا، میرا کوئی مذہب نہیں، وہ کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم سے قصے کہانیاں جتنے ہیں وہ سب نکال دیے جائیں، صرف QUOTE (متن) کا حصہ باقی رکھنا چاہیے، اسے انگریزی میں کہا Quran Must Be Curtailed قرآن کو مختصر کر دینا چاہیے، جذباتی آدمی ہونے کے سبب وہ ایسے مواقع پر بڑے جوش و خروش سے اپنے باطل افکار کا اظہار کرنے لگتے تھے تو ہمیں بھی یہ چیز بڑی ناگوار گذرتی اور ایسی نشستیں انتہائی تلخی پر ختم ہوتیں، ان سے خوب خوب ترش کلامیاں ہوتیں، لیکن چونکہ ان کے ذہن میں باطل کی بنیادیں بہت ہی مضبوط ہیں، اس لیے وہ اس کے خلاف کسی بات کو تسلیم نہ کرتے تھے، ان کے اندر پہلا عیب ''کفر و الحاد'' ہے، دوسرا ''عباسیت'' کی بنا پر ''بنی فاطمہ'' سے بغض و عناد اور یہی وہ دو چیزیں ہیں، جیسا کہ ان سے ایک مرتبہ میں نے کہا تھا کہ یہی وہ عیب ہیں، جنھوں نے آپ کو کسی مقام محمود پر نہیں پہنچنے دیا، انھی اسباب کی بناء پر وہ ہمیشہ اپنے وطن (امروہہ) میں بھی بُری شہرت رکھتے تھے، جہاں تک مذہبی افکار کا تعلق ہے، کوئی انھیں فری میسنری کہتا تو کوئی دشمن اہل بیت کہتا، میں نے ان کے متعلق وہ باتیں کہی ہیں جو اچھی طرح مجھے یاد آ رہی ہیں، ان کے علاوہ بھی مختلف نشستوں میں عباسی صاحب نے ایسی باتیں کہیں ہیں جو میری طبیعت پر ایک خاص تأثر تو چھوڑ گئیں مگر الفاظ یاد نہ ہونے کے سبب میں انھیں بلفظہ نقل نہیں کر سکتا، البتہ متعدد بار کی نشستوں کے الفاظ کا مفہوم یہی تھا، مگر وہ الفاظ بڑی ڈھٹائی سے مذہب کی اہمیت سے انکار پر مبنی تھے۔

اس کے علاوہ اہل بیت خصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں گستاخیاں

اور انھیں بڑے گستاخانہ کلمات سے یاد کرنا ان کا ہمیشہ کا معمول تھا، حضرت علیؓ جو طویل القامت انسان نہ تھے، کوتاہ قامت تھے اور داڑھی اتنی بڑی تھی کہ سینہ بھرا ہوا تھا، چنانچہ وہ حضرت علیؓ کے متعلق تاریخ کے بیان کردہ ان حقائق پر اس درجہ تضحیک کے انداز میں اظہارِ خیال کرتے تھے کہ سُننے والے ہمیشہ بڑے غمگین اور مشتعل ہوجاتے تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ ''اس شخص کی گردن میں ہزاروں انسانوں کا خون ہے۔''

اور حضرت امام حسینؓ کے متعلق ان کا خیال یہ تھا کہ حکومت وقت نے جو کچھ ان کے ساتھ کیا، وہ ''اسی کے لائق تھے، کیونکہ انھوں نے بغاوت کی تھی اور یزید کو خلیفہ نہ مانا تھا''، ایک مرتبہ جب میں ''کراچی'' آکر برسوں کے بعد ان سے مِلا تو انھوں نے اپنے بھتیجے کا ''سوات کالج'' سے آیا ہوا ایک مکتوب مجھے پڑھ کر سنایا، جس میں بھتیجے صاحب نے جابجا یزید کو امیر المومنین لکھا تھا اور عباسی صاحب نے ''نہج البلاغہ'' پر جو اپنی تحقیق بصورت کتاب پیش کی ہے، اُس کو بہت ہی زیادہ سراہا تھا، اس کتاب میں عباسی صاحب نے ''نہج البلاغہ'' کے بہت سے خطبوں کو الحاقی ثابت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کا بہت کچھ مواد حضرت علیؓ کی طرف غلط منسوب کردیا گیا ہے، حالانکہ وہ ان کے کلمات نہیں ہیں، اس پر بھتیجے صاحب نے لکھا تھا کہ چچا جان کیا کہنا آپ نے تو اس تحقیق میں قلم توڑ دیے ہیں، یہ تحقیق آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے، خط سنتے ہوئے میں نے عباسی صاحب سے کہا کہ میں یزید کے لیے ''امیر المومنین'' کے الفاظ (۱) درست نہیں سمجھتا، یہ آپ کے اور آپ کے بھتیجے صاحب کے خیالات ہیں، میرے متعلق آپ خوب جانتے ہیں کہ کون سے کلمات میرے لیے دل خراش ثابت ہوسکتے ہیں اور کون سے نہیں، میں تو عرصہ سے آپ کے پاس بیٹھنے والا ہوں، آپ کو اس کا خیال کرنا چاہیے، یزید کے لیے ''امیر المومنین'' کے الفاظ میرے گوش گذار نہ کیجیے، وہ اس پر بہت غصہ اور طیش میں آگئے اور حضرت امام حسینؓ کے خلاف بہت کچھ کہا، مگر جب یہ جملہ ان کی زبان پر بار بار

---

(۱) یزید کے لیے یہ لفظ فاروق ثانی عمر بن عبدالعزیز بھی برداشت نہ کرسکے تھے اور کہنے والے کے اسی وقت ۲۰ دُرّے لگوائے تھے۔ (مرتب)

آیا He Was a Traitor, Was a Traitor کہ وہ ایک ''غدار'' تھا ایک ''غدار'' تھا، تو اُس نے مجھے بھی مشتعل کر دیا اور میں بہت سخت سست اور یہ کہتا ہوا وہاں سے چلا آیا کہ اب میں آپ کے یہاں قدم نہیں رکھوں گا، اس گفتگو کے دوران میں میرے بھائی علی مشبر بھی میرے ساتھ تھے، میں نے گھر واپس آ کر عباسی صاحب کے لیے ایک پرچا لکھا اور ان سے کہا کہ تم یہ پرچا عباسی صاحب کو دے آؤ، میرے فوراً پرچا لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ عباسی صاحب اس جگر خراش گفتگو سے قبل اپنے ساتھ دوسرے ہی روز کھانے کا وعدہ مجھ سے لے چکے تھے، لہذا میں انھیں اپنے وعدے کے مطابق نہ پہنچنے سے مطلع کرنا چاہتا تھا، میں نے اس میں لکھا تھا کہ ''میں آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلم ذہن کا آدمی آپ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے''، اس لیے میں اب آپ کے ساتھ کھانا کھانے کے وعدہ کو کینسل کر چکا ہوں، میں نہیں آؤں گا، اس کے علاوہ میں نے اس میں لکھا کہ دراصل دو چیزوں نے آپ کو خراب کیا۔

پہلی چیز ''الحاد'' اور دوسری ''قبائلی تعصب'' کی بناء پر ''اہل بیت'' سے بغض و عناد، یہی وہ چیزیں ہیں جن کی وجہ سے آپ ہمیشہ نیک نامی سے محروم اور بدنام رہے، عباسی صاحب نے بھائی ہی کی معرفت جواب لکھ کر بھیجا، جس میں اعتراف تھا اور لکھا تھا کہ ''بھائی! بعض اوقات گفتگو کرتے وقت میرے ذہن میں یہ نہیں رہتا کہ میں کس سے کیا کہہ رہا ہوں کچھ ایسی باتیں میری زبان پر آ گئیں مگر آئندہ نہیں آئیں گی، میں تمھیں یقین دلاتا ہوں اور اطمینان دلاتا ہوں اور میری خاطر نہیں اپنی چچی کی خاطر ہی کھانے کے لیے چلے آؤ، وہ بھی یہی چاہتی ہیں کہ تجمل کو مدت سے نہیں دیکھا وہ اب آیا ہے تو کھانا ہمارے یہاں ہی ہمارے ساتھ کھالے'' نیز آئندہ کے لیے اطمینان دلایا تھا، میں نے اس کا جواب لکھنا تو شروع کیا، مگر چند سطریں لکھ کر پھاڑ دیا اور یہی خیال کیا کہ جب اب مجھے جانا ہی نہیں ہے تو جواب کی ضرورت کیا ہے؟ بعدہٗ جب بھی ''کراچی'' آیا ان کے پاس نہیں گیا ان کے کلمات سے جو شدید تکلیف مجھے پہنچی تھی، اس نے اس

ملاقات کو آخری ملاقات بنادیا جو نہایت تلخی پر ختم ہوئی تھی۔

سوال : اس کے علاوہ وہ مخلوق میں سے کسی کو خدا کہتے رہے ہیں؟

جواب : وہ کبھی کبھی ہکسلے کا ''الہوم'' جو میز پر رکھا رہتا تھا اٹھا کر کہتے کہ ''میرا خدا یہ ہے'' اور کبھی ''مہاتما گاندھی'' کی تصویر جو پاس ہی دیوار پر لگی ہوئی تھی کے لیے کہتے ''یہ ہے میرا پیغمبر''۔

(۵)

''عباسی صاحب حقیقتاً کیا تھے؟''

حکیم سید محمود احمد برکاتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود احمد عباسی صاحب مرحوم سے میرا تعارف ''پاکستان'' آکر غالباً ۵۴-۱۹۵۳ء میں ہوا تھا، انھیں کسی کتاب کی ضرورت تھی اس لیے کسی کی نشان دہی پر میرے یہاں آئے تھے، جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ہمارے استاد امام طب حکیم فرید احمد صاحب عباسی مرحوم کے چھوٹے بھائی ہیں تو ایک قرب کا پہلو نکل آیا اور طرفین کی آمدورفت شروع ہوگئی ان کے اور ان کے اہل وعیال کی خدمتِ علاج کے بھی مواقع بار بار ملے۔

کچھ ہی دن کے بعد ان کی کتاب کے چرچے علمی حلقوں میں شروع ہوئے مگر مطالعے کی لت کے باوجود مجھے اس کتاب کے مطالعے کی اُکساہٹ نہیں ہوئی کیوں کہ اہل تسنن اور اہل تشیع کے اختلافات میرا موضوعِ فکر ومطالعہ ہیں نہ میری افتادِ مزاج کو خلافیات سے کوئی مناسبت ہے، نہ میں ان مناقشات کو امت محمدیہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے حق میں مناسب اور مفید سمجھتا ہوں اور تاریخی، کلامی یا فقہی مسالک کے اختلاف کے بجائے، عقائد کے اشتراک اور متفق علیہ امور پر نگاہ رکھتا ہوں، بہرحال میں یہ کتاب نہ پڑھ سکا، مگر ایک بار خود عباسی صاحب مرحوم ہی نے مجھے ''خلافت

معاویہ ویزید'' عنایت فرمائی تو اسی مطالعے کی لت کے ہاتھوں اس کا مطالعہ کر گذرا اور خلافِ مزاج پا کر الماری میں سجادی اور یوں عباسی صاحب کے افکار و آراء کا تعارف حاصل ہو گیا، لیکن اس موضوع پر ان سے گفتگو کی کبھی نوبت نہیں آئی، حالاں کہ انھوں نے بارہا سلسلہ چھیڑا مثلاً ایک بار انھوں نے فرمایا ''تم حسنی سید ہو یا حسینی؟'' میں اس سے پہلے کئی حضرات سے سن چکا تھا کہ وہ شجروں اور انساب پر گفتگو کرتے ہیں اس لیے تڑاخ سے جواب دیا کہ ''میں نے آپ سے کب کہا کہ میں سید ہوں''؟ اس پر وہ خاموش ہو گئے، اسی طرح میں نے جب سرسید کے سیاسی کردار پر تنقید کی تو عباسی صاحب ایک روز فرمانے لگے ''کل ہمارے ایک دوست کہہ رہے تھے کہ تمھارے عزیز (میری طرف اشارہ تھا) نے تمھارے مقتدا (سرسید) پر بڑی سخت تنقید کی ہے۔'' تو میں نے برجستہ جواب دیا کہ جی ہاں وہ صاحب مجھ سے بھی کہہ رہے تھے مگر میں نے ان سے کہہ دیا کہ عباسی صاحب نے ہمارے نانا (سیدنا حسینؓ) کو نہیں بخشا تو ہم ان کے مقتدا کو کیوں بخشتے؟ اس پر وہ بڑی دیر تک ہنسے اور بات آئی گئی ہوئی۔

عباسی صاحب سے ان ملاقاتوں میں مجھے اندازہ ہوا کہ وہ معمولی صلاحیتوں کے آدمی تھے، عربی غالباً بالکل نہیں جانتے تھے، فارسی پر بھی عبور (۱) نہیں تھا، میں نے ان کو فارسی کی غلط عبارتیں پڑھتے کئی بار سنا ہے، تحریر کا کام بھی وہ مسلسل نہیں کرتے رہے، آغازِ عمر میں ''تاریخ امروہہ''، ''تحقیق الانساب'' اور ''تذکرۃ الکرام'' لکھی تھیں، اس کے بہت عرصے بعد ۷۰ سال سے زیادہ کی عمر میں ''خلافت معاویہؓ ویزید'' لکھی، اس کتاب کے سلسلے میں ان کو متعدد اہل علم وقلم کا تعاون حاصل تھا جن میں سے ایک نام کے متعلق مجھے تحقیق ہے اور وہ ہے ''مولانا تمنا عمادی'' کا نام، جو ان کے لیے کتب تاریخ سے اقتباسات اور ان کے ترجمے لکھ کر بھیجا کرتے تھے، ایک بار وہ عباسی صاحب کے یہاں چند روز مقیم بھی رہے اور وہاں بھی میں نے انھیں یہی کام کرتے دیکھا ہے۔

دوسرا تاثر میرا یہ ہے کہ وہ اپنی تحریک کے سلسلے میں مخلص نہیں تھے، زبان وقلم

---

(۱) بھائی (قاری علی تجمل نقوی) بھی ان کے متعلق یہی کہتے رہے ہیں۔ (مرتب)

سے ردشیعیت کے باوجود اہل تشیع سے ان کے گوناگوں مراسم تھے، ایک بار میں پہنچا تو چند نام ور شیعہ اہل قلم ان کے یہاں بیٹھے تھے اور بڑا پر تکلف ناشتہ کر رہے تھے اور بہت اپنائیت کی باتیں ہو رہی تھیں، ان کے جانے کے بعد از خود صفائی کرنے لگے کہ ان بچوں سے وطن ہی سے مراسم ہیں، بڑی محبت کرتے ہیں، میرا بڑا لحاظ کرتے ہیں، میں نے ''جی'' کہہ کر بات ٹال دی کہ مجھے اس سے کیا دلچسپی؟ اسی طرح ایک بار انتخابات میں انھوں نے ایک شیعہ امیدوار کو ووٹ (۱) دیا اور میرے سامنے ایک صاحب کے سوال کے جواب میں اس کی وجہ یہ بتائی کہ اس کے خاندان سے قدیم مراسم ہیں اور میں اسے اہل بھی سمجھتا ہوں، ایک بار ان کی اہلیہ محترمہ جو مجھ پر بڑی شفقت فرماتی تھیں اپنے ایک ہمسائے کی شکایت کرنے لگیں کہ ''وہ آج صبح انھیں (عباسی صاحب کو) گالیاں دے رہا تھا اور یزید اور یزید کی اولاد تک کہہ گیا'' اس پر میں نے ازراہِ تفنن کہہ مارا کہ ''یہ تو آپ کے نقطۂ نظر کے پیشِ نظر مدح ہوئی، قدح نہیں ہوئی'' اس پر وہ بہت برہم ہو گئے اور اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے اور ان کی اہلیہ محترمہ کہنے لگیں ''کیوں چھیڑتے ہو؟۔''

مطلب یہ ہے کہ میرے خیال میں وہ دل سے یزید دوست اور شیعہ دشمن نہیں تھے ''بلکہ دانستہ یا نادانستہ کسی اسلام دشمن تحریک یا طاقت کا آلۂ کار تھے اور افتراق بین المسلمین کی مہم میں سرگرم تھے''، میں نے ان میں شیعیت کے مظاہر تو کئی بار دیکھے (مثلاً مجالس تک ان کے یہاں برپا ہوتی تھیں اور وہ ذکر کر کے روتے اور رُلاتے تھے) مگر ان کی پابندئ احکامِ شریعت کا کوئی منظر اور واقعہ میرے علم و ذہن میں نہیں ہے، کم سے کم میں نے ان کو کبھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا نہ کسی سے سُنا، تجارت اور معاشی منفعت بھی اس مہم میں یقیناً ان کے پیشِ نظر تھی۔ ایک بار نیاز فتح پوری کا ایک خط انھوں نے ایک دوسرے خط کے دھوکے میں مجھے پڑھنے کے لیے دیا میں بھی جب خط پڑھ چکا تو پتا چلا کہ یہ وہ مطلوبہ خط نہیں ہے، خط انھیں واپس کیا تو وہ بھی چکرا سے گئے، بہر حال اس خط

(۱) اس واقعہ کو ذہن میں رکھ کر عباسی صاحب کو سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ وہ کیا تھے؟ (مرتب)

کا جو مفہوم ذہن میں مستحضر ہے کچھ اس قسم کا تھا کہ ''خوب کتاب لکھی ہے، کچھ ہنگامہ گرم رہے گا، لطف رہے گا خوب نکل رہی ہوگی، میں نے بھی اس پر تبصرہ لکھا ہے، کتابی شکل میں بھی آئے گا، اسے وہاں نکلوائیں اور اپنی کتاب کے اتنے نسخے تاجرانہ نرخ پر مجھے بھجوائیں، کہ تبصرہ پڑھ کر کتاب کی مانگ بھی آئے گی۔'' (۱)

اسی طرح ایک صاحب سے جو نہ خدا کے قائل تھے نہ مذہب کے ان سے اپنی تحقیق کا ذکر کر کے چاہتے تھے کہ وہ رائے دیں، انھوں نے کہا ''میری رائے کا کیا کریں گے، میری نظر میں آپ کے حسین اور آپ کے یزید دونوں گھٹیا تھے، عالمی سطح پر ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، تاریخ عالم کے اکابر میں ان کو محسوب نہیں کیا جا سکتا، تخت کے دو معمولی امیدوار لڑ پڑے تھے اور ایک مارا گیا'' اس پر عباسی صاحب نے تائید اور مسرت کا اظہار ایک قہقہے سے کیا اور انگریزی میں چند جملے کہے جن کا مفہوم یہ تھا کہ ''بالکل یہی رائے میری اور ہر پڑھے لکھے (ایجوکیٹڈ) آدمی کی ہے، مگر ان صاحب (جنٹل مین) کے سامنے بات نہ کیجیے یہ لوگ قدامت گزیدہ (آرتھوڈکس) ہوتے ہیں'' عباسی صاحب نے مجھے انگریزی سے نابلد سمجھا تھا، میں نابلد ہی بنا رہا اور اجازت چاہی، جو بڑی خوش دلی سے دے دی گئی، میرے بعد باہم گفتگو ہوئی ہوگی کہ آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں میں تو خود روشن خیال اور آزاد فکر ہوں، مگر ایک فرقے کو بہکانا اور معاشی منفعت حاصل کرنا ہے۔

اس قسم کے حضرات کو صرف معاشی منفعت ہی حاصل ہو کر رہ جاتی ہے، یا پھر اس کے ساتھ کوئی عالی منصب اور شہرت بھی، مگر اصل منفعت تو کفار کو حاصل ہوئی ہے، یہود کو حاصل ہوئی، اسلام دشمنوں کو حاصل ہوئی ہے جنھیں اگر کوئی خطرہ ہے تو اس امت کی بیداری سے ہے، اس لیے وہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اور ان میں تاریخی، کلامی اور فقہی مسائل پر اختلافات کی آگ کو اپنے دامن دولت سے ہوا دے کر فروزاں کرتے ہیں۔

---

(۱) ان سطور میں آپ خوب خوب عباسی صاحب کی حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔ (مرتب)

ان کے مسلک کے بودے پن کے سلسلے میں یہ دلچسپ واقعہ بھی سننے کا ہے، ایک بار معلوم ہوا کہ ''لاہور'' سے حکیم حسین احمد صاحب عباسی مرحوم آئے ہوئے ہیں اور محمود احمد عباسی صاحب کے یہاں مقیم ہیں، چناں چہ میں اور میرے رفیق درس اور عزیز دوست حکیم جامی صاحب (جو ''کوٹری'' سے حسین میاں سے ملنے کے لیے ہی تشریف لائے تھے) عباسی صاحب کے یہاں پہنچے، حسین میاں تو نہیں ملے، البتہ عباسی صاحب ضرور مل گئے اور حسب عادت وہی موضوع چھیڑ دیا، میں حسب دستور تحمل سے کام لیتا رہا مگر جامی صاحب تحمل کے قائل نہیں اور ردِ باطل کے لیے ہمہ وقت آمادہ و مستعد رہتے ہیں اور زبان و بیان تک کی اغلاط کی تصحیح کو جہاد سمجھتے ہیں، چناں چہ عباسی صاحب اسلامی تاریخ کے مآخذ پر گفتگو کر رہے تھے اور ''طبری'' وغیرہ کو نامعتبر بتا رہے تھے، اچانک سیدنا حسین کے لیے فرمانے لگے انھیں ''خناق'' کا مرض تھا اور اطبا نے لکھا ہے کہ اس مرض میں مبتلا انسان کی قوتِ فیصلہ بہت متأثر ہو جاتی ہے، اب جامی صاحب کے جہاد کی گھڑی آ گئی تھی، عباسی سے پوچھا کہ یہ بات کس نے لکھی ہے؟ عباسی صاحب روانی میں کہہ گئے کہ ''طبری'' نے لکھا ہے! اس پر جامی صاحب نے ایک بڑے زہریلے قسم کا طنزیہ قہقہہ سر کیا اور بولے جی ہاں وہی ''طبری'' جو نامعتبر ہے، اس پر عباسی صاحب نے اپنے موقف کے ضعف کو اپنی برہمی سے قوت میں بدلنا چاہا اور آپے سے باہر ہو گئے، کھڑے ہو کر کہنے لگے میرے بھائی (بابائے طب مرحوم و مغفور) کا شاگرد ہو کر مجھ پر تنقید کرتا ہے اور ایسی ہی حواس باختگی کی بہت سی باتیں بڑے جوش غضب کے عالم میں کہہ گذرے، جامی صاحب نے جو ایسے معرکوں کے عادی اور ماہر اور جسمانی صحت سے بھی مایہ دار ہیں، بڑے اطمینان اور ٹھیرے ہوئے لہجہ میں جواب دیا ''بڑے میاں! پہلے تو بیٹھ جاؤ، ہانپ رہے ہو، پھر تم اس یگانۂ وقت اور باخدا بزرگ (بابائے طب) سے کیا نسبت رکھتے ہو اور ان سے نسبت جتاتے ہو جس کی تصدیق کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں اگر ہے تو اسے ثابت کرو اور اچھے آدمیوں کی طرح معقولیت سے

بات کرو، اپنی باتوں کے تضاد کو رفع کرو اور اگر کشتی ہی لڑنا ہے تو لو میں بھی کھڑا ہوا جاتا ہوں'' (اسی دوران میں دونوں کی بلند آوازیں سن کر زنانے میں سے ایک نوجوان غالباً نواسہ نکل آیا تھا اسے مخاطب کر کے جامی صاحب نے پچکارتے ہوئے کہا) ''میاں! ابا کی مدد کے لیے صرف تم سے کام نہیں چلے گا اللہ کے فضل سے ۲۵ آدمیوں سے بیک وقت لڑوں گا'' وہ نوجوان تو مرعوب ہو کر پیچھے ہٹ گیا اور میں نے جامی صاحب کی آتشِ جلال کو سرد کرنے کے لیے کچھ کہنا چاہا تھا کہ جامی صاحب کڑکے! ''معاف فرمایئے محمود میاں! میں باطل اور گمراہ کن اور بے سروپا باتیں سن کر آپ کی طرح خاموش ہو جانا اور تردید کے لیے مناسب موقع کا انتظار کرنا گناہ سمجھتا ہوں، اب میں اس شخص کو بھگتنے کے لیے کیا کوٹری (۱) سے پھر کبھی آؤں گا؟ یا یہ مجھے معقول جواب دے ورنہ میں (اپنے بھرے بازو دکھاتے ہوئے) ان کو حرکت میں لاؤں گا'' عباسی صاحب یہ عالم یہ رنگ دیکھ کر بڑے خوف زدہ اور بدحواس سے ہو گئے تھے، میں نے اپنے مراسم کے زور پر جامی صاحب کو بجبر التواء جہاد پر آمادہ کیا اور ان کو گھسیٹتا ہوا وہاں سے لے آیا۔

عباسی صاحب سے آخری ملاقات یوں ہوئی کہ میرے فاضل دوست جناب اقتدا ہاشمی صاحب اور میں عباسی صاحب کے یہاں گئے، ہاشمی صاحب تاریخ اسلام پر بڑا عبور رکھتے ہیں اور ان کے اور عباسی صاحب کے درمیان کتب مطالعہ کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا، تو ایک دن ہاشمی صاحب اور میں عباسی صاحب کے یہاں گئے، عباسی صاحب اور ہاشمی صاحب اسی موضوع (حسین و یزید) پر گفتگو کرنے لگے میں ایک کتاب ہاتھ میں لے کر وقت گذارنے لگا، مطالعہ سے میری توجہ بلند ہوتی ہوئی آواز نے ہٹائی۔

ایڈیٹ؟۔ (بیوقوف)

ہاں، ایڈیٹ تھا۔

علی ایڈیٹ، علی ایڈیٹ۔

یس، علی ایڈیٹ، علی واز ایڈیٹ۔

---

(۱) کیسی قابل رشک قوت ایمانی ہے کاش کہ اہلِ باطل سے مقابلہ کی ایسی ہی ایمانی قوت اللہ تعالیٰ تمام اہل سنت کو دے دے۔ (مرتب)

اور ہاشمی صاحب جو پاؤں اٹھائے تخت پر بیٹھے تھے پاؤں لٹکا کر جوتا پہنتے ہوئے مجھ سے کہنے لگے ''حکیم صاحب! آپ ٹھیریں گے، میں تو چلا، اب برداشت کی بات نہیں رہی۔''

میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا ''فوراً چلیے، اب یہاں کبھی نہیں آنا ہے توبہ توبہ!'' اور عباسی صاحب ''حکیم صاحب، ہاشمی صاحب'' چیختے رہے مگر ہم وہاں سے نکل آئے اور پھر کبھی وہاں نہیں گئے، یہاں تک کہ عباسی صاحب اس کے دربار میں پہنچ گئے جس کے سامنے ان کا باطن ظاہر ہوگا۔

محمود احمد برکاتی ☆لالوکھیت

۳۰/مارچ ۱۹۸۰ء

(۶)

''حسین فتنہ تھا''

مسجد باب الاسلام کے امام وخطیب نہایت ثقہ شخصیت مولانا محمد انور صاحب کے ارشادات

''خلافت معاویہؓ و یزید'' کے مصنف محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب ''سیدوسادات'' کی تصحیح عباسی صاحب کے اپنے مکان پر تشریف لے آنے اور خواہش کے سبب کچھ عرصہ میں نے کی، چنان چہ مذکورہ کتاب کی تصحیح کے سلسلہ میں مجھے چند بار ان کے مکان پر بھی جانا پڑا، ایک مرتبہ وہ کہنے لگے کہ ''حسینؓ فتنہ تھا''، تو میں نے کہا کہ آپ تو حسینؓ کو ''سیدنا'' لکھتے ہیں تو جواب دیا کہ اگر ''سیدنا'' نہ لکھیں تو کام کیسے چلے؟ میں نے اسی روز سے ان کے یہاں جانا ترک کر دیا۔''

☆حکیم سید محمود احمد برکاتی صاحب معروف طبیب ہیں نہایت سنجیدہ ومتدین عالم وفاضل ہیں، عمدہ صاحب قلم اور نقاد ہیں، دین کے شیدائی اور جری وحق گو ہیں، مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ سے گہری عقیدت رکھتے ہیں، تاریخی طبیب حکیم فرید احمد صاحب عباسی امروہوی (جو مصنف خلافت معاویہؓ ویزید کے بھائی تھے) کے شاگرد رشید ہیں۔ (مرتب)

یہ ہیں عظیم الدین صاحب کے شیخ الاسلام، امام اہل سنت اور مجددِ تاریخ صاحب ۔۔۔۔ مولانا موصوف کا عظیم الدین صاحب سے بھی کافی تعلق رہا ہے۔

کراچی میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ صاحبؒ کی تقریروں کا پروگرام دونوں حضرات عرصہ تک مل کر تیار کرتے رہے ہیں، مولانا کا بیان ہے کہ: ''میں ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کے ہمراہ عظیم الدین صاحب کے مکان پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ احمد حسین کمال صاحب (۱) کے یہاں گئے ہیں ہم دونوں کمال صاحب ہی کے یہاں پہنچ گئے، تو وہاں دوران گفتگو عظیم الدین صاحب نے کہا کہ ''حدیث کوثر'' کو ''بخاری'' میں نقل کر کے امام بخاری نے اپنی شیعت کا ثبوت فراہم کر دیا ہے، اس دوران عظیم الدین صاحب نے امام بخاری کو صاف صاف شیعہ کہا۔'' ۵/مارچ ۱۹۸۰ء

(۷)

بھری محفل میں ''عباسی جنتری'' کو چیلنج

از جناب مقبول احمد صدیقی، کراچی

بمقام ''سکرنڈ''، ضلع نواب شاہ بر مکان بشیر صاحب، عباسی صاحب مصنف ''خلافت معاویہؓ و یزید'' کی ایک نشست میں شرکت کا مجھے بھی شرف حاصل ہے یہ نشست سات آٹھ افراد پر مشتمل تھی، عباسی صاحب نے کھانے کے دوران میں بھی سلسلۂ گفتگو جاری رکھا، جو متأثر کن تھا اور ان کے علم و تحقیق کا مظہر، ان کی مربوط و مدلل تقریر سے میں خود بہت محظوظ ہو رہا تھا، اس وقت تک میں نے ان کی کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' تو نہ پڑھی تھی البتہ اس پر ایک تبصرہ رسالہ ''لیل و نہار'' میں پڑھ چکا تھا، اس لیے مصنف کتاب کو بچشم خود دیکھنے اور اُن سے ملنے کا متمنی تھا، خوش قسمتی سے اچانک معلوم ہوا کہ عباسی صاحب بنفس نفیس بشیر صاحب کے یہاں آئے ہوئے ہیں اور اسی وقت ان کی نشست بھی ہے میں فوراً قیام گاہ پر بشیر صاحب کی دعوت کے مطابق پہنچا اور

(۱) روسی سفارت خانہ کے سابق ملازم۔ (مرتب)

پہلی بار ان کی طویل گفتگو سنی، دورانِ گفتگو میں وہ اپنی اس ''جنتری'' کو بھی زیرِ بحث لائے جس کا تذکرہ انھوں نے اپنی کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' میں کیا ہے اور مخاطبین کو ''مدینہ'' سے ''کوفہ'' تک کی منزلوں کی تعداد بتاتے ہوئے منزلوں کا حساب مفصل سمجھایا اور فرمایا کہ حضرت حسینؓ جس تاریخ کو ''مدینہ'' سے برائے ''کوفہ'' مع اہلِ خاندان روانہ ہوئے ہیں چوں کہ ان کا تمام تر سفر اونٹ پر تھا اس لیے مورخین حسینؓ کے کوفہ پہنچنے کی جو تاریخ ابتداء محرم کی نقل کرتے ہیں وہ بالکل غلط ہے، اونٹ جس رفتار سے چلتا ہے وہ ان کو محرم کی ابتدائی تاریخوں میں ہرگز نہیں پہنچا سکتا بلکہ وہ ۱۰ محرم کو ''کوفہ'' پہنچے ہیں اور اسی روز شہید (۱) ہو گئے ہیں یہ آٹھ دس روز کی مظالم اور پانی وغیرہ کی بندش کی روایتیں سب من گھڑت ہیں، اونٹ اس رفتار کا متحمل نہیں ہو سکتا کہ وہ حسین کو جب کہ بچے اور عورتیں بھی ان کے ہمراہ ہیں اور سفر نہایت شاق ریت کے میدانوں کا ہے، مورخین کی بیان کردہ تاریخ پر پہنچا دے، دورانِ گفتگو میں اونٹ کی منزل بہ منزل رفتار پر روشنی ڈالتے رہے، جو شخص اونٹ کی سواری کا خود تجربہ نہ رکھتا ہو اس کے لیے تو ان کی منزل بمنزل اونٹ کی رفتار پر بحث نہایت حیرت ناک اور ان کے بے مثال مورخ و لائق ہونے کا لوہا منوانے کے لیے کافی تھی مگر میرے اوپر اس نے برعکس اثر کیا کہ ان کی تاریخ دانی کا جو رعب ان کی گفتگو کا باقی ماندہ حصہ قائم کر چکا تھا وہ بھی شبہات سے دوچار اور بے وزن ہو گیا اس لیے کہ میں خود کاروباری طور پر جنگلات سندھ سے برسوں سے وابستہ ہونے کے سبب اونٹ کی سواری کا خود عادی اور ہر میدان میں اس کی رفتار کے نشیب و فراز سے بخوبی باخبر تھا، چنان چہ مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے سب لوگوں کی موجودگی میں ان کی گفتگو میں مداخلت کی اور ان کے اونٹ کی رفتار سے متعلق منزل بمنزل دیے ہوئے حساب کی قطعی تردید کی، میں نے ان سے کہا کہ یہ آپ کا دیا ہوا حساب میں اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر کہتا ہوں، ''بالکل غلط ہے اور میری تصدیق کے لیے آپ ابھی میری جیپ میں بیٹھیے اور میرے ساتھ ''ماڑی فارسٹ'' چلیے جہاں نسلاً بعد نسلٍ اونٹ پر کاروبار کرنے والے اور اونٹ پر اپنے بیوی بچوں اور نہایت وزنی

---

(۱) محترم عظیم الدین صاحب بھی جو کھی پر کھی مارنے کے عادی ہیں، اپنے ''حادثۂ کربلا'' پمفلٹ میں یہی لکھتے ہیں۔ (مرتب)

سامان کے ساتھ ریتیلے میدانوں کو عبور کرنے والے بہت سے لوگوں سے آپ کی ملاقات ہو جائے گی، یہ سن کر وہ خاموش (ا) ہو گئے اور میں نے ان سے دعوے سے کہا کہ حضرت حسینؓ تو بہترین سواری کے اونٹوں پر بیٹھ کر مع اپنے متعلقین ''مدینہ'' سے ''کوفہ'' کو روانہ ہوئے، اگر وہ ''لدی'' یعنی سامان برداری کے گھٹیا اور کم رفتار اونٹوں سے بھی ''مدینہ'' سے مع بچوں کے چلتے تب بھی یقیناً یکم محرم تک کوفہ پہنچ جاتے مورخین کا بیان بالکل صحیح ہے اور آپ کا خلاف حقیقت۔

بھری بزم میں راز کی بات کہدی
بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

مقبول احمد صدیقی
اے۵۷، بلاک سی، نارتھ ناظم آباد، کراچی۔

(۸)

''عباسی صاحب حضرت عثمان غنی کو خلیفہ ثالث بھی نہیں مانتے تھے''

جناب موسیٰ حسن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم۔ جہاں اس امت مسلمہ میں ایسے سعادت مند اہلِ علم اور محققین۔۔۔ پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے قلم کے ذریعے دین کی اشاعت وتبلیغ کی خدمت انجام دی ہے وہاں ایسے بد بخت گم راہ لوگ بھی ہوئے جنھوں نے اپنے قلم کے ذریعہ دین کے متعلق شکوک پھیلائے، واجب الاحترام ہستیوں کو اپنی خباثت کا نشانہ بنایا اور مسلمہ واقعات کو غلط تاویلات کے ذریعہ مسخ کرنے کو اپنی زندگی

(ا) خاموش کیسے نہ ہوتے ہر شخص جانتا ہے کہ سب سے پہلے ہر مجرم کا ضمیر ہی اس کو میدان مقابلہ وتحقیق میں آنے سے روکتا ہے پوری جنتری حسینؓ دشمنی اور اسلام دشمنی کی مرہون منت اور محض خود ساختہ ڈراما ہے، ناظرین کو یاد ہوگا کہ پیکر تحقیق مولانا عبد الرشید نعمانی مدظلہ العالی عباسی صاحب کی حیات ہی میں اس افسانوی جنتری کا خوب خوب پوسٹ مارٹم فرما چکے ہیں جس کا موصوف نے آخر دم تک کوئی جواب نہیں دیا۔ (مرتب)

کا مشن بنایا، محمود عباسی صاحب اسی دوسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، غالباً ۱۹۵۸ء، ۱۹۵۵ء کا زمانہ تھا کہ عباسی صاحب کا ایک سلسلہ وار مضمون ''الحسین'' کے نام سے کراچی کے ایک ماہ نامہ میں چھپنا شروع ہوا، (۱) راقم بھی اپنی کوتاہ علمی کی وجہ سے اس سے متأثر ہوگیا تھا، عباسی صاحب سے اسی دوران میں تعارف ہوا اور بعدہ تین چار بار ان سے ملاقاتیں بھی ہوئیں، مگر دورانِ گفتگو میں عباسی صاحب حضرت علیؓ کی شان میں گستاخانہ کلمات اور مغلظات استعمال کرتے رہے، وہ حضرت عثمان غنیؓ کو خلیفہ ثالث بھی نہیں مانتے تھے، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شر سے محفوظ رکھا اور میں نے محسوس کیا کہ یا تو عباسی خارجی ہے یا ناصبی۔

مجھے خوشی ہے کہ مطہر نقوی صاحب نے عباسی صاحب کی خباثت پر سے پردہ اٹھانے کے لیے یہ کتاب لکھی ہے اور مجھے امید ہے کہ بہت سے لوگ جو عباسی صاحب کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں اس کتاب سے عباسی صاحب کا حقیقی چہرہ دیکھ سکیں گے۔ فقط

موسیٰ حسن

۲۱،۹،۱۹۸۰ء

(۹)

حکیم اویس احمد عباسی مرحوم کا ایک ہدایت بخش خواب

مُرتّب

مصنف ''خلافت معاویہ و یزید'' کے بھتیجے حکیم اویس احمد عباسی مرحوم جن کا مطب لالوکھیت نمبر ۱۰ پر تھا راقم کبھی کبھی ملاقات کے لیے ان کے پاس جاتا تھا، مرحوم انسانیت و اخلاص کا پیکر تھے اور روتے کو ہنسانے کے ماہر، راقم کے قلب میں ان کی شرافت و اخلاق کی بڑی قدر تھی اور ان کے متعلق یہ خصوصی کوشش کہ کہیں اپنے چچا محمود

(۱) موصوف کا بیان ہے کہ ''خلافت معاویہ ویزید'' پر پابندی کے خلاف قانونی چارہ جوئی کے لیے میں ہی عباسی صاحب کو حسین شہید سہروردی کے پاس لے گیا تھا، موصوف سے ملاقات بواسطہ ''عوامی کتب خانہ'' نزد میمن مسجد بندر روڈ ہو سکتی ہے۔ (مرتب)

احمد صاحب کا ناصبی والحادی اثر ان کو مسموم نہ کر جائے اور یہ اپنے چچا کے ناصبی متعدی زہر سے محفوظ رہیں، چنان چہ راقم اکثر اسی جذبہ کو لیے ان کے پاس جا کر بیٹھتا تھا، ناصبیت کے اثرات کبھی کبھی ان کی گفتگو سے جھلک بھی جاتے تھے، مگر راسخ اور نمایاں گستاخی کی حد تک نہیں، حسب عادت ایک روز جو راقم ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے یہ مژدہ سنایا کہ:

> ''میں نے آقائے دو جہاں ﷺ کو خواب میں اس حال میں دیکھا کہ ان کی بیٹی آپ کے قریب بیٹھی ہیں اور آپ نے انگلی اٹھا کر اور انگلی سے بیٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ ''یہ خاتونِ جنت ہیں''، سرکار کے اس فقرہ نے حضرت فاطمہؓ کے لیے جو غبار چچا (محمود احمد عباسی صاحب) نے میرے دل میں پیدا کر دیا تھا اور میرے قلب سے سیدہ کائنات کا جو وقار ان کے ماحول نے نکال دیا تھا وہ نہ صرف بالکل دور ہو گیا، بلکہ اب میرا قلب ان کی عظمت سے لبالب ہو گیا، میں اس خواب کے فوراً بعد چچا کے پاس گیا اور میں نے ان سے خواب بیان کیا اور انھوں نے جو برا تاثر حضرت فاطمہ کے لیے میرے ذہن پر قائم کر دیا تھا اس کی پرزور تردید کی اور بار بار جھٹلایا اور آنحضرت کا یہ محبت بھرا ارشاد سنایا کہ ''یہ (فاطمہ) خاتونِ جنت ہیں''، جس کی آپ مجھ سے تردید کرتے رہے ہیں۔''

راقم نے ان کی اصلاح پر اللہ کا شکر ادا کیا اور بے حد خوشی ہوئی اور اطمینان میسر آیا کہ اب ان شاء اللہ عباسی صاحب انھیں کبھی گم راہ نہ کر سکیں گے اس لیے کہ خواب اصلاح میں جادو کا اثر رکھتی ہے، چنان چہ اسی وقت سے موصوف کا قلب حضرت فاطمہؓ کی بے پناہ تعظیم و تکریم اور عظمت و عشق میں تبدیل ہو گیا۔

(۱۰)

ایک روح دو قالب

''عباسی'' و ''پرویز''

مرتب

''بلال مسجد واقع سی بلاک شمالی ناظم آباد'' کے ایک نمازی جو ''مدراس'' کے رہنے والے ہیں، غلام احمد پرویز کے رسالہ ''طلوعِ اسلام'' کا اکثر مطالعہ کرتے دیکھے

جاتے ہیں، ایک روز راقم سے دورانِ گفتگو فرمانے لگے کہ ''میں ''خلافت معاویہؓ و یزید'' کتاب پڑھ کر مصنف کتاب (محمود احمد عباسی صاحب) کی خدمت میں چند بار گیا ہوں، ایک مرتبہ میں نے عباسی صاحب سے عرض کیا کہ حضرت آپ کو تو بجائے شیعوں سے محاذ آرائی کے قرآن کی خدمت کرنی چاہیے تھی تو آپ اپنی ذات سے زیادہ فائدہ پہنچا سکتے تو حضرت نے فرمایا کہ ''قرآن کی خدمت کر تو رہا ہے ہمارا پٹھا پرویز۔''

چنان چہ جس وقت سے حضرت سے میں نے یہ سُنا پرویز صاحب کی تصنیفات خریدیں اور اسی وقت سے تالیفات پرویز اور ''طلوع اسلام'' کا مطالعہ شروع کر دیا۔''

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

موصوف سیدھے سادے معقول نمازی ہیں راقم نے عباسی صاحب اور ان کے یار غار پرویز صاحب کے عقائد اور ان کے انجام سے موصوف کو باخبر تو کیا مگر خاطر خواہ نتیجہ اب تک نہیں نکلا، قارئین دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ان دونوں (عباسی و پرویز) مخالفین اسلام اور ان کو شیخ الاسلام اور مجدد تاریخ لکھنے والوں سے محفوظ فرمادے اور ان کے اصل چہرے عامۃ المسلمین پر عیاں کر کے توفنا مع الابرار کی توفیق عالیہ سے ہم کنار کر دے۔ اللھم اغفر لنا ذنوبنا و کفر عنّا سیّاٰتنا و توفّنا مع الابرار۔

مقامِ عبرت

عظیم الدین صاحب کی تالیفات سے راقم کو یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ وسعت مطالعہ اور مجتہدانہ بصیرت نے موصوف کو اس نتیجہ پر پہنچا دیا ہے کہ خلیفہ رابع (علی مرتضیٰ) کے مقابلہ میں یزید تو کیا ابن ملجم قاتل خلیفہ رابع بھی ملت اسلامیہ کا زیادہ مخلص و دردمند تھا اور اس نے علی مرتضیٰ کی مسلم کشی سے تنگ اور عاجز آ کر ہی علی مرتضیٰ کو تہ تیغ کیا

تھا، لیکن چند روز ہوئے راقم کے غریب خانہ پر ''امام وخطیب جامع مسجد گورنمنٹ کالج آف ٹکنالوجی'' تشریف لائے اور راقم کو حسب ذیل تحریر برائے اشاعت مجموعہ ہذا مرحمت فرمائی، موصوف کافی مشتعل تھے اور مجموعہ ہذا کی تیاری پر راقم کے احسان مند مولانا محترم شیعوں کے مقابلہ میں راقم کی شائع کردہ کتب خرید کر اپنے حلقۂ احباب میں تقسیم کرتے رہے ہیں اور اس سے قبل متعدد بار راقم کے غریب خانہ پر ردِّ شیعہ ہی کے جذبہ سے تشریف لا چکے ہیں اور الحمد للہ آپ کا پارۂ غضب شیعوں کے مقابلہ میں ہمیشہ مشتعل ہی رہا ہے لیکن مولانا موصوف کی تحریر ہذا سے عظیم الدین صاحب کی دوسری نادرِ روزگار تحقیق یہ علم میں آئی کہ موصوف کے نزدیک صرف ''ابن ملجم'' ہی نہیں بلکہ عبداللہ ابن سبا یہودی (بانیٔ مذہب شیعہ) بھی علی مرتضیٰ سے بہتر تھا اور امت کی جملہ تباہیوں اور انتشارات کی اصل ذمہ داری عبداللہ ابن سبا پر نہیں بلکہ علی مرتضیٰ پر عائد ہوتی ہے، علی مرتضیٰ جیسا ظالم و شقی، شاطر و خود غرض سراپا ہوس جاہ و اقتدار اور فتنہ محض حتیٰ کہ ابن ملجم اور عبد اللہ ابن سبا یہودی سے بڑھ کر سفّاک، اسلامی تاریخ نے نہیں دیکھا۔ استغفر اللہ!

پیکر ایمان مولانا عبدالغفور صاحب بلوچ کی یہ تحریر اس المناک نتیجہ تک ناظرین کو پہنچانے کے لیے کافی ہے کہ دشمنان علی و حسین بھی ایسے ہی معتوب الٰہی ہیں جیسے کہ دشمنان ''خلفاء ثلاثہ'' اور ان دونوں برادران خورد و کلاں کا انجام ایک ہی ہے کاش کہ اللہ تعالیٰ دونوں شاطروں سے اہل سنت کو محفوظ و مامون رکھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (مرتب)

(۱۱)

''عظیم الدین صاحب کا پیمانۂ عداوتِ علیؓ''

مولانا عبدالغفور بلوچ صاحب کراچی

علی مطہر نقوی صاحب! یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ ان افراد کی اسلام

دشمنی کو واضح کرنے کے لیے ایک کتاب لکھ رہے ہیں، جو اسلام کی عظیم شخصیتوں کی آڑ میں اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں، لہٰذا میں بھی اسی قسم کا ایک واقعہ آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ میں ایک دن جناب مولانا ابو بکر قصر قندی خطیب جامع پی۔ آئی۔ اے کراچی سے ملاقات کرنے گیا تھا، تو ایک صاحب شاہ بلیغ الدین صاحب کو فون کر رہے تھے کہ ''اظہار حقیقت'' برد ''خلافت و ملوکیت'' چھپ گئی ہے اور ہم ''مجلس عثمان غنی'' کے تحت ایک جلسہ کر رہے ہیں جس میں آپ کو تقریر کرنی ہوگی، میری اِن صاحب سے اس موضوع پر گفتگو ہوئی، تو میں نے کہا کہ تاریخ کی یہ تمام سازشیں عبداللہ ابن سبا کی وجہ سے ہوئیں، وہ صاحب اہانت آمیز لہجہ میں بولے کہ ان تمام واقعات کی ذمہ داری صرف اور صرف علی بن ابی طالب پر آتی ہے جس نے اپنے اقتدار کے لیے لاکھوں مسلمانوں کو قتل کرا دیا، یہ شخص مولوی عظیم الدین ہے جس کی کنیت (اس کے قریبی دوست اس کو ابو الخوارج کہتے ہیں) ابو معاویہ (۱) ہے، غالباً کورنگی نمبر ۵ کے ایریا کی جامع مسجد میں امام ہے، ''مجلس عثمان غنی'' (۲) کا کرتا دھرتا ڈاکٹر کمال ہے جو ''ترجمان اسلام'' میں بھی کام کرتا رہا ہے، یہ روس نواز کمیونسٹ ہے، جو مسلمانوں کے مذہبی جذبات سے فائدہ اٹھا کر اسلام کے خلاف زہر پھیلاتا رہتا ہے۔

احقر، عبدالغفور بلوچ خطیب جامع مسجد گورنمنٹ کالج آف ٹکنالوجی سائٹ کراچی۔

(۱۲)

محمود احمد عباسی بحیثیت مسلمان اور انسان

امان علی نقوی شجر

''خلافت معاویہ و یزید'' کے جواب میں ناظرین اب تک متعدد کتب کا مطالعہ فرما چکے

(۱) مولانا جوش غضب میں بھول کر ''ابو معاویہ'' لکھ گئے حقیقتاً ابو الحسین ہے۔ (مرتب)

(۲) سنا ہے کہ اس ایمان سوز ادارہ کی بنیاد مصنف ''خلافت معاویہ و یزید'' نے رکھی تھی، اس ادارہ کی آج تک کی کارکردگی اور نتائج کے مطابق اس کا صحیح نام ''مجلس دشمنانِ صحابہ'' یا ''مجلس مردان و یزید'' ہے، موجودہ نام محض استحصالی اور تلبیسی ہے۔ (مرتب)

ہیں اس لیے میں بجائے کتاب مذکور پر تبصرہ کرنے کے چند ایسے واقعات قارئین کے علم میں لانا چاہتا ہوں جو قارئین کے لیے عباسی صاحب کو مختلف پہلوؤں سے سمجھنے میں معاون ہوں گے۔

بے شک بے عیب ذات تو اللہ ہی کی ہے چنانچہ اِس دار فانی میں نہ کہیں خالص نیکی پائی جاتی ہے اور نہ خالص بدی، اسی طرح نہ انسان بے عیب ہوا ہے اور نہ ہوگا مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس شخص کے مقاصد اور اظہار ابلاغ میں کس حد تک نیکی یا بدی کا عنصر غالب ہے، نیز یہ بھی ایک امر مسلمہ ہے کہ کسی قوم یا فرد میں طبعی طور پر اعلا قابلیت کا ہونا ممکن ہے، لیکن اگر وہ عصبیت یا اور کسی وجہ سے اپنی ذات کو کسی خاص مقصد یا نظریے سے ہم آہنگ اور وابستہ کرلے تو اس کی اعلا و طبعی صلاحیت غیر فطری اور معکوس بن جاتی ہے، چنانچہ جب ہم محمود احمد عباسی صاحب کی ذات اور ان کے سرمایہ تالیفات پر نظر ڈالتے ہیں تو مایوسی ہی مایوسی ہوتی ہے۔

اگرچہ عباسی صاحب تحریر و تقریر دونوں کے اعتبار سے ''امروہہ'' کی ایک نمایاں شخصیت تھے، ان کی تحریر میں روانی، فصاحت اور تسلسل بیان بہت نمایاں ہے اور وہ بھی تاریخ جیسے موضوع پر، مگر افسوس ان کے اس دل نشین اسلوب نگارش اور علم و فکر کا دھارا ردِ شیعت کرتے کرتے ناصبی عقائد کی طرف بہہ نکلا، اپنے خاندان سے مختلف ان کی پیدائشی کمزوری یہ تھی کہ وہ اپنی جدّت پسندی اور نام و نمود کی خاطر دین و ایمان سے بے گانگی تک میں کسی قسم کا پس و پیش نہ کرتے تھے، البتہ تحریر کی حد تک کسی قدر محتاط انداز اختیار کرلیتے تھے لیکن بولنے میں قطعاً آزاد (۱) تھے، جو زبان پر آیا کہہ گزرے وہ خواہ وجود خداوندی اور دین سے انحراف ہی کیوں نہ ہو، دراصل ان کا دور الحاد اور مادہ پرستی کا

(۱) عباسی صاحب کا گفتگو میں غیر محتاط اور آزاد ہونے کا عالم تو یہ تھا کہ وہ قادیانیوں کی تعریف کرتے تھے ان کو اسلام اور مسلمانوں کی شان اور عزت سے تعبیر کرتے تھے اور یورپ میں جو مساجد قادیانیوں نے تعمیر کی ہیں ان کے بڑے رطب اللسان تھے، لفظ کافر قادیانیوں کے لیے سننے پر قادر نہ تھے، قادیانیوں کو کافر کہنے والے کو ڈانٹتے اور فوراً مغلوب الغضب ہوجاتے اور مخاطب کو دبانے میں اپنی سفید ریشی سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے، خدا کا شکر ہے کہ عباسی صاحب علماء شیعہ جیسے باکمال پیکر تقیہ نہ تھے ورنہ مزید ایمان سوز اور مہلک ثابت ہوتے، علماء شیعہ کے اصل عقائد و ایمان سوزیوں کا تو کتب شیعہ کے مطابق تادمِ مرگ بھی سراغ نہیں ملتا۔ (مرتب)

دور تھا جس میں وہ تنکے کی طرح بہہ گئے، مجھے ان کے ملحدانہ نظریات کا نقل وطن کے بعد ان سے پہلی ہی ملاقات میں اس وقت علم ہوا جب وہ ''پاکستان'' میں ''چینی سفارت خانے'' میں بحیثیت مترجم برسرکار تھے، فرمانے لگے:

''خالق و مخلوق اور اس کی عبادت وغیرہ کا تصور حقیقی سے زیادہ فرضی ہے جو عوام پر ایک مخصوص گروہ یا طبقے کی فرمانروائی کے لیے معرض وجود میں آیا۔''

مجھے ان کے ان خیالات کو سن کر بڑا دکھ ہوا، دراصل ناصبی عقائد بھی ان کی اس بے راہ روی ہی کا نتیجہ تھے، جو ''خلافت معاویہ و یزید'' اور ''تحقیق مزید'' کی صورت میں منظر عام پر آئے۔

بغض علی و آلِ علی : بغض علی و آل علی کے سلسلے میں ایک واقعہ کا اظہار بے محل نہ ہوگا، میں ایک مرتبہ عباسی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو مرحوم نے فرمایا ''اختلاف امت'' کے سلسلے میں ایک کتاب لکھنا چاہتا ہوں اور چوں کہ کافی ضعیف ہوگیا ہوں لہذا تو میری مدد کر (موصوف ہمیشہ ''تو'' سے مخاطب فرمایا کرتے تھے جو اُن کے عین پیار و محبت کا مظہر تھا) میں نے عرض کیا: ''میں اس کام کے لیے اہل نہیں ویسے آپ جو خدمت چاہیں حاضر ہوں، البتہ ایک ایسے نوجوان کو آپ سے ملانے لاؤں گا اور ان کو آپ کی مدد کے لیے آمادہ کرلوں گا جو بمقابلہ میرے اس کام کے بہت زیادہ اہل ہیں۔'' وہ میرے عزیز ترین دوست محمد حسین (مرحوم) ایڈوکیٹ تھے جو اتفاق سے ان کی حقیقی خالہ زاد بہن کے نواسے تھے، جن کی غیر معمولی اہلیت کے جسٹس (سپریم کورٹ) فخر الدین جی ابراہیم آج تک معترف و مداح ہیں، چنانچہ حسب وعدہ ان کو عباسی صاحب کے پاس لے جا کر حاضر کردیا، تعارف کے بعد وہ محمد حسین مرحوم کو اپنی بیگم صاحبہ کے پاس لے گئے، بعدہٗ مطلوبہ تالیف کا ذکر ہوا جو بعد میں ''خلافت معاویہ و یزید'' کے نام سے موسوم ہوکر شائع ہوئی لیکن چند ہی ملاقاتوں کے بعد محمد حسین مرحوم ان

سے بیزار ہو گئے اور مجھ سے آ کر فرمایا ''جناب میں اُن (عباسی صاحب) کے ساتھ کام نہیں کر سکتا میں ان سے بھی صاف صاف کہہ آیا ہوں اور تمھیں بھی مطلع کر رہا ہوں'' میرے استفسار پر کہنے لگے ''ان کی فکر میں حق اور تحقیق کا فقدان ہے، وہ صرف عصبیت زدہ اور جانب دارانہ سوچ رکھتے ہیں اور ''علی'' اور ''آل علی'' سے بغض کے سوا دیکھنے کی صلاحیت سے عاری ہیں۔''

محمد حسین مرحوم نے باوجود رشتہ داری اور اپنے خورد ہونے کے احساس اور طبعاً انتہائی مہذب و سنجیدہ ہونے کے کہا کہ ''یورپ کے مؤلفین کے تعریفی کلمات تو آپ کبھی نقل نہیں کرتے لیکن اگر ''علی و حسین'' کی کمزوری آپ کو نظر آ جاتی ہے تو اس کو نقل کیے بغیر آپ کا قلم رکنے میں نہیں آتا، کیا کوئی مورخ ایسا ہو سکتا ہے؟'' بلکہ ایک مرتبہ یہ تک کہہ دیا کہ ''آپ نے یورپ کے مصنفین کو پڑھا ہی نہیں۔''

دراصل عباسی صاحب کی رفاقت کو مستقلاً وہی شخص نبھا سکتا تھا جو یا تو لادین ہو یا بے ضمیر اور اپنی دینی اور نظریاتی خودداری سے مطلقاً عاری۔

اس ضمن میں ایک اور واقعہ یاد آیا، ''تاریخ امروہہ'' کی تالیف کے دوران میں میرے عم زاد قاری سید علی تجمل خاں نقوی (گھڑیاں والے) حال ساکن ''پشاور'' ''تاریخ امروہہ'' کی تیاری میں عباسی صاحب مرحوم کی شب و روز مدد فرما رہے تھے، ایک مرتبہ قاری صاحب موصوف نے اسی قسم کے تعصبات کی وجہ سے فرمایا کہ ''عباسی صاحب! مجھے پختہ یقین ہو گیا ہے کہ آپ واقعی نجیب الطرفین عباسی ہیں'' عباسی صاحب نے بڑی حیرت اور خوشی سے سوال کیا: تمھیں کیسے پتا چلا؟ قاری صاحب نے جواباً عرض کیا کہ ''علی'' اور ''آلِ علی'' کے ساتھ آپ کے عناد سے۔

ناظرین کو یہ معلوم ہو کر تعجب ہوگا کہ ایک مرتبہ عباسی صاحب نے اپنے خصوصی رفیق و معاون قاری علی تجمل خاں نقوی سے اپنے بھائی مسعود احمد عباسی کی

تعریف وتوصیف میں برائے اظہار تشکر کچھ شعر قلم بند کرائے مگر ان اشعار کو اپنی ضخیم تصنیف ''تذکرۃ الکرام'' میں اس انداز سے شائع کیا کہ گویا وہ اشعار خود عباسی صاحب ہی کے ہیں، لکھتے ہیں:

''جذبات تشکر نے نظم کا پیرایہ اختیار کیا ہے سنیے!''

حالاں کہ عباسی صاحب خود شاعر نہ تھے، قاری صاحب نے مطبوعہ نسخہ کتاب کو دیکھا تو ان سے پوچھا کہ کیا یہ اشعار آپ کے ہیں؟ تو کہنے لگے کہ میں آئندہ اشاعت میں اس کی معذرت کرلوں گا، یا تمھارے ہی نام سے شائع کردوں گا۔

من جملہ بہت سے واقعات کے اس وقت صرف دو مثالیں اور نقل کر رہا ہوں۔

عباسی صاحب اپنی تالیف ''تاریخ امروہہ'' کے مقدمہ کے صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں:

''اس سلسلہ میں قاضی سید علی حسن صاحب خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں جنھوں نے کہنہ کاغذات کے انبار کو جو'' قضاء امروہہ'' کے دفتر کے جزوی حصے کے طور پر دست برد زمانہ سے محفوظ رہ گیا تھا میرے حوالے کر دیا۔''

اب افسوس ناک بات یہ ہے کہ مصنف ''خلافت معاویہ و یزید'' نے ان کاغذات کو عاریتاً حاصل کیا تھا، لیکن قاضی علی حسن اور ان کے خاندان والوں کی ہزار منت سماجت کے باوجود آخر دم تک واپس نہیں فرمایا، ایسی اخلاقی کمزوریاں عباسی صاحب کے نزدیک کوئی عیب نہ تھیں، ''امروہہ'' کے کتنے ہی ایسے خاندان ہیں جنھوں نے عباسی صاحب کے ''امروہہ'' کے معروف ومعزز خاندان کا فرد ہونے کے سبب اپنے تمام تر ذخیرہ کاغذات کو ان کے حوالہ کر دیا تھا، مگر عباسی صاحب نے اس کو واپس نہیں فرمایا اور وہ بددعائیں دیتے دیتے دنیا سے دل گرفتہ ہی گزر گئے، ایسے دکھے دلوں کی بد دعاؤں کا بھی یہ انجام ہے کہ جس نے عباسی صاحب کو خدا اور رسول پر ایمان تک سے آخر

دم تک محروم رکھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اتنا عرض کر دوں کہ "تاریخ امروہہ" کی تیاری کے دوران میں سوائے میرے خسر اور عم محترم (سید علی مرتضیٰ خاں) کے میرے خاندان کے کسی دوسرے بزرگ نے باوجود اپنے پاس خاندانی کاغذات کا کافی ذخیرہ ہونے کے عباسی صاحب کو ایک کاغذ بھی نہیں دیا، لیکن سید علی مرتضیٰ خاں نے اپنے مومنانہ حسن ظن کی بدولت ایک مراسلہ حوالہ کر دیا جو میرے جد خاندان سید علی اعظم خاں (۱) (گھڑیال والے) کی جاگیر واگذار (۲) ہونے سے متعلق تھا، یہ تاریخی مراسلہ عباسی صاحب نے برصغیر میں بالعموم اور "امروہہ" میں بالخصوص مذہب شیعہ کے فروغ کی تاریخ بیان کرنے کے سلسلہ میں حاصل کیا اور اسی ذکر کے تحت اپنی تالیف اول "تاریخ امروہہ" کے صفحات ۷۹ ---۲۷۶ پر حسب ذیل تفصیلی بحث کی ہے۔

"---نواب آصف الدولہ کے مقرب خاص کے نام ہے، تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے شائع کرنا بے محل نہ ہوگا، یہ اصل تحریر خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے کاغذ افشاں ہے جس پر طلائی کام ہے اس کا عکس بھی شائع کیا جاتا ہے۔"

یہ تحریر میرے عم محترم (سید علی مرتضیٰ خاںؒ) سے مستعار لے کر کبھی واپس نہیں کی حتیٰ کہ برسوں بعد میں نے خود موصوف سے اس کی فوٹو کاپی چاہی تو فرمایا کہ میں

---

(۱) "لفظ خاں" شاہ عالم ثانی کے دیے ہوئے خطاب (خان بہادر) کا حصہ ہے نہ کہ علامت نسب۔ (مرتب)

(۲) غنیمت ہے کہ شیعہ حکومت "اودھ" نے سید علی اعظم خاں امروہوی کو ان کے سنی ہونے کی سزا صرف ضبطی جائداد تک ہی محدود رکھی ،ورنہ تاریخی عالم اسلام مولانا حیدر علی صاحبؒ مولف "منتہی الکلام" کو تو صرف "منتہی الکلام" کتاب کی تصنیف پر پھانسی کی سزا تجویز فرمائی تھی، مذکورہ کتاب شیعوں کے مقابلہ میں بے نظیر علمی ذخیرہ ہے، جس کے نتیجہ میں مولانا موصوف کو حدود "اودھ" سے تاعمر باہر رہنا پڑا اور "حیدرآباد دکن" رہ کر دوسری کتاب "ازالۃ الغین" تصنیف فرمائی جو "منتہی الکلام" سے بھی زیادہ تمام اہل علم کا ماخذ و مرجع بن گئی شیعہ حکومت "اودھ" کے ظلم و جبر اور شیعہ مذہب اختیار کرنے پر داد و دہش کے بازار ہی نے امروہہ کے کتنے ہی سنی خاندانوں کو شیعہ بنا دیا، جیسا کہ محمود احمد صاحب مؤلف "تاریخ امروہہ" اور مؤلف "ذکر سادات امروہہ" سید تکمیل الدین احمد نقوی امروہوی نے لکھا ہے۔ (مرتب)

نے ''کراچی میوزیم'' کو فروخت کردی جہاں سے لی جاسکتی ہے۔(۱)

ضبطی جائداد کے بعد آپ شیعہ حکومت سے دبے نہیں جیسا کہ عباسی صاحب نے لکھا ہے، بلکہ حکومت ''اودھ'' کی سنی کشی سے حکومت ہند ''دہلی'' کو مطلع کیا اور مرکزی حکومت ہند سے حکومت ''اودھ'' کے نام بحالی جائداد کے احکام جاری کرائے جس سے آج تک ان کی باقی ماندہ اولاد جو ''امروہہ'' میں رہائش پذیر ہے مستفید ہورہی ہے۔

ایک اور مثال پیش کرتا ہوں فرماتے ہیں:

> ''خاکسار مؤلف کو بعض حضرات کے سوءِ ظن کی بناء پر ہدف ملامت بنا پڑا مجھے کسی کے خاندانی حالات کے اظہار میں نہ دھمکیوں کا ڈر ہوا اور نہ لالچ کا اثر۔۔۔۔''ذیل میں ایک مکتوب کی نقل درج کرتا ہوں جو حال میں موصول ہوا ہے اس میں دھمکی بھی ہے اور لالچ بھی۔۔۔۔تین سو سے زائد جلدیں خرید نے اور مالی منفعت کا لالچ دینے سے آپ کا مقصد کیا ہے۔''

اسی پیرے کے اختتام پر مکتوب الیہ کے مراسلے کی نقل بھی درج ہے، اس مراسلہ کا یہ جملہ قابل غور ہے: ''ہمارا سلسلہ نسب۔۔۔یا مولوی۔۔۔سے لے کر درج فرمادیں۔'' (اس جملے کی خالی جگہ خود مولف صاحب نے حذف فرمائی ہے)

متذکرہ پیرے میں عباسی صاحب کی مالی منفعت اور لالچ یہ بیان کیا گیا ہے کہ تین سو سے زائد جلدیں خرید لی جائیں گی اگر ان کا متذکرہ شجرۂ نسب ان کی مرضی کے مطابق درج کتاب کردیا جائے، چنانچہ یہ بات زبان زدِ عام تھی کہ عباسی صاحب نے اِن مکتوب الیہ کی تحریص سے متاثر ہوکر ان کا شجرہ نسب اسی طرح تحریر فرمادیا اور اس طرح وطنِ عزیز کے ایک معروف بالشیخ خاندان کو سیادت کی سند عطا فرمادی۔

''تاریخ امروہہ'' کی تالیف میں ایک دو نہیں بے شمار بدعنوانیاں فرمائیں، ان

---

(۱) میرے والد سید علی مقتدی خاں سے بھی عباسی صاحب نے حصول کاغذات کی بہت کوشش کی تھی مگر والد مرحوم نے ایسی کے خطرے کے پیش نظر کاغذات دینے سے قطعاً انکار کردیا تھا۔ (مرتب)

میں سے ایک اور ملاحظہ ہو۔

افسر صدیقی امروہوی جو ''انجمن ترقی اردو'' میں اس وقت اردو ادب کے ایک محقق کے طور پر کار پرداز ہیں، انھوں نے شعراء ''امروہہ'' کا تذکرہ مرتب کیا تھا جسے موصوف نے یہ فرما کر حاصل کرلیا کہ وہ ''تاریخ امروہہ'' کی چوتھی جلد کے طور پر شائع کردیں گے لیکن نہ وہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا اور نہ وہ مسودہ افسر صاحب کو واپس کیا گیا۔

افسر صاحب موصوف ہی کی زبانی ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ عباسی صاحب نے ایک ایسی تالیف کا مسودہ تیار کیا ہے جس میں انہوں نے ''سید'' نسب سے متعلق تجزیہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ ''سید'' کوئی نسب نہیں ہوتا، اس کے کچھ عرصہ بعد عباسی صاحب سے انجمن ہی میں میری ملاقات ہوگئی، میں نے عرض کیا کہ افسر صدیقی صاحب سے معلوم ہوا ہے کہ آپ ''نسب'' ''سید'' کے خلاف کوئی مزید تحقیق قلم بند فرما رہے ہیں، عباسی صاحب نے اقرار کیا کہ ''ہاں'' مسودہ تیار ہے کتابت کو دینا ہے، میں نے عرض کیا کہ اپنی تالیف ''تحقیق الانساب'' میں آپ نے آلِ بنی ہاشم کو ''سید'' قرار دیتے ہوئے عباسیوں کو بھی ''سید'' قرار دیا ہے اور اسی استدلال کی بنیاد پر خود اپنی تالیف ''تذکرۃ الکرام'' کے سرورق پر سید محمود احمد عباسی الہاشمی تحریر فرمایا ہے، اس پر عباسی صاحب نے جواباً فرمایا ''وہ میرے جہل کا زمانہ تھا'' اس سے موصوف کے تلون (۱) اور جذباتی ہونے کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

عباسی صاحب کا خلوص : تفصیلات مذکورہ سے قارئین کرام اس نتیجہ پر نہ پہنچیں کہ راقم الحروف کسی خاندانی چشمک کی بناء پر مصنف ''خلافت معاویہ و یزید'' کا مخالف ہوگیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عباسی صاحب اپنے ''الحاد'' اور ''ناصبیت'' کے باوجود

(۱) اب یا تو اس کو عباسی صاحب کے تلون و جذباتیت سے تعبیر کیا جائے یا یہ سمجھا جائے کہ عباسی صاحب نے چند سال باشندگان وطن کی نبض دیکھی جب کسی نے عباسی اور سید کے جوڑ کی پذیرائی نہ کی تو اس کے ردِعمل نے سید نسب سے مطلقاً انکار ی پر مصنف ''خلافت معاویہ و یزید'' کو برانگیختہ کردیا، مگر اصل وجہ برہمی سے اللہ ہی باخبر ہے۔ (مرتب)

ہمارے خاندان کی غیر معمولی قدر اور خاندان کے بچہ بچہ کی عزت کرتے تھے، جب بھی ملتے نہایت شفقت و محبت سے پیش آتے اور ہر ایک سے نہایت پُر وقار تعارف کراتے تھے، میں نقل وطن کے بعد ان کی شفقت و خلوص ہی کے سبب اکثر و بیشتر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ مجھے شمس العلماء داؤد پوتہ سے سفارش کی ضرورت پیش آئی، عباسی صاحب سے جا کر عرض کیا تو فوراً بغیر کسی پس و پیش کے ایک زور دار سفارشی مراسلہ لکھ کر میرے حوالہ کیا مزید برآں یہ بھی اطمینان دلایا کہ میں بذات خود جا کر تمھارے اور تمھارے خاندان کی طرف سے داؤد پوتہ صاحب کو مطمئن کروں گا۔

اس کے علی الرغم شیعہ حضرات تھے جن سے قرابت کا عالم یہ ہے کہ ہمارا گوشت پوست بھی شیعوں کا مرہون منت ہے، مگر ہر ایسے موقع پر باوجود ہزار خونی رشتوں کے طوطا چشمی اور بے وفائی کا بدترین مظاہرہ ہوتا رہا ہے اور جس کی وجہ صرف ہمارے خاندان کا شیعہ نہ ہونا اور مزید برآں سخت سنّی ہونا ہے، اس حقیقت کا اعتراف خود عباسی صاحب نے ''تاریخ امروہہ'' میں کھل کر فرمایا ہے۔

میں اس وقت صرف ایک واقعہ ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں، ایک مرتبہ راقم الحروف کو اپنے عزیز سید محمد تقی سابق مدیر ''جنگ کراچی'' سے سفارش کرانے کی ضرورت پیش آ گئی، اس مقصد سے چند مرتبہ ان کے مکان پر بھی جانا پڑا، مگر باوجود بار بار یاد دہانیوں اور قرابت کے موصوف نے سفارش کر کے نہ دی، راقم بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اختلاف مذہب حصول سفارش میں دیوار کا کام دے رہا ہے، اس مانع کے ہوتے ہوئے وعدوں اور تسلیوں سے آگے معاملہ نہیں بڑھ سکتا، وطن عزیز کے سابقہ خاندانی تجربات نے بھی اسی نتیجہ کی توثیق کی، اس موقع پر مجھے تارک مذہب شیعہ جگر مراد آبادی کے یہ الفاظ یاد آ رہے ہیں کہ ''شیعہ خواہ کتنا ہی لامذہب و آزاد ہو مگر وہ ہر حال میں شیعہ ہی رہتا ہے۔''

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

یقین فرمائیے کہ صرف اللہ کے دین سے تعلق نے راقم یہ کو تفصیلات لکھنے پر مجبور کیا بندوں کے تعلقات پر اللہ کا تعلق حاوی رہنا ہر مسلم ضمیر کی آواز ہے۔ (۱)

(۱۴)

مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ العالی (۲) کے شاگرد رشید مولانا بشیر احمد صاحب نقشبندی سے اتفاقاً ''اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن'' میں ملاقات ہوئی جس میں ''مجموعہ ہذا'' کی تیاری کا ذکر آ گیا، راقم نے کہا کہ میں اس میں مختلف قابل اعتماد شخصیتوں کے تأثرات بھی نقل کر رہا ہوں، تو آپ نے فرمایا کہ میں بھی ایک بیان دوں گا جو مولانا محمد اسحاق سندیلوی صاحب سے ایک ملاقات پر مشتمل ہوگا جس نے مولانا سے میری پہلی ملاقات کو آخری ملاقات بنا دیا، حالاں کہ میں ''نیو ٹاؤن'' آتا رہتا ہوں، بیان حسب ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے''

زندگی کا ہر واقعہ عبرت و نصیحت اور ہدایت حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے، تقریباً ایک سال ہوا کہ ہمارے معزز مہمان جناب قاری حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہٗ کے ہمراہ ان ہی کے اصرار پر حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی سے شرف ملاقات حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے یہ طویل ملاقات تھی، دوران گفتگو مولانا موصوف نے فرمایا۔

''حسین کربلا کے میدان میں لینے ہی کیا گئے تھے، اقتدار ہی تو لینے گئے تھے۔''

اس گفتگو کے بعد میرا قلب مولانا سے ملاقات کے لیے تیار نہ ہوا، اس اظہار حقیقت کے بعد کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رہ جاتی کہ ہوا کا رخ کس طرف کو ہے۔ فقط

احقر بندہ بشیر احمد غفرلہ
امام و خطیب جامع مسجد پاک کالونی کراچی نمبر ۱۶

---

(۱) صاحب مضمون احقر کے حقیقی چچازاد بھائی ہیں اور سید علی مرتضٰی خاں خسر اور حقیقی چچا تھے، مولانا اشرف علی تھانویؒ سے وابستہ تھے، ہر سال ایک دو مرتبہ کئی کئی روز کے لیے ''تھانہ بھون'' جا کر رہتے تھے، مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اور مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کے گہرے عقیدت مند تھے۔ افسوس کہ مجموعہ ہذا پورے مضمون کا متحمل نہیں ہے، اس لیے تقریباً نصف مضمون پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

(۲) افسوس کہ اب مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہو چکے ہیں بوقت تحریر ہذا حیات تھے۔ (مرتب)

(بلا تبصرہ)

دیوبند سے ایک عجیب بیان

(مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی استاذ دارالعلوم ندوہ)

کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' تو زلزلہ افگن ثابت ہوئی اگر شیعہ حضرات اس کی اشاعت سے مضطرب ہیں تو جائے تعجب نہیں ہے مگر بعض اہل سنت کا ان کی ہمنوائی کرنا حیرت انگیز ہے خصوصاً مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کا یہ اعلان اور بھی تحیر خیز ہے کہ کتاب کے مضامین مسلک اہلِ سنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں، امید ہے کہ مولانا اس کی وضاحت بھی فرمائیں گے کہ اس کے کون مضامین مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف ہیں، جو سنی حضرات اس کے خلاف ہیں معلوم نہیں انہوں نے کتاب دیکھی بھی ہے یا محض سنی سنائی باتوں پر فیصلہ کر دیا ہے۔

میں نے کتاب اول سے آخر تک دیکھی، اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں نہ کہ مذہبی عقائد، ہاں اگر کوئی شخص ایک عقیدہ قائم کر کے واقعات وحوادث کو ان کے مطابق بنانا چاہے تو تحقیق کے بعد اس کی سعی لاحاصل کی لذت ختم ہو جانا بعید از قیاس نہیں اس لیے کہ واقعات کا ہمارے خیالات کے مطابق ہونا ضروری نہیں ہے، مذہب اہلِ سنت والجماعت تو اس طرز فکر کی تعلیم نہیں دیتا ہے، اس سے اس کتاب کے مضامین کا تصادم بالکل خلافِ عقل ہے اس کے ہر مضمون سے ہر سنی کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے، مگر یہ اختلاف تاریخی نقطۂ نظر سے ہوگا نہ کہ دینی نقطۂ نظر سے، مثلاً اگر یزید نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو بے شک وہ لائق مذمت ہے، اور حبِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس سے نفرت کریں، اگرچہ اس نفرت کی بھی ایک حد معین ہے لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اس جرم کا مرتکب ہی نہیں ہوا تو اس کی

مذمت یا اس سے عداوت ونفرت کے لیے کیا وجہ جواز ہوسکتی ہے؟ یہ ذہنیت بالکل ناقابلِ فہم ہے کہ واقعہ خواہ کچھ ہو مگر ہم تو یزید کو بہر حال مجرم ہی سمجھیں گے، گویا اسے مجرم سمجھنا کوئی مخصوص عقیدہ ہے جس پر قائم رہنا فرض اور اس کے خلاف تاریخی شہادتوں کو رد کر دینا عین واجب ہے، مذہب اہلِ سنت والجماعت تو ہرگز اس طرز فکر کو جائز نہیں قرار دیتا، اسی تاریخی مسئلہ کو اگر کتاب میں پیش کیا گیا ہے تو غریب مصنف نے کیا جرم کیا ہے؟ اور مسلک اہلسنت والجماعت کی کون سی مخالفت کی ہے؟ کتاب کے دوسرے مضامین بھی اسی قسم کے ہیں۔

کتاب ضبط کرانے کی کوشش تو اعتراف شکست کے مرادف ہے، وہ اگر غیر مہذب ہوتی تو مطالبہ بجا ہوتا مگر طرز بیان تو شروع سے آخر تک مہذب وسنجیدہ ہے، کسی دینی پیشوا کی شان میں کوئی گستاخی و بے ادبی نہیں کی گئی، تنقید میں بھی تہذیب وشائستگی کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹا، پھر اسے ضبط کرنے کے کیا معنی ہیں۔

اگر ایسی مہذب کتاب صرف اس لیے ضبط ہوسکتی ہے کہ وہ شیعی عقائد کے خلاف ہے تو ان سب کتابوں کو تو بدرجۂ اولیٰ ضبط ہونا چاہیے جو عقائد وجذبات اہلسنت کے بالکل خلاف ہیں اور جن میں صراحت کے ساتھ صحابہ کرام خصوصاً حضرات خلفاء ثلثہؓ کی شان میں ناگفتہ بہ بے ادبیاں اور گستاخیاں کی گئی ہیں۔

اگر یہ کتاب ضبط ہوئی تو یہ بہت بڑی ناانصافی ہوگی اور بہت بری نظیر قائم ہوجائے گی، جس کے بعد مذہبی لٹریچر کی اشاعت بہت مشکل ہوجائے گی، اگر حکومت پاکستان نے شیعوں کے زیرِ اثر حق وانصاف کو پامال کر کے کتاب ضبط کرلی تو اس کی تقلید حکومت ہند پر واجب نہیں ہے، میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ بالفرض یہ سنیوں اور شیعوں دونوں کے عقائد کے بھی خلاف ہے اور خارجی عقیدہ کی نمائندگی کرتی ہے تو بھی اس کا ضبط کرنا کسی طرح جائز نہیں، کیا سیکولر ''ہندوستان'' میں خوارج کو رہنے اور اپنے مذہب کی اشاعت کرنے کا حق نہیں ہے۔(۱)

(۱) بلکہ سیکولر حکومت میں ایسی کتاب کی ضبطی اور زیادہ قابل اعتراض ہوگی۔ (صدق)

آخر میں حضرات اہلسنت سے عرض کروں گا کہ پوری کتاب دیکھے بغیر کوئی فیصلہ ہرگز نہ کریں، محض اس کے اقتباسات اخبارات میں دیکھ کر کسی نتیجہ پر پہنچنا سخت غلطی، ناانصافی اور پروپیگنڈے سے متاثر ہو جانا نادانی ہے۔

(صدق جدید لکھنؤ ۱۳، نومبر ۱۹۵۹ء)

عقیدت مندانِ محمود احمد عباسی کی فہرست

عزیر احمد صدیقی جو برسوں سے امام بخاری و امام مسلم بلکہ جملہ ائمہ حدیث و فقہ اوران کی تالیفات کو ''عجمی سازش اور ملتِ اسلامیہ کے ذہن وفکر کا جنازہ نکال دینے والا'' ڈنکے کی چوٹ لکھ رہے ہیں انھوں نے اپنی کتاب ''حیات ام المؤمنین'' کے آخری صفحہ پر مصنف ''خلافت معاویہ و یزید'' محمود احمد عباسی کے شاگردوں کی جو فہرست مع تالیفات شائع کی ہے وہ عزیر احمد صاحب ہی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

شکرانۂ توفیق

اللہ عزوجل کا لاکھ لاکھ احسان ہے جس نے ''پاکستان'' میں علامہ محمود احمد عباسی کو ۷۰۔۸۰ سال کی عمر میں تاریخ اسلام کے چہرے سے گندگی کا گردوغبار دور کرنے اور معصیت کے داغ دھبے دور کرنے کی توفیق بخشی۔(۱)

موصوف نے پندرہ سال کے عرصہ میں نہ صرف ''خلافت معاویہ و یزید''، ''تحقیق مزید''، ''حقیقت سید و سادات''، ''حقیقت خلافت و ملوکیت''، ''مقتل حسین'' اور ''ام ہانی'' جیسی ایمان افروز تخلیقات پیش کیں، بلکہ اپنے شاگردوں کا بڑا حلقہ تیار کردیا، جس نے تحقیق و تردید سبائیت و باطنیت کو اپنا مقصد زندگی بنالیا جن میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔

(۱) عزیر احمد صدیقی، کراچی　　(۲) محمد سلطان نظامی، لاہور

(۳) ابو یزید محمد دین بٹ، لاہور　　(۴) حکیم فیض عالم صدیقی، جہلم

(۵) ایم۔ جے، آغا　　(۶) مولوی محمد اسحٰق صدیقی ندوی کراچی

(مصنف اظہار حقیقت بجواب خلافت و ملوکیت ۲ جلد، اسلامی ذہن، کلمۂ اسلام، نظریہ امامت۔)

(۷) ثناء الحق صدیقی، کراچی　　(۸) مولوی عظیم الدین صدیقی، کراچی

---

(۱) اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے (مرتب)

''مجدّدتاریخ شیخ الاسلام علاّمہ محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ علیہ''

محترمی عظیم الدین صاحب نے یہ مقالہ عباسی صاحب کے ہم مسلک معتقدین کے مجمع عام میں سنایا جس کی تفصیل خود موصوف صفحہ۲ پر یہ رقم فرمارہے ہیں۔

سلسلۂ اشاعت ۱۱

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

مجددِ تاریخ۔ شیخ الاسلام (۱)

علاّمہ محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ وفات ۱۹/صفر ۱۳۹۴ھ

شائع کردہ

مجلس حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

کورنگی نمبر۶ کراچی نمبر۳۱

۲۳/مارچ ۱۹۷۴ء کو ''کاشانۂ محمود'' لیاقت آباد میں ایک تعزیتی اجتماع ہوا، جس میں شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی مرحوم کے ساتھ علمی ومسلکی وابستگی رکھنے والے حضرات نے بڑی تعداد میں شرکت کی اور تحفظِ ناموسِ اصحاب رسول

(۱) ایسے القاب جلیلہ سے اس شخص کو نوازا جارہا ہے جس کا ایمان باللہ بھی مشتبہ ہے چہ جائیکہ ''ایمان بالقرآن وختم النبوۃ'' کوئی صحیح العقیدہ ایسے شخص سے علمی ومسلکی وابستگی نہیں رکھ سکتا۔ (مرتب)

صلوٰات اللہ وسلامہ علیہم کے سلسلے میں علامہ مرحوم کی بے مثال جرأت اور تاریخی خدمت پر زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مرحوم کی روشن کردہ شمع کی حفاظت اور روز افزوں ترقی کے لئے عزم مصمم کیا، اس سلسلہ میں ''محمود اکیڈمی'' نے علامہ مرحوم سے متعلق ایک یادگاری مجلّہ شائع کرنے کا پروگرام مرتب کیا، زیر نظر مختصر مقالہ اسی یادگاری مجلّہ کے لئے تحریر کیا گیا تھا، جسے ''مجلس حضرت عثمان غنیؓ'' کی طرف سے شائع کرتے ہوئے تطہیرِ تاریخ اور تحفظ (۱) ناموسِ صحابہؓ کے مقدس کام سے قلبی و عملی تعلق رکھنے والے تمام حضرات سے ہم اپیل کرتے ہیں کہ آیئے ہم سب مل کر عظمت و توقیرِ صحابہؓ کے اس کارواں میں شریک ہوں۔

ناظم نشر و اشاعت

مجلس حضرت عثمان غنیؓ، کراچی نمبر ۳۱

۳۰/اپریل ۱۹۷۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غالباً ۱۹۵۵ء کی بات ہے، جب میں ''دارالعلوم کراچی' نانک واڑہ'' میں زیر تعلیم تھا، کہ دو بار علامہ محمود احمد عباسی صاحب استاذی المکرّم مولانا امیر الزماں کاشمیری سے ملنے تشریف لائے، موصوف کچھ دیر گفتگو کے بعد واپس ہوئے تو ہمیں بتایا گیا کہ یہ ہیں عباسی صاحب جو مدت سے ایک ایسی تصنیف میں کوشاں و مصروف ہیں کہ وہ اشاعت کی منزلیں طے کر کے لوگوں تک پہنچے گی، تو ایک ہنگامہ کھڑا ہوگا، اس لئے کہ اس کتاب میں ایسی باتیں درج ہوں گی جو روافض اور اہل سنت دونوں کے اپنے اپنے مروجہ تصورات و نظریات کے لئے ایک چیلنج ہوں گی، یہ تھا وہ ابتدائی نقش جو علامہ مرحوم کے متعلق میرے طالبِ علمانہ دل پر مرتسم ہوا، آخر کار وہ وقت آیا کہ علامہ عباسی صاحب کی کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیراً کی شان لیے ہوئے شائع ہوئی، کتاب کا پہلا ایڈیشن تو

(۱) تطہیر تاریخ اور تحفظ ناموس صحابہ شیعوں کے نعرہ حب اہل بیت کی طرح محض استحصالی نعرہ ہے جس سے مقصد اس کے برعکس ہے یعنی قرآن مجید کے ممدوحین خصوصی السابقون الاولون کو بے وقار کرنا اور ان کی جگہ پر یزید، مروان کا سکہ بٹھانا ہے۔ (مرتب)

کچھ اس طرح لا پتہ سا ہو گیا کہ چھپتے ہی کوئی غیر مرئی اور غائب (۱) از نظر مخلوق اسے لے اڑی ہو، البتہ جب کچھ ہی دنوں بعد کتاب دوسری بار چھپی تو اس کا ایک نسخہ بعض طالب علم ساتھیوں کے ذریعہ ہمارے بھی ہاتھ لگا، کتاب کے متعلق نقش اول سے پیدا شدہ شوق ونفرت کے ملے جلے رجحان کے ساتھ ہی، اکابر وافاضل کی تکفیری وتضلیلی گولہ باری سے ترساں اور مدرسہ کی طرف سے عائد کردہ شدید ترین ''امتناعی مارشل لا'' سے بے نیاز ہو کر چھپتے چھپاتے کتاب کا مطالعہ کیا۔

چونکہ ہمارے دینی ''مدارس'' میں تاریخ کا مضمون عموماً شجر ممنوعہ یا کم از کم غیر ضروری سمجھا جاتا ہے، اس لیے کابراً عن کابرٍ وراثت میں ملنے والی عدم دلچسپی یا تحت الشعور دبے ہوئے بعض دوسرے اعتقادی اسباب کی وجہ سے کوئی انقلابی فرق پیدا نہ ہوسکا، ہاں اتنا ضرور ہوا کہ بعض دوستوں کی مخبری سے ''جرم مطالعہ'' کھل گیا اور اس کے نتیجہ میں کتاب پڑھنے والے کئی طالب علموں کا ہفتہ بھر مدرسہ کی طرف سے کھانا بند کر دیا گیا، یہ اس وقت کی بات ہے جب میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن میں ''دورۂ حدیث'' کی کلاس میں شامل تھا۔

اس تشدد آمیز رویہ نے کتاب کے مطالعہ سے زیادہ کام کیا اور اس طرح موضوع کتاب کے ساتھ وابستگی روز افزوں ہوتی گئی اسی کے ساتھ ساتھ صاحب تصنیف علامہ محمود احمد عباسی مرحوم سے غائبانہ عقیدت بھی بڑھتی چلتی گئی، یہاں تک کہ ایک دن مولانا محمد عبداللہ صاحب کے ساتھ جو اس وقت ''مبارک مسجد تین ہٹی'' کے خطیب تھے ملاقات کا پروگرام بنایا اور پھر مولانا موصوف اور بندہ مرحوم کے مکان پر حاضر ہوئے، گو یہ ملاقات سرسری تھی جو مرحوم کی زبانی شکوے شکایات اور کتاب سے متعلق بعض توضیحات کے اجمال تک محدود رہی لیکن اس کے بعد آمد ورفت کا سلسلہ شروع ہو گیا، تقریباً ہر ہفتہ حاضری ہوتی، کبھی درپیش عوارض کے باعث نہ آسکتا تو مرحوم

---

(۱) مسکت دلائل کا پہاڑ ''یزید کی شخصیت'' نامی کتاب مولفہ علامہ محمد عبدالرشید نعمانی کا پہلا ایڈیشن بھی بالکل اسی طرح غائب از نظر ہو چکا ہے، مگر اہلِ علم کی طلب وجستجو نے مولانا کو بہت جلد دوسرے ایڈیشن پر مجبور کر دیا، الحمدللہ دوسرا ایڈیشن ارباب تحقیق و نظر کے لیے مزید اصلاحی اور مجموعہ نوادرات بن کر منظر عام پر آیا ہے۔ (مرتب)

مشفقانہ شکایتی خط لکھ کر مدعو فرمالیتے، کئی بار ایسا بھی ہوا کہ بزرگانہ شفقت (۱) فرماکر غریب خانہ پر تشریف لائے، میری رہائش ان دنوں جامع مسجد رشیدیہ ملیر کالونی میں ہوتی تھی۔

مرحوم سے میری آخری ملاقات ۲۷ فروری ۱۹۷۴ء کو اسٹیل کارپوریشن لانڈھی میں محترم فاروقی صاحب کی رہائش گاہ پر ہوئی۔۔۔۔۔ جہاں مرحوم کچھ عرصہ آب و ہوا بدلنے کی غرض سے مقیم رہے تھے، میرے ساتھ ''مجلس حضرت عثمان غنیؓ'' کے سرگرم دوست جناب عبدالصمد عرف پیر جی بھی تھے، ہم صبح دس یا ساڑھے دس بجے پہنچے اس وقت وہاں محترم ایم اے علوی صاحب پہلے سے موجود تھے۔

پیرانہ سالی اور ضعف کے سامنے سرنگوں بانوے سالہ جسم مسلسل حادثات سے پیشانی پر اضمحلال کے آثار، نقاہت کے بوجھ تلے دبی ہوئی دھیمی آواز، طبیعت پر فلو کا دباؤ، بایں ہمہ مسلکِ حق کی اشاعت، عظمت و توقیر اصحاب رسول کے فروغ کا جذبہ، سبائیت کے گندے داغوں سے اسلامی تاریخ کی تطہیر کا عزم، گفتگو میں مضامین کا توارد، حوالے جات کا بے پناہ استحضار اور ان کا برمحل استعمال، نوجوانوں سے کہیں زیادہ عزم و ہمت، آخر دم تک تصنیف و تالیف میں سرگرم اور ان سب پر مستزاد تحریکی لٹریچر کے لیے مقدمات کی تھکا دینے والی بھاگ دوڑ

؎ نہ جانے کتنے سورج ہوگئے پیوندِ خاک اب تک
زمین کا دوسرا رُخ آسماں معلوم ہوتا ہے

بلاشبہہ وہ فرد نہیں، ایک عظیم ترین ادارہ تھے، جہاں عزم و ہمت، استقلال و عزیمت، جودت و شجاعت، علم و ادب اور قدیم و جدید علوم پر ناقدانہ مہارت، غرضیکہ وہ تمام اوصاف جو تطہیر تاریخ کے مجددانہ کام میں لابدی ہوں، مرحوم کی فرد نما انجمن میں وہ سب یکجا تھے۔

---

(۱) اس کا اصل سبب بزرگانہ شفقت نہیں، بلکہ صاحب مقالہ کو راہِ ہدایت سے ہٹا کر راہ ضلالت پر لگانا تھا "والسابقون الاولون" کی جگہ رسوائے تاریخ (یزید) کا دل دادہ بنانا تھا اور خود مدارس دینیہ کے فارغ التحصیل کے ہاتھوں ائمہ حدیث و فقہ و تاریخ کو بدنام کرانا اور پرویزی راہ پر ڈال دینا تھا جس کے لیے موصوف نے اپنی زندگی وقف کر کے خود کو عبرت کا نمونہ بنا رکھا ہے۔ (مرتب)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مرحوم عباسی صاحب ضابطۂ خداوندیٔ موت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے دنیا کے پُر آلام اور شدائد و محن سے بھرے دامن کو جھٹک کر اس عالم میں جا پہنچے ہیں، جہاں سُکھ، چین، راحت و مغفرت صرف اللہ کے فضل و احسان ہی کا رہین منت ہیں، اللھم اغفرله وارحمه بلاریب آج عباسی صاحب کا جسم منوں خاک تلے استراحت پذیر ہے، آج ان کی تحقیق آفریں اور حق گو زبان، امتثالِ امرِ الٰہی میں خاموش ہے، لیکن در حقیقت تحفظ موسِ صحابہؓ کے لیے بپا ہونے والی ہر مجلس اور عظمت و توقیر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے لیے رواں دواں ہر کارواں کے ساتھ مرحوم بصورتِ تحریک جادہ پیما ہیں۔

بعد از وفات تربتِ ما در زمیں مجو
در سینہ ہائے مردم عارف مزار ما

شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی مرحوم صرف ایک انسان ہی نہ تھے، جسے موت نے ہم سے چھین لیا بلکہ وہ ایک تحریک اور ذہنی انقلاب تھے جو برق و رعد کی سی گرج چمک کے ساتھ آسمان تحقیق و ریسرچ پر اُبھرے اور اپنے تحقیقی و تجریدی اندازِ فکر کی مدھم نہ پڑنے والی شمعیں، جادۂ حق سے بے خبر، منزل سے لاپرواہ اور تاریکیوں سے اٹے ہوئے قلوب میں روشن کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دِلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

علامہ مرحوم کی علمی و تجدیدی تحریک اور انقلاب انگیز مصنفات کے سلسلہ میں اپنی تفصیلی رائے آئندہ فرصت پر چھوڑتے ہوئے مرحوم کے ساتھ علمی وابستگی رکھنے والے تمام احباب سے عرض ہے کہ آیئے ہم سب مِل کر تحفظ ناموسِ صحابہؓ کا پیغام عام کریں جو مرحوم کی زندگی کا محبوب سرمایہ تھا اور مکذوبات و مفتریات سے اسلامی تاریخ کی تطہیر کا وہ اہم اور مقدس فریضہ انجام دینے کے لیے مستعد و متحد ہوں، جس کے نقوش و

خطوط کی راہ نمائی اور منزل کی نشاندہی شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی مرحوم زندگی بھر کرتے رہے۔

وفقنا اللّٰہ وایاکم لما یحب و یرضیٰ

ابوالحسین محمد عظیم الدّین صدیقی

مجلس حضرت عثمان غنی کورنگی نمبر ٦ کراچی ٣١

٢٣ محرم الحرام ١٣٩٥ھ

اِک صدق کی تنویر ہیں محمود احمد تاریخ کی توقیر ہیں محمود احمد
ماتم میں ہیں مصروف سبائی کذّاب تحقیق کی شمشیر ہیں محمود احمد

☆

★ یہ پورا مقالہ بار بار ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا پڑھتے رہنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر عقل و ضمیر سے جنگ اور فریب و تلبیس کیا ہوگی، کہ تحفظ ناموس یزید و مروان اور توہین علی و حسنین، کو تحفظ ناموس صحابہ سے تعبیر کیا جا رہا ہے، جبکہ علی مرتضیٰؓ خلفاء ثلاثہ (ابوبکر عمر عثمان) کے بعد تمام انصار و مہاجرین تک کے مسلمہ قائد و معلم ہیں جیسا کہ امام ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ، حافظ ابن کثیر اور مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی بلکہ ہر دور کے تمام علماء امت بالاجماع لکھتے رہے ہیں۔ (مرتب)

دوسرا رُخ

کتاب خلافت معاویہ و یزید پر تبصرہ

ازابوالمنظور شیخ احمد استاذ مدرسہ احیاء العلوم بانسواڑہ دکن

''خلافت معاویہ و یزید'' نامی کتاب کے تعلق سے مولانا محمد اسحق صاحب ندوی استاذ دارالعلوم ندوہ کا بیان مندرجہ ''صدق جدید'' ۱۳، نومبر ۱۹۵۹ء پڑھ کر بڑا تعجب ہوا وہ فرماتے ہیں:

''اگر شیعہ حضرات اس کی اشاعت سے مضطرب ہیں تو جائے تعجب نہیں مگر بعض اہلِ سنت کا ان کی ہمنوائی کرنا حیرت انگیز ہے خصوصاً مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کا یہ اعلان اور بھی تحیر خیز ہے کہ ''کتاب کے مضامین مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں'' انھوں نے کتاب کی پیشانی پر مولانا کا یہ اعلان ضرور پڑھا ہوگا کہ یہ کتاب بسلسلۂ تاریخ ''اختلاف امت'' معرض تحریر میں آئی ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ ''امت'' سے مراد صرف شیعہ حضرات ہیں؟ کیا اہل سنت امت میں شامل و داخل نہیں ہیں۔

ندوی صاحب نے بتایا ہے کہ ''میں نے کتاب اول سے آخر تک دیکھی، اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں نہ کہ مذہبی عقائد'' میں نے بھی کتاب اول سے آخر تک دیکھی ہے اور اس پر بطور تبصرہ ایک کتاب لکھی ہے جو زیر طبع ہے اس میں میں نے پوری صراحت و وضاحت سے بتایا ہے کہ کتاب کس تحریک کے زیر اثر لکھی گئی ہے کس غرض اور مقصد کے لیے لکھی گئی ہے کس ذہنیت اور کس نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے اور اس کا اصل موضوع کیا ہے دراصل اس کا موضوع مذہبی عقائد ہیں نہ کہ تاریخی واقعات، اس میں

تاریخی واقعات پر جس انداز سے بحث کی گئی ہے اس کی براہِ راست زد مذہبی عقائد پر پڑتی ہے اور وہ نہ صرف اُلٹ پلٹ ہو کر رہ جاتے ہیں، بلکہ امت سے وہ سارا سرمایہ ہی چھن جاتا ہے جس پر اس کے مذہبی عقائد کا دارومدار ہے، مولف نے پچھلے ہزار بارہ سو سال کے تمام مورخین، محدثین، مفسرین اور دوسرے علوم وفنون کے ماہرین کو مجروح و ناقابل اعتبار ٹھیرا کر ماضی سے امت کا رشتہ بالکلیہ کاٹ دینے کی کوشش کی ہے، مولف نے ابن جریر طبریؒ، ابن کثیر دمشقی اور جلال الدین سیوطیؒ وغیرہم تک کو جن جن الفاظ میں یاد کیا ہے وہ کتاب میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں، خصوصاً کتاب کے دوسرے ایڈیشن پر مؤلف نے جو مقدمہ لکھا ہے وہ تو پوری طرح اس کی ذہنیت اور اس کے نقطۂ نظر کا آئینہ دار ہے۔

ندوی صاحب نے یہ بات بالکل غلط سمجھی ہے کہ کتاب میں محض یزید کو قتل حسینؓ کی ذمہ داری سے بری ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اگر بات صرف اتنی ہوتی تو یہ ایک تاریخی اختلاف ہوتا کہ فی الواقع یزید اس جرم کا مرتکب ہوا تھا یا نہیں، لیکن یہاں تعصب اس درجہ کمال کو پہنچا ہوا ہے کہ امام حسینؓ کے مسلک و موقف کو پوری سنگدلی کے ساتھ مسخ کیا گیا ہے، آپ پر سخت سے سخت الزامات لگائے گئے ہیں، آپ کو بد سے بدتر الفاظ میں مطعون کیا گیا ہے، آپ کی سیرت کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا گیا ہے، یہاں تک کہ "مات میتة جاهلية" اور "فمن اراد ان يفرق امر هذه الامة وهى جميع فاضربوه بالسيف" وغیرہ احادیث کو نقل کر کے انھیں امام عالی مقام پر چسپاں کیا گیا ہے، اب ان احادیث کا کیا حشر ہوگا جن سے امام کے مسلک اور موقف پر بخوبی روشنی پڑتی ہے اور وہ حدیثیں کہاں جن میں حضور انور ﷺ نے حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ کا نام لے کر آپ کو سیدا شباب اهل الجنة فرمایا ہے، کیا جاہلی اور حرام موت مرنے والے بھی جنت میں جا سکتے ہیں؟ چہ جائیکہ وہ اہلِ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہوں، پھر وہ ساری احادیث کہاں چلی گئیں جن میں حضورؐ نے آپؓ

کو اپنا محبوب بھی بتایا ہے، خدا سے آپؐ کی محبوبیت کے لیے دعا بھی کی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ حسینؓ اہل آسمان کے نزدیک تمام اہلِ زمین میں محبوب ہیں کیا خدا اور رسولؐ اور ساری خلق کے محبوب کی وہی سیرت ہے جسے یہاں پیش کیا گیا ہے؟ یہاں تو تعصب نے یزید کو علی مرتضیٰؓ تک پر فوقیت دے دی ہے (۱) اور ان کے مقابلہ میں یزید کو پہلا متفق علیہ خلیفہ تسلیم کیا گیا ہے، پھر تعصب کے اندھے پن کا حال یہ ہے کہ شاہان بنی امیہ کو حدیث نبویؐ "لایزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشرة خلیفة" کا مصداق بتاتے ہوئے حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، حسنین رضی اللہ عنہم کو سرے سے اڑا دیا گیا ہے اور امیر معاویہؓ کو پہلا خلیفہ قرار دیا گیا ہے، اس کے بعد مروان بن محمد کو تو اس لیے خارج کر دیا گیا ہے کہ اس پر بنی امیہ کی حکومت ختم ہوگئی، لیکن جب اس کے باوجود یہ دقت پیش آئی کہ بارہ کے تیرہ بادشاہ بنے جاتے ہیں تو درمیان سے امت محمدیہ کے مجدد اول عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جیسے خلیفۂ راشد کو پوری بے دردی سے ہٹا دیا گیا ہے اور باقی شاہان بنی امیہ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ بارہ خلفائے اسلام ہیں جن کے متعلق حضورؐ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ ان کے زمانے میں اسلام زبردست اور طاقتور رہے گا، احادیث نبویؐ کے ساتھ یہ سلوک دوسرے مقامات پر بھی کیا گیا ہے، مثلاً ایک جگہ "صحیحین" کی ایک حدیث کو "محل نظر" قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس کی رو سے ابن سعد عہد نبویؐ کا مولود نہیں اور مؤلف کو یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ عہد نبویؐ کا مولود تھا، ایک اور مقام پر "ابوداؤد" وغیرہ صحاح کی حدیث الخلافة فی امتی ثلاثون سنة ثم ملك کو وضعی ٹھیرایا گیا ہے کیوں کہ وہ مؤلف کے نقطۂ نظر کے بالکل خلاف ہے، مولانا محمد اسحٰق صاحب نے پوچھا ہے کہ غریب مصنف نے کیا جرم کیا ہے اور مسلک اہل سنت والجماعت کی کونسی مخالفت کی ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ جرم نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اگر یہ مسلک اہل سنت والجماعت کی مخالفت نہیں تو کیا یہ موافقت ہے؟

ان کے نزدیک کتاب میں کسی دینی پیشوا کی شان میں کوئی گستاخی و بے ادبی

---

(۱) مولانا محمد اسحاق سندیلوی کے ایک اور ممدوح عظیم الدین صاحب کا تو مشن ہی یہ ہے اور مولانا کی تقریظ نے ان کے اس مشن کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ (مرتب)

نہیں کی گئی ہے، انھوں نے حضرات اہل سنت سے یہ بھی فرمایا ہے کہ پوری کتاب دیکھے بغیر کوئی فیصلہ ہرگز نہ کریں، پس اگر کسی کے نزدیک امام حسینؓ سرے سے دینی پیشوا تھے ہی نہیں اور اسی لیے ان کی شان میں کسی گستاخی و بے ادبی کا سوال نہیں پیدا ہوتا، تب تو خیر لیکن جو لوگ انھیں اپنا دینی پیشوا مانتے ہیں وہ کتاب کے حسب ذیل مقامات دیکھ کر خود فیصلہ کریں کہ ان تحریروں کو کم سے کم کن الفاظ میں یاد کیا جا سکتا ہے۔

صفحات ۷۶، ۷۷، ۸۴ تا ۹۵، ۹۷، ۹۸ تا ۱۰۶، ۱۳۳، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۰، ان کے نزدیک کتاب کو ضبط کرانے کی کوشش اعتراف شکست کے مرادف ہے، لیکن میرے نزدیک یہ کوشش کتاب کی اشاعت سے اٹھنے والے وسیع و شدید فتنوں کو جلد سے جلد دبانے کی ایک بے تابانہ خواہش ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ علمی حیثیت سے اس کی ایک ایک سطر کا مدلل و مکمل جواب دیا جا سکتا ہے، ان کے نزدیک اگر یہ کتاب ضبط ہوئی تو یہ بہت بڑی نا انصافی ہوگی، لیکن میرے نزدیک اس کی اشاعت و تبلیغ اور اس کی پرزور تائید و حمایت نہ صرف نا انصافی ہے بلکہ امت کے لیے سخت فتنہ و فساد اور انتشار و نقصان کا باعث ہے، امت کے ذمہ دار بزرگوں کو اس سوچی سمجھی اور گہری سازشوں کے اندفاع کی فی الفور کوشش کرنی چاہیے۔

مولانا محمد اسحٰق صاحب نے حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند سے ان کے بیان کی وضاحت چاہی ہے، میں وضاحت طلبی کی پرزور تائید کرتا ہوں اور میرے نزدیک یہ بہت ضروری ہے کہ وہ اس کی وضاحت میں ایک تفصیلی مقالہ قلم بند فرمائیں۔

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند جنوری ۱۹۶۰ء)

”خلافتِ معاویہؓ و یزید“
ایک جائزہ

از: جناب مولانا مجاہد الاسلام القاسمی، مدرس مدرسہ جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر

مولانا محمود احمد عباسی صاحب کی تالیف ”خلافت معاویہ و یزید“ اس وقت پورے ملک میں محلِ بحث ونظر بنی ہوئی ہے راقم الحروف نے بھی اس کتاب کا مطالعہ کیا اور جو کچھ محسوس کیا اسے پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہے۔

کتاب کی ابتداء ”عرضِ مؤلف“ سے ہوتی ہے، مصنف نے پیشِ لفظ میں جہاں عہد بنوامیہ کی برکات پر روشنی ڈالی ہے، وہاں تمام مستند تاریخوں کے درجۂ استناد کو بھی چیلنج کیا ہے، مصنف کے نقطۂ نظر سے بنوامیہ کے بارے میں دوسری صدی ہجری میں وضعی روایات اور من گھڑت افسانوں کا پہاڑ کھڑا کر دیا گیا، اس طرح اسلامی تاریخ کی جتنی معتمد کتابیں ہیں ان کو بیچ سے یک قلم نکال دیا گیا ہے، اگر مصنف کے اس نقطۂ نظر کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر نہایت سہولت کے ساتھ تاریخ کے ان تمام اہم واقعات کا انکار کیا جا سکتا ہے، جن پر شک ووہم کا کوئی گذر نہیں، تحقیق وتنقید کا یہ طریقہ تو صحیح ہے کہ ”مخالف وموافق“ آراء واقوال کو سامنے رکھ کر اصولِ روایت اور اصولِ درایت کی بنیاد پر سچ کو جھوٹ سے الگ کیا جائے اور صحیح صورتِ حال کی تحقیق کی جائے لیکن تحقیق کا یہ طریقہ بالکل انوکھا ہے کہ ایک رائے پہلے سے قائم کر لی جائے، پھر اگر اس مزعومہ نقطۂ نظر کے خلاف کوئی بات کسی مصنف نے لکھ دی ہے تو اس روایت کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرانے کی خاطر اس تصنیف اور اس کے تمام مواد کو غلط قرار دیا جائے ”تاریخ طبری“ یا اس طرح کی دوسری تاریخیں ظاہر ہے کہ انسانوں کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں، جن کی پیش کردہ معلومات کو لاریب فیہ کی سند حاصل نہیں ہے، ان میں صحیح غلط کا احتمال ہے بنابریں صحیح طریق کار یہ ہے کہ ان ”روایات“ پر جرح ونقد کیا جائے اور صحیح کو غلط سے

الگ کیا جائے لیکن اگر ان تمام روایات کو غلط قرار دینے کے لیے امام ابن جریر طبری جیسے امام اہل سنت والجماعت پر ''شیعی اور غالی شیعی'' کا لیبل لگا دیا جائے تو اسے صحیح طریق کار نہیں کہا جا سکتا۔

مصنف نے اس پوری جماعت مورخین میں سے صرف ''ابن خلدون'' کو بخشا ہے اور ان پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے، لکھتے ہیں:

> ''البتہ ایک منفرد مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنھوں نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمۂ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقد و درایت کے معیار سے پرکھنے کی کوشش کی ہے اور نام نہاد مورخین کے بارے میں صاف کہا ہے کہ تاریخ کو خرافات اور واہی روایات سے انھوں نے لتھیڑ ڈالا۔'' (ص، ۷)

صفحہ ۱۵ سے مولوی علی احمد عباسی کے قلم سے ''تعارف'' ہے، اس میں بھی تاریخ کو دوسری صدی ہجری میں وضعی روایات سے بھر دینے اور تاریخِ اسلام کو مسخ کر دینے کا الزام قائم کیا گیا ہے اور پھر سبائی تحریک کی تاریخ بیان کی گئی ہے، پھر جناب تمنا عمادی کا لکھا ہوا مقدمہ ہے، اس میں ان تعصبات اور غلو پر تبصرہ کیا گیا ہے جو تاریخی روایات پر اثر انداز رہے ہیں، اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔

اصل کتاب کے بنیادی مباحث یہ ہیں کہ یزید خلیفہ عادل ہے، وہ اعلیٰ کردار، بلند کیرکٹر اور مختلف خوبیوں کا حامل تھا، اس کی خلافت جائز تھی، اس پر تمام صحابہؓ کا اتفاق تھا اور حضرت حسین بن علیؓ کا خروج قطعاً جائز نہیں تھا، ان کے خروج کی حیثیت ''خلیفہ عادل کے مقابلے میں کسی باغی کے خروج'' کی ہے، ان کا قتل محض ایک اتفاقی واقعہ تھا، جو خود ان کے سبائی ساتھیوں کی وجہ سے پیش آ گیا۔

کتاب میں ضمنی طور پر کہیں کہیں خود حضرت علیؓ پر بھی بے جا نقد کیا گیا ہے، حضرت امیر معاویہؓ سے موازنہ کرتے ہوئے کہیں لکھا گیا ہے کہ ''حضرت علیؓ کی بیعت ہی مکمل نہیں ہوئی تھی''، ''انھوں نے کبھی کوئی ملک فتح نہ کیا''، ''ان کے زمانہ میں کبھی جہاد

نہ ہوا''، ''اپنے زمانۂ خلافت میں کبھی انھوں نے حج نہ کیا اور نہ امارتِ حج کے فرائض ادا کیے''، یہی نہیں بلکہ ان کی اولاد میں سے بھی کبھی کسی نے امارتِ حج کے فرائض ادا نہیں کیے بخلاف حضرت معاویہؓ کے اور ''ان کے لائق فرزند امیر یزید'' کے کہ انھوں نے تین بار امارت حج کے فرائض ادا کیے وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح بعض جگہ تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف حضرت علیؓ پر حضرت معاویہؓ ہی کو نہیں بلکہ یزید کو بلند کرنا چاہتے ہیں، ایک جگہ حضرت معاویہؓ کے فضائل کا ذکر کرتے کرتے سیاست وحکومت میں حضرت عمرؓ سے بھی انھیں بڑھا دیتے ہیں۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں تمام علماء سلف کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ ہم ان کے باہمی نزاعات کے بارے میں ''کفِ لسان'' کریں اور خواہ مخواہ کے لیے ''تفضیل وموازنہ'' کی بحثوں سے اپنے زبان وقلم کو آلودہ نہ کریں۔

ابو بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ، معاویہؓ وعمرو بن العاصؓ، طلحہؓ وزبیرؓ، حسینؓ وحسنؓ، یہ سب آفتاب و ماہتاب تھے، ان سب نے آفتابِ نبوت سے روشنی حاصل کی تھی اور سب ہمارے لیے ''شمعِ ہدایت'' تھے، قرآن کریم نے انھیں رضی اللہ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ کا امتیاز بخشا اور جناب رسالت مآب نے اصحابی کالنجوم ، بایهم اقتدیتم اهتدیتم فرمادیا۔

انھیں حضرات کی جدوجہد نے دین کو محفوظ و مامون شکل میں ہم تک پہنچایا اور ان کا یہ احسان قیامت تک امت کے سر پر رہے گا، تمام محتاط اہلِ قلم نے صحابۂ کرام کو ان کے باہمی نزاعات میں مخلص تسلیم کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ حضرات اپنی اجتہادی رایوں پر عامل تھے، ظاہر ہے کہ ان کا اختلاف ظنی مسائل میں ہوا ہے اور وہ ان مسائل میں اجتہاد کے مجاز تھے، ان کی بلند کرداری، للّٰہیت، خلوص اور خدا پرستی کی سچی زندگی اس پر شاہد ہے کہ صحابہؓ اپنی خواہشِ نفس کے پیرو نہیں تھے، وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر ہر جزئیہ میں صرف ''رضائے الٰہی'' کو سامنے رکھتے تھے، یہی ان کا مطمحِ نظر تھا اور

یہی ان کا نصب العین۔

بہر حال کتاب کے جن بنیادی مباحث پر گفتگو کرنی ہے، ان کے تجزیہ سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے کچھ اقتباسات پیش کیے جائیں اور نتائج نکال کر گفتگو کی جائے، مصنف ص ۴۰ پر تحریر فرماتے ہیں:

"ہم عصر حضرات کو جن میں کثیر تعداد صحابۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کرام کی شامل تھی، امیر یزید کی سیرت اور کردار میں کوئی خامی ایسی نظر نہیں آتی تھی جس کی بنا پر عقد بیعت خلافت ناجائز ٹھہرے یا بعد بیعت ان کے خلاف خروج و بغاوت کا جواز نکالا جائے۔"

صفحہ ۴۹ پر لکھا ہے:

"علم و فضل، تقویٰ و پرہیزگاری، پابندی صوم و صلوٰۃ کے ساتھ امیر یزید حد درجہ کریم النفس، حلیم الطبع، سنجیدہ و متین تھے۔"

صفحہ ۶۰ پر دیکھیے:

"سیرت امیر یزید کا یہ مختصر سا تذکرہ اس سلسلہ میں کیا گیا ہے کہ ان کے کردار میں کوئی ایسی خامی نہیں تھی کہ ان کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا۔"

صفحہ ۶۷ پر تحریر ہے:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور احکام شریعت کی تصریحات سے واضح ہے کہ حضرت حسینؓ کو امیر یزید کے خلاف اقدام خروج کا جواز مطلق نہ تھا"۔

مصنف نے یزید کے ایک شعر سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت حسینؓ نے بھی امیر المومنین معاویہؓ کی زندگی میں امیر یزید کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی۔ ص ۷۵ اور اپنے اس دعویٰ کی تائید میں ایک یورپین مورخ دوزی کے جملے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آزاد اور بے لاگ مورخین نے حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے سلسلے میں اسی بات کو بیان کیا ہے، مشہور مورخ دوزی کا ایک فقرہ اس بارے میں قابلِ لحاظ ہے، وہ لکھتا ہے:

'ایرانی شدید تعصب نے اس تصویر میں خدوخال بھرے اور حضرت حسینؓ کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش وخطائے ذہنی اور قریب قریب غیر معقول حُبِ جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہوں، ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے، ان کے ہم عصروں میں اکثر و بیشتر انھیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے، وہ انھیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصوروار خیال کرتے تھے، اس لیے کہ انھوں نے حضرت معاویہؓ کی زندگی میں یزید کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی اور اپنے حق یا دعوائے خلافت کو ثابت نہ کر سکے۔'' صفحہ ۶۷

اسی طرح صفحہ ۹۷ پر ''اقدام خروج کی غلطی'' کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''کردار خلیفہ میں کوئی خامی یا برائی ایسی نہ تھی کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا۔''

پھر صفحہ ۱۷۹ پر جو کچھ لکھتے ہیں، اسے غور سے پڑھا جائے:

''اب اگر بالفرض یہ ثابت کر دیا جائے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے موقف سے رجوع نہیں کیا تھا تب بھی دینی زاویۂ نگاہ سے امیر المومنین پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ اس سے پہلے جو واقعات گذر چکے ہیں ان کی روشنی میں ایسا اعتراض بھی حکومت پر عائد نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ پر۔

حضرت علیؓ کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی، امت کی بڑی اکثریت ان کی بیعت میں داخل نہیں ہوئی تھی، ان کے خلاف جو حضرات کھڑے ہوئے وہ بڑی جمعیت رکھتے تھے، ان کے قبضہ میں ملک تھے اور لاکھوں انسانوں کی حمایت انھیں حاصل تھی، پھر ایسا خلیفہ جسے جمہور کی حمایت حاصل نہ ہو جب شرعاً اس کا مجاز ہے کہ اپنے مخالفوں کے خلاف تلوار اٹھائے تو امیر یزید جو متفق علیہ خلیفہ

تھے، جن کا پرچم تمام عالم اسلام پر لہراتا تھا، جن کی بیعت میں سیکڑوں صحابۂ کرام خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بھائی حضرت محمد بن علیؓ ابن الحنفیہ جیسی مقتدر اور مقدس ہستیاں داخل تھیں، وہ اس کے مجاز کیوں نہیں کہ اپنے خلاف خروج کرنے والوں کا مقابلہ کریں۔" صفحہ ۱۷۹

حاصل یہی ہوا کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ جن کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی، امت کی بڑی اکثریت ان کے خلاف تھی اور جمہور امت کی حمایت حاصل نہیں تھی، اگر حضرت معاویہؓ اور حضرت عائشہؓ کے خلاف کارروائی کر سکتے ہیں، تو شرعاً یزید کو "جو متفق علیہ عادل خلیفہ تھا، جس کی حکومت کا پرچم تمام عالمِ اسلامی پر لہراتا تھا"، اس کا حق کیوں نہیں کہ وہ حضرت حسینؓ پر تلوار اٹھائے جو حکومتِ عادلہ سے بغاوت کے مجرم تھے۔

آگے مصنف نے خود واضح کیا ہے:

"حضرت علی مرتضیٰؓ کی تلوار اگر ام المومنین عائشہؓ کے خلاف بے نیام ہو سکتی ہے۔۔۔۔۔ تو حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جا سکتی؟"

اس کے بعد مصنف نے حضرت حسینؓ کی دعوت اور تحریک کی بنیاد کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے "جن کی (حضرت حسینؓ کی) دعوت محض یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علیؓ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انہیں بنایا جائے۔"

اس طرح حضرت حسین بن علیؓ مصنف کے نقطۂ نظر سے محض خاندانی اور نسلی فضائل کی بنیاد پر یزید کے خلاف دعوی خلافت لے کر اٹھے تھے اور ظاہر ہے کہ اسلام اس طرح کے دعاوی تسلیم کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں ہے، اسی لیے مصنف کے خیال میں حضرت حسینؓ ایک حکومتِ عادلہ اور خلافت صحیحہ کے باغی تھے لیکن اس جرمِ بغاوت کے باوجود شروع سے ان کے خلاف کوئی سخت کارروائی نہیں کی گئی خود لکھتے ہیں "باوجود اس کے ان کے خلاف شروع سے متشددانہ کارروائی نہیں کی گئی"۔ صفحہ ۱۸۰

ان اقتباسات اور کتاب میں پھیلے ہوئے دوسرے خیالات کی روشنی میں

مصنف کے تصورات کا خلاصہ یہ ہے:

الف : یزید علم و فضل، تقویٰ و پرہیز گاری کا جامع تھا، صوم و صلوٰۃ کی پابندی کے ساتھ حد درجہ کریم النفس، حلیم الطبع، سنجیدہ و متین تھا، خلافت کے لیے جن صفات کی ضرورت ہے وہ بدرجہ اتم اس میں موجود تھیں۔

ب : ان سب باتوں کے بعد وہ خلیفہ منتخب ہوا۔

ج : صحابۂ کرامؓ اور جمہور اصحاب حل و عقد اس کی خلافت پر متفق تھے اور کردار یزید میں کوئی ایسی خامی نہ پاتے تھے جس کی بنیاد پر اس کے خلاف خروج کو جائز کیا جائے۔

د : ایسے عادل اور متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج شرعاً حرام ہوگا اور اسے خلافتِ عادلہ کے خلاف بغاوت کہا جائے گا۔

ر : ان مقدمات کی روشنی میں ظاہر ہے کہ مصنف کے نقطۂ نظر سے حضرت حسینؓ کا اقدام خروج حرام ہوگا اور بغاوت اور چوں کہ حضرت حسینؓ نے ۔۔۔۔۔ حضرت معاویہؓ کی حیات میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت بھی کر لی تھی، اس لیے وہ شرعاً غدر اور نقض عہد کے مجرم تھے۔

س : ان سب امور سے زیادہ اہم جرم ان پر یہ عائد ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی دعوت اور تحریک کی بنیاد ہی ایک ایسی غلط بات پر رکھی جو قطعاً شریعتِ اسلامی کی روح کے خلاف ہے اسلام آیا ہی تھا نسلی اجارہ داری کو مٹانے اور اُسے جڑ سے اکھیڑنے پس حضرت حسینؓ کا مطالبہ خود مصنف کے الفاظ میں ایسا نہ تھا کہ کتاب اللہ سے اس کی کوئی سند پیش کی جا سکتی ہے، نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، نہ تعامل خلفائے راشدین اور نہ عزائم اہلِ بیت سے۔ (صفحہ ۱۸)

لیکن ان سب جرائم کے باوجود حکومتِ وقت نے ''ان کے خلاف شروع سے متشددانہ کارروائی نہیں کی''، حضرت حسینؓ کربلا پہنچے اور ان کی ملاقات اس فوجی دستہ سے

ہوئی جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا، حضرت حسینؓ کے ساتھیوں نے جو سبائی ذہنیت رکھتے تھے، اس دستہ پر حملہ کر دیا اور اچانک جنگ چھڑ گئی اور یہ واقعہ محزون پیش آ گیا۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد راقم الحروف نے جو کچھ محسوس کیا، وہ یہی امور ہیں اور مجھے امید ہے کہ تمام اہلِ انصاف اس احساس میں شریک ہوں گے، کتاب کے پیش کردہ مندرجہ بالا تصورات حق ہیں، یا باطل؟ اس کے فیصلہ کی ایک راہ یہ ہے کہ ہم تاریخ کی کتابوں کی طرف رجوع کریں، اس سلسلہ میں تاریخ کی تمام کتابیں واضح نظریات پیش کرتی ہیں، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا مصنف کو عام کتب تاریخ پر اعتماد نہیں ہے، ہاں ان کو ان تمام کتب تاریخ میں ابن خلدون پر اعتماد ہے جیسا کہ مصنف کی تصریح گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے، ایک اور جگہ رقم طراز ہیں:

> ''علامہ موصوف نے ولایت عہد کی بحث میں امیر یزید کی ولی عہدی کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے، وہ اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہے، اس کے پیشِ نظر راقم الحروف کا یہ استنباط شاید غلط نہ ہو کہ تنہا وہی ایک مورخ ہیں جنھوں نے دیگر وضعی روایات کی طرح سانحہ کربلا کی موضوعات کو اسی معیار سے جانچنے کی کوشش کی تھی جس کی پاداش میں ان کی کتاب کے تمام نسخوں سے صرف یہی تین ورق ـــ جو اس حادثہ کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ آج تک کسی فردِ بشر کو چار دانگ عالم میں دستیاب نہ ہو سکے'' (ص، ۸، عرضِ مؤلف)۔

مصنف کا یہ استنباط کس حد تک صحیح ہے، اس سے بحث نہیں، یہاں تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مصنف کو ابن خلدون پر پورا بھروسہ ہے اس لیے ہم دوسری تاریخوں کا سہارا لینے کے بجائے خود ''ابن خلدون'' کی رائے مذکورہ بالا مسائل کے بارے میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

کیا یزید عادل، متقی اور پرہیز گار تھا: علامہ ابن خلدون نے اپنے شہرہ آفاق

مقدمہ تاریخ میں (جو ان کی تاریخی معلومات اور تحقیقات کا نچوڑ ہے) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہ تمام صحابہ شمع ہدایت تھے، ان کی عدالت، ان کا تقویٰ اور ان کا اخلاص محتاج بحث ونظر نہیں وہ اس سے بہت بالاتر ہیں کہ ان کے بارے میں نفسانیت کا وہم بھی کیا جائے، اس لیے حضرت امیر معاویہؓ کا یزید کو ولی عہد بنانا بھی دینی مصلحت سے تھا اور ان مباحث کی تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے:

وعرض هنا امور تدعوالضرورة الى بيان الحق فيها (۱۷۶)

یہاں چند معاملات ایسے ہیں جن کے بارے میں حق کا واضح کر دینا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں پہلا سوال کیا ہے؟ اور ابن خلدون نے اسے کس طرح حل کیا ہے؟ ذرا غور سے سنیے وہ کہتا ہے:

فالاول منها ما حدث فى يزيد من الفسق ايام خلافته۔ (۱۷۶)

پہلا مسئلہ تو یزید کے فسق کا ہے جو اس کے زمانۂ خلافت میں پیدا ہو گیا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب یزید فاسق تھا، تو حضرت معاویہؓ جیسے مخلص صحابی نے اسے ولی عہد کیوں بنایا؟ اس کا ضرور خیال رکھیے کہ ابن خلدون ماحدث من الفسق (یزید کے فسق) کا جزم ویقین کے ساتھ ذکر کرتا ہے مایروی (روایت کیا جاتا ہے) ما یُقال (کہا جاتا ہے) ماینسب (فسق کی اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے) یا اس طرح کے دوسرے الفاظ استعمال نہ کیے جس سے یہ سمجھا جاتا کہ ان کے نزدیک یہ روایات کمزور اور واہی ہیں۔

اور اگر فسق یزید کی روایتیں واہیات ومخترعات تھیں تو اس کا صاف جواب یہی تھا کہ ابن خلدون ان روایتوں پر نقد کرتے، جیسا کہ ان کی عادت ہے، لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ انھیں دوسرے جواب کا سہارا لینا پڑا، وہ لکھتے ہیں:

فاياك ان تظن بمعاوية رضى الله عنه انه علم ذالك
من يزيد فانهٗ اعدل من ذلك و افضل (ص۱۷۶)

ہرگز ہرگز تم حضرت معاویہؓ کے بارے میں یہ گمان مت کرنا کہ وہ یزید کے اس فسق سے واقف تھے اور انھوں نے اس کو (پھر بھی ولی عہد بنا دیا) وہ اس سے بالاتر اور بلند ہیں۔

یزید کو ابن خلدون عدالت وتقویٰ کے اعلیٰ مدارج پر سمجھتے ہیں، یا فسق و فجور کا مرتکب اس کا اندازہ تو مندرجہ بالا جملوں ہی سے ہو جاتا ہے، لیکن اگلے جملہ میں تو ابن خلدون نے اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ یزید کی طرف جو موسیقی اور گانے بجانے کی شوق کی نسبت کی جاتی ہے وہ صحیح ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات ہی میں پیدا ہو چکی تھی اور حضرت معاویہؓ اس کی اس حرکت پر ملامت بھی کرتے تھے۔

بل كان يعذله ايام حياته في سماع الغناء و ينهاه عنه (ص، ١٧٦)

بلکہ حضرت معاویہؓ یزید کو اپنی زندگی میں غناء کے سننے پر ملامت کرتے تھے اور اس سے منع فرماتے تھے۔

ابھی تو مندرجہ بالا تصریح پر قناعت کیجیے، آئندہ صفحات میں اس مسئلہ کی کچھ اور تفصیل آ رہی ہے۔

صحابہؓ کا موقف یزید کے بارے میں

مصنف نے بہت تفصیل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحابہؓ یزید کی امارت پر خاموش ہی نہیں رہے، بلکہ انھوں نے اس کی خلافت کو بخوشی قبول کیا، مختلف عہدوں کو قبول کیا اس لیے کہ وہ یزید کو عادل ومتقی اور خلافت کے لائق سمجھتے تھے، ان کے خیال میں یزید کے کردار میں کوئی خامی نہیں تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔

دیکھنا یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا موقف خلافتِ یزید اور کردار یزید کے بارے میں کیا تھا؟ کیا وہ واقعۃً اس کی عدالت وتقویٰ کے معترف تھے اور اسی لیے وہ حضرت حسینؓ کو اس اقدام سے روک رہے تھے، ابن خلدون یزید کے فسق

اوراس کے بارے میں صحابۂ کرامؓ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

ولما حدث فی یزید ما حدث من الفسق اختلفت الصحابة حینئذ فی شانه (۱۷۷)

جب یزید میں فسق وفجور ظاہر ہوا تو اس وقت صحابہؓ کے مابین اس کے بارے میں اختلافِ رائے ہوا۔

خیال رکھیے کہ یزید کا فسق محتاجِ بحث مسئلہ نہ تھا، اختلاف ہوا تو اس میں کہ اس امام فاسق کے سلسلہ میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے؟

فمنهم من رای الخروج علیه و نقض بیعته من اجل ذلك کما فعل الحسینؓ و ابن الزبیرؓ ومن اتبعهما فی ذلك (۱۷۷)

پس صحابہ کی ایک جماعت تو یزید کے خلاف خروج کرنے اور اس کے فسق وفجور کی وجہ سے بیعت توڑنے کی قائل تھی جیسا کہ حضرت حسینؓ اور ابن زبیرؓ نیز ان کے متبعین نے کیا۔

اور دوسری جماعت کا مسلک یہ تھا

ومنهم من اباه

اور صحابہ کی دوسری جماعت خروج کی منکر تھی۔

کیوں؟ کیا اس لیے کہ ''یزید کے کردار میں کوئی خامی نہیں تھی''؟ نہیں! بلکہ:

لمافیه من اِثار ة الفتنة و کثرة القتل مع العج عن الوفاء به

اس لیے کہ اس سے فتنہ اٹھے گا اور قتل وقتال ہوگا، پھر حالات بھی ایسے نہیں ہیں، کہ یہ دعوت پوری ہوگی۔

اب ان صحابہ نے جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے وہ بھی سنیے:

فاقصروا عن یزید بسبب ذلك

اسی فتنہ وفساد کے خوف سے یزید کے خلاف خروج سے احتراز کیا۔

اور

اقاموا علی الدعاء بھدایته والراحة منه

اب وہ لوگ یزید کی ہدایت اور اس سے مسلمانوں کی نجات کے لیے
دعا کرنے میں مشغول ہو گئے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مسلک یزید کے بارے میں جو کچھ تھا، اس کا خلاصہ یہی ہوا، کہ فاسق اسے سبھی سمجھتے تھے، بعضوں نے اس بلاء سے نجات دلانے کے لیے خروج کیا اور اپنی جانیں ''حکومتِ عادلہ اور خلافتِ راشدہ'' کے قیام کی جدوجہد میں قربان کردیں، دوسری جماعت نے عام مسلمانوں کو فتنہ وفساد سے بچانے کی خاطر سکوت اختیار کیا اور دعا کی راہ اختیار کی، ابن خلدون نے اس اختلافِ رائے کا تذکرہ کرتے ہوئے بہت قیمتی جملے لکھے ہیں:

والکل مجتھدون ولا ینکر علی احد من الفریقین فمقصادھم فی البر وتحری الحق معروفة، وفقنا اللّٰہ للاقتداء بھم (۱۷۷)

یہ سب حضرات مجتہد تھے ان میں سے کسی پر نکیر کرنا جائز نہیں، یہ بات طے شدہ ہے کہ ان سب حضرات کا نصب العین صرف نیکی اور حق ہوتا تھا، اللہ ان کی اقتداء کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیوں خروج کیا؟ ان کی دعوت کیا تھی؟ کیا وہ محض نسلی فضیلت کی بنیاد پر دعوی خلافت لے کر اٹھے تھے؟:

جیسا کہ عرض کیا گیا، محمود احمد عباسی صاحب کے نقطۂ نظر سے حضرت حسینؓ بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت محض یہ تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور حضرت علیؓ کے بیٹے ہیں، اس لیے انھیں خلیفہ بنایا جائے، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مصنف کا یہ نقطہ نظر ایسا نہیں ہے جس کی تائید میں کوئی تاریخی شہادت پیش کی

جائے، بلکہ تاریخ کا جائزہ ہماری رہنمائی اس طرف کرتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے اقدام کا نصب العین ''خلافتِ عادلہ صحیحہ'' کا قیام تھا، یزید کا فسق خلافتِ نبوت کو ''خلافتِ قیصر وکسریٰ'' سے بدل رہا تھا، یہ فسق گھر کی چار دیواریوں میں محدود نہ رہا تھا بلکہ عوام الناس کے سامنے کھل چکا تھا، اس وقت حضرت امام حسین بن علیؓ کے اجتہاد نے اس طرف رہنمائی کی کہ اُس ''امام جائر'' کے سامنے ''حق کا اظہار'' ضروری ہے اور انھوں نے اس راہ میں اپنی جان دے دی۔ ابن خلدون لکھتا ہے:

واما الحسين فانه لماظهر فسق يزيد عند الكافة من اهل عصره بعثت شيعة اهل البيت بالكوفة الحسين ان ياتيهم فيقوموا بامره۔ (۱۸۰)

حضرت حسینؓ کا معاملہ یہ ہوا کہ جب یزید کا ''فسق'' اس زمانہ کے تمام لوگوں کے سامنے کھل گیا تو ''کوفہ'' کے طرف داران اہل بیت نے انھیں پیغام بھیجا کہ وہ ان کے پاس چلے آئیں اور یہ لوگ ان کی سرکردگی میں اٹھ کھڑے ہوں۔

اب یہاں دو چیزیں ہیں، ایک طرف خلیفہ کا فسق ہے جو تمام پبلک کے سامنے بے پردہ ہو چکا ہے، دوسری طرف اہلِ کوفہ کی دعوت ہے جو ''تحریک'' کے لیے شوکت کا سامان مہیا کرتی ہے، حضرت امام حسینؓ نے اپنے کو اس دعوت کا اہل سمجھا اور خروج کا فیصلہ کیا اور اہل کوفہ کے اس پیغام کو لبیک کہا، اب آپ غور کریں کہ کیا حضرت حسینؓ نے اس پکار پر لبیک محض اس لیے کہا کہ وہ جاہ و اقتدار کے بھوکے تھے؟ یا محض اس لیے کہ وہ نبی کے نواسے تھے؟ ''ابن خلدون'' لکھتا ہے:

راى الحسين ان الخروج علىٰ يزيد متعين من اجل فسقه لا سيما من لهٗ القدرة على ذٰلك (۱۸۰)

حضرت حسینؓ نے رائے قائم کی کہ یزید کے ''فسق و فجور'' کی وجہ سے اب اس کے خلاف خروج ضروری ہے خصوصاً اس شخص پر جو اس کی قدرت رکھتا ہو۔

معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ کے اقدامِ خروج کی وجہ یزید کی نااہلی تھی، ان کا اپنا ''نسلی استحقاق'' نہیں۔

آگے چل کر ابن خلدون لکھتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے اندر خروج کی قدرت محسوس کی اپنی اہلیت اور اپنی شوکت کی وجہ سے۔

''ابن خلدون'' لکھتا ہے کہ جہاں تک خلافت کی اہلیت اور صلاحیت کا تعلق ہے:

فکان کما ظن و زیادۃ

اہلیت جیسی وہ سمجھتے تھے ویسی ہی تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

ہاں شوکت کے اندازے میں ان سے غلطی ہوئی، اس لیے کہ اس وقت ساری کلیدی طاقتیں اور عصبیت بنوامیہ کے ہاتھ میں تھی، زمانۂ جاہلیت کی عصبیت جو اہم مسائل کے پیش آجانے کی وجہ سے دب گئی تھی پھر ابھر آئی تھی، اس لیے اس کا مقابلہ مشکل تھا، اس تفصیل کے بعد لکھتا ہے کہ

قد تبین لک غلط الحسین الا انه فی امر دنیوی ولا یضره الغلط فیه (۱۸۱)

حضرت حسینؓ کے اندازے کی غلطی تمھارے سامنے واضح ہوگئی، لیکن خیال رکھو کہ یہ غلطی دنیاوی امر میں ہوئی اور دنیاوی (سیاسی) غلطی سے انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

رہا اس خروج کا شرعی حکم تو ظاہر ہے کہ اس کے جواز میں شک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس کی بنیاد مجتہد کے اجتہاد پر ہے۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت امامؓ کے خروج کی بنیاد یزید کا فسق و فجور تھا ان کی تحریک کی بنیاد ''خلافتِ عادلہ'' کا قیام تھا، وہ خدانخواستہ ایک غیر اسلامی چیز یعنی نسلی فضیلت کی بنیاد پر خلافت کے مدعی نہ تھے۔

صحابہؓ کا موقف حضرت حسینؓ کے بارے میں: جب عام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ مسلک سامنے آگیا کہ وہ یزید کے فسق کے باوجود اس کے

خلاف خروج کے قائل نہ تھے، محض اس لیے کہ فتنہ وفساد کا خطرہ تھا عام صحابہؓ اپنے اس اجتہاد کی بنیاد پر حضرت امامؓ کا ساتھ تو نہ دے سکے

لم یتابعوا الحسین

انھوں نے حضرت حسینؓ کی اتباع نہ کی۔

لیکن امام حسینؓ کو غیر اسلامی تحریک کا داعی اور گناہ گار بھی نہ کہا

ولا انکروا علیه ولا اثموه (۱۸۰)

نہ انھوں نے حضرت حسینؓ پر نکیر کی اور نہ انھیں گنہ گار قرار دیا۔

اور عام صحابہؓ کو حضرت حسینؓ نے بھی موردِ الزام قرار نہیں دیا، اس لیے کہ وہ بھی اپنے اجتہاد پر عامل تھے، لیکن اپنی دعوت کی حقانیت پر اور اپنی تحریک کی سچائی پر انھیں صحابہ کو گواہ بناتے تھے جو عملاً ان کے اس اقدام میں شریک نہیں تھے اور کربلا میں اعلان کرتے تھے:

یستشهد بهم وهو یقاتل بکر بلاء علیٰ فضله و حقه و یقول سلوا جابر بن عبدالله وابا سعید الخدری و انس بن مالك وسهل بن سعید وزید بن ارقم وامثالهم (۱۸۰)

حسینؓ جب کربلا میں قتال کر رہے تھے انھیں صحابہؓ کو اپنے فضل اور اپنے حق پر گواہ بناتے تھے اور کہتے تھے، پوچھو! جابر بن عبداللہؓ، ابوسعید خدریؓ، انس بن مالکؓ، سہل بن سعیدؓ اور زید بن ارقمؓ وغیرہ سے۔

خلاصہ یہی ہوا کہ حضرت حسین بن علیؓ اپنے اجتہاد پر عمل پیرا ہو کر یزیدیوں سے نبرد آزما ہوئے اور عام صحابہؓ نے فتنہ وفساد کا خیال کرتے ہوئے اسی میں نجات سمجھی کہ یزید کی ہدایت کے لیے دعا کی جائے اور اس سے نجات وراحت کی دعا کی جائے، حضرت حسینؓ سمجھ رہے تھے کہ عام صحابہؓ بھی یزید کے فسق سے واقف ہیں اور وہ بھی خلافتِ عادلہ کے قیام کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن بنوامیہ کی طاقت اور عصبیت کی بنا پر کسی نئی تحریک کا بار آور ہونا مشکل ہے اور پھر مسلمانوں کے مابین قتل وخون کا اندیشہ ہے، اس لیے وہ اس طرح کی تحریک اٹھانے کے لیے تیار نہیں۔۔۔اس لیے حضرت حسینؓ نے

انھیں مدد نہ کرنے پر مورد الزام بھی نہ سمجھا اور دوسری طرف انھیں اپنی دعوت پر گواہ بناتے رہے، یہیں سے یہ بات بھی صاف ہوجاتی ہے کہ بعض صحابہؓ نے حضرت حسینؓ کو اس اقدام یا ”کوفہ“ کی طرف جانے سے روکا تھا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ”یزید کے کردار میں کوئی ایسی خامی نہ تھی جس کی وجہ سے اس کے خلاف خروج ناجائز ہو“، بلکہ اس کی وجہ یہی تھی کہ صحابہؓ سمجھ رہے تھے کہ حالات ایسے نہیں ہیں جس میں یہ تحریک کامیاب ہوسکے۔

کیا یزید اور دوسروں کے لیے حضرت حسینؓ سے قتال جائز تھا؟

اس شبہہ کا ازالہ کرتے ہوئے کہ کیا حضرت حسینؓ کے قتل میں صحابہؓ کی رائے کو بھی دخل تھا؟ ابن خلدون لکھتا ہے:

”حضرت حسینؓ سے یزیدیوں کا قتال حضرات صحابہؓ کی رائے اور ان کے اجتہاد سے نہ تھا۔“ (ص، ۱۸۱)

بلکہ

انما انفرد بقتاله یزید و اصحابه

بلکہ ان کے قتال کے ذمہ دار صرف یزید اور اس کے ساتھی ہیں۔ (صفحہ ۱۸۰)

اس کے بعد اس طرح کے خیالات کی تردید کرتا ہے ”کہ جب حضرت حسینؓ باغی تھے تو ان سے قتال شرعاً جائز ہونا چاہیے“ اور لکھتا ہے کہ:

”باغیوں سے قتال علماء کے نزدیک اسی وقت جائز ہے جب کہ آپ امام عادل کا ساتھ دے رہے ہوں اور یہاں ایسا نہیں ہے۔ اس لیے کہ یزید ظاہر ہے کہ عادل نہیں تھا، پس اس کے خلاف خروج ”امام عادل“ کے خلاف بغاوت نہ ہوگی لہٰذا شرعاً حضرت حسینؓ سے قتال جائز نہیں ہوگا۔“

فلا یجوز قتال الحسین مع یزید ولا لیزید ......

لہٰذا حضرت حسینؓ سے قتال کرنا نہ (دوسروں کے لیے) یزید کی معیت میں جائز تھا اور نہ خود یزید کے لیے جائز تھا۔

اور اگلا جملہ سنیے:

بل هی من فعلاته المؤكدة لفسقه (۱۸۰)

بلکہ حضرت حسینؓ سے قتل وقتال تو یزید کی ان حرکتوں میں سے ایک حرکت ہے جو اس کے فسق کو اور پختہ کر دیتی ہیں۔

حضرت حسینؓ کی حیثیت اس معاملہ میں کیا تھی؟

والحسين فيها شهيدٌ مثاب وهو على حق و اجتهاد۔

حسینؓ شہید تھے، اللہ کی طرف سے اجر وثواب کے مستحق ہوئے، وہ برحق تھے اور اپنے اجتہاد پر عامل۔

ابن العربی اور واقعۂ شہادت : قاضی ابوبکر بن العربی نے "العواصم و القواصم" نامی کتاب میں حضرت حسین بن علیؓ کے قتل کو حق بجانب قرار دیا ہے اور اس مسئلہ پر بحث کی ہے محمود احمد صاحب عباسی نے ابن عربی کی رائے سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، لیکن ابن خلدون اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

قد غلط القاضی ابو بكر ابن العربی المالكی فی هذا فقال فی كتابه الذی سماه العواصم و القواصم ما معناه ان الحسين قتل بشرع جده (۱۸۰)

قاضی ابوبکر بن العربی سے اس مسئلہ میں غلطی ہوگئی انھوں نے اپنی کتاب "العواصم و القواصم" میں ایسے الفاظ لکھے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت حسینؓ اپنے نانا کی شریعت کے مطابق قتل کیے گئے۔

ابن عربی کا اشارہ اسی طرف ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے باغی کی سزا قتل ہے اس لیے حضرت حسینؓ کا قتل جائز تھا، ابن خلدون لکھتا ہے کہ ابن عربی کا یہ خیال غلط ہے اس لیے کہ باغی کا قتل جائز اس وقت ہے، جب کہ امام عادل ہو، یہاں تو مسئلہ کی صورت ہی دوسری ہے، ایک طرف یزید ہے جس کا فسق وفجور روز روشن کی طرح واضح ہو چکا تھا، یہ "اہل آراء" تھے جو اپنی شہوات اور خواہشِ نفس کے مطابق حکومت چلا رہے

تھے، دوسری طرف حسینؓ تھے جو مجسمۂ عدالت وتقوی اور سراپا شرافت و دیانت تھے، پس حضرت حسینؓ کے اقدامِ خروج کی حیثیت امام عادل کے خلاف بغاوت کی نہیں، بلکہ امام جائر و فاسق کے مقابلہ میں ''حق وصداقت کے علمبرداروں'' کے خروج کی ہے، یہ حکومتِ عادلہ کے خلاف بغاوت نہیں تھی بلکہ ''امام جائر'' کے سامنے کلمۂ حق کا اظہار تھا اور قتل کا قانون اس بغاوت وعہد شکنی کے لیے ہے جو امام عادل کے مقابلہ میں اختیار کی جاتی ہے، نہ کہ اس شخص کے لیے جو کھڑا ہوا ہو، ''ہرقلیت وکسرویت''، جاہلی عصبیت اور فسق وفجور کو مٹا کر حق وعدالت کی بنیاد پر حکومت قائم کرنے کے لیے، پس ایسے شخص کے قتل کو کیسے جائز کہا جا سکتا ہے؟

ابن خلدون لکھتا ہے:

> وھو غلط حملته عليه الغفلة عن اشتراط الامام العادل و من اعدل من الحسين فى زمانه فى امامته وعدالته فى قتال اهل الآراء (۱۸۰)

> ابنِ عربی کی یہ رائے غلط ہے انھوں نے یہ غلط رائے اس لیے قائم کی کہ وہ ''امام عادل کی شرط'' سے غافل ہو گئے اور حضرت حسینؓ سے بڑھ کر ان کے زمانہ میں امامت اور عدالت کے اعتبار سے اہل آراء کے قتال کے لیے کون اعدل تھا۔

حاصلِ کلام

ابن خلدون کی اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) یزید فاسق وفاجر تھا، اس کا فسق وفجور عوام وخواص پر ظاہر ہو چکا تھا۔

(۲) تمام صحابہؓ کو اس کی ان خامیوں کا احساس تھا، لیکن عام صحابہؓ فتنہ و فساد کے خوف سے خروج کے قائل نہیں تھے اور بعض حضرات اس کے فسق کی وجہ سے خروج کو ضروری سمجھتے تھے۔

(۳) حضرت حسینؓ نے اس وقت خروج کیا جب یزید کا فسق کھل کر سامنے گیا۔

(۴) حضرت حسینؓ پر صحابہؓ نکیر نہیں کرتے تھے اور نہ گناہ گار سمجھتے تھے۔
(۵) حضرت حسینؓ سے قتال کو شرعاً جائز نہیں کہا جا سکتا۔
(۶) اس قتال کی ذمہ داری یزید اور اس کے ساتھیوں پر آتی ہے۔
(۷) حضرت حسینؓ برحق تھے، وہ واقعہ کربلا میں شہید ہوئے۔
(۸) حضرت حسینؓ کی حیثیت باغی کی نہیں تھی، بلکہ وہ ''غلط بنیادوں پر قائم حکومت'' کو مٹا کر ''جائز اسلامی خلافت اور حکومتِ عادلہ'' قائم کرنا چاہتے تھے۔

اب ان حقائق کی روشنی میں کتاب کا مطالعہ کیجیے، کہ مصنف کے پیش کردہ تصورات کس حد تک صحیح ہیں؟

''از برہان دہلی دسمبر ۱۹۵۹ء''

کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' پر ایک طائرانہ نظر

مولانا عزیر احمد صاحب بی اے قاسمی ناظم شعبۂ دستار بندی دار العلوم دیو بند

ناظرین!

کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' کے مصنف جناب محمود احمد عباسی نے حوالہ جات میں بیجا تصرف اور تلبیس کر کے صحافتی دیانت کو مجروح فرمایا ہے کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے پہلے ایک نظریہ قائم کرلیا کہ نعوذ باللہ حضرت حسینؓ نے خروج کیا اور یزید نہایت متقی اور پرہیز گار تھا پھر اس نظریہ کے تحت کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور کتابوں میں جہاں کہیں یزید کی تعریف میں کوئی جملہ نظر آیا اسے لے لیا اور اسی عبارت میں جو جملے یزید یا عمر بن سعد کے نقائص میں تھے ان کو حذف کر دیا، حالاں کہ ایک تحقیقی مضمون میں جو برسہا برس کی ریسرچ کا نتیجہ ہو، یہی ہونا چاہیے کہ مناقب و معائب دونوں چیزوں کو اجاگر کر کے پیش کیا جائے نہ یہ کہ مناقب اچھالے جائیں یا بغیر نقل کے ان کی غلط توجیہ کی جائے اور معائب پر پردے ڈالے جائیں، ذیل کے مضمون میں جناب محمود احمد عباسی صاحب نے جہاں جہاں دیدہ و دانستہ حوالہ جات اور ان کے تراجم میں تصرف کیا ہے ان میں سے چند بطور نمونہ پیش کیے جا رہے ہیں، اس سے موصوف کی ریسرچ کا اندازہ ہو جائے گا۔

(۱) منجملہ ان کے شیخ عبدالمغیث بن زہیر الحربی تھے، جن کے متعلق علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ "کان من صلحأ الحنابلة وکان یزار "(البدایة و النهایة جلد۱۲ص ۳۲۸) یعنی وہ حنبلی صالحین میں سے اور مرجع عوام تھے، انھوں نے امیر یزید کے حسن سیرت اور اوصاف پر مستقل تصنیف کی "وله مصنف فی فضل یزید بن معاویة اتی فیه بالغرائب و العجائب" (البدایة والنهایة ج ۱۲ ص ۳۲۸) (ترجمہ) ''اور ان کی (شیخ عبدالمغیث) کی تصنیف سے فضل یزید ابن

معاویہ پر ایک کتاب ہے جس میں بہت سے عجیب وغریب حالات بیان کیے ہیں'' واوین کے درمیان جو عبارت ہے وہ ''کتاب خلافت معاویہ ویزید'' صفحہ ۵۵،۵۶ کی ہے، اب اصل کتاب کی عبارت ملاحظہ ہو، الشیخ عبدالمغیث بن زهیر الحربی كان من صلحاء الحنابلة و كان يزار وله مصنف فی فضل يزيد بن معاوية اتى فيه بالغرائب و العجائب و قدرد عليه ابوالفرج بن الجوزی فاجاد واصاب (البداية والنهاية ج ۱۲ ص ۳۲۸) شیخ عبدالمغیث بن زہیر الحربی صلحاء حنابلہ میں سے تھے لوگ ان کی زیارت کو آتے تھے اور ان کی (شیخ عبدالمغیث کی) یزید بن معاویہؓ کی خوبیوں کے بارہ میں ایک تصنیف ہے جس میں انھوں نے عجیب وغریب قسم کی باتیں بیان کی ہیں، اس تصنیف کا رد علامہ ابو الفرج بن الجوزی نے کیا ہے، پس انھوں نے اچھا اور صحیح رد کیا (ابوالفرج ابن الجوزی کی کتاب کا نام ہے، الرد على المتعصب العنيد المانع عن ذم يزيد)'' اولاً تو جناب محمود احمد عباسی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے کہ "أتى فيه بالغرائب و العجائب" کا ترجمہ موصوف نے یہ کیا ہے کہ ''بہت سے عجیب وغریب حالات بیان کیے ہیں'' جس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ یزید کے حالات ایسے عمدہ تھے کہ ان کو سن کر تعجب ہوتا ہے، حالاں کہ اہلِ علم جانتے ہیں کہ ایسے مواقع پر "غـرائـب و عجـائـب" کا استعمال اچھے معنی میں نہیں ہوتا ہے، بلکہ غیر مستند ہونے کے معنی میں ہوتا ہے، چنانچہ اس جملے کے معنی یہ ہوئے کہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالمغیث نے جو کتاب یزید بن معاویہ کی فضیلت میں لکھی ہے اس میں غیر مستند باتیں لکھی ہیں، اب غور کیجیے کہ علامہ ابن کثیرؒ اس کتاب کی مدح کر رہے ہیں یا اس کا ضعیف ہونا ثابت کر رہے ہیں، دوسرے فاضل مصنف نے "أتى بالغرائب و العجائب" کے فوراً بعد جو عبارت تھی اسے دانستہ چھوڑ دیا، حالاں کہ وہ عبارت اسی کتاب کے بارے میں تھی جو شیخ عبدالمغیث نے یزید کی فضیلت کے بارے مین لکھی تھی اور اس عبارت میں شیخ

عبدالمغیث کی کتاب کے بارے میں خود علامہ ابن کثیر کی رائے ظاہر ہوتی ہے چنان چہ جو عبارت مکمل درج کی گئی ہے اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں، علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ابوالفرج ابن الجوزی نے شیخ عبدالمغیث کی اس کتاب کا ردّ لکھا ہے جو یزید کی فضیلت میں تھی، اس کے بعد علامہ ابن کثیر ابوالفرج ابن الجوزی کی کتاب کے بارے میں اپنی رائے لکھتے ہیں کہ انھوں نے بہت عمدہ اور صحیح رد کیا ہے' اب غور کیجیے کہ بات کہاں سے کہاں جا پہنچی اس سے یزید کی منقبت ظاہر ہوتی ہے یا تنقیص؟

جناب محمود احمد عباسی نے علامہ ابن کثیر کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر ان پر کیسا بہتان باندھا ہے، حافظ حدیث محدث ابن الجوزی اپنی مذکورہ کتاب میں فرماتے ہیں:

وقد اجاز العلماء الورعون لعنۂ (حاشیہ نمبر ۱ ص ۵۵۳)۔ ترجمہ : اور پرہیز گار علماء نے اس پر (یزید) پر لعنت کو جائز قرار دیا ہے۔

شیخ عبدالمغیث اور علامہ ابن الجوزی دونوں حنبلی ہیں۔

(۲) ایک دوسری عبارت ''خلافت معاویہ و یزید'' کی ملاحظہ ہو، ''خلیفہ ناصر نے امیر یزید کے بارے میں شیخ سے جو سوال کیا اور جو جواب انھوں نے دیا، علامہ موصوف کے الفاظ میں سنیے: فسئله الخليفة أيلعن ام لا فقال لا اسوغ لعنۂ لانی لوفتحت هذا الباب لافضى الناس الى لعن خليفتنا فقال الخليفة ولم؟ قال لانه يفعل منكرة كثيرة منها كذا و كذا ثم شرع يعدّد على الخليفة افعاله القبيحة ممايقع منه المنكر " (البداية والنهاية ج ۱۲ ص ۳۲۸) ترجمہ: خلیفہ نے (شیخ عبدالمغیث سے) سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر لعن کرنے لگ جائیں گے، خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟ شیخ نے کہا کہ وہ بہت سے منکرات پر عمل پیرا ہوئے ہیں جن میں سے یہ اور یہ امور ہیں، انھوں نے خلیفہ کے برے افعال گنانے شروع کیے، جو جو

منکرات سرزد ہوئے تھے۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۵٦)

مذکورہ بالا ترجمہ جناب محمود احمد عباسی نے کیا ہے، اب علامہ ابن کثیر کی عربی عبارت کا صحیح ترجمہ دیکھیے: ''خلیفہ نے (شیخ عبدالمغیث سے) سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں اس پر (یزید پر) لعن کرنے کی اجازت نہیں دوں گا کیونکہ اگر میں (اجازت دے دوں اور) یہ (لعنت کا) دروازہ کھول دوں تو لوگ ہمارے خلیفہ پر لعنت کرنے لگیں گے، خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟ شیخ نے کہا اس لیے کہ وہ (خلیفہ) بہت سے منکرات پر عمل کرتا ہے مثلاً یہ اور یہ امور، پھر شیخ نے خلیفہ کے سامنے ان منکرات کو گننا شروع کر دیا جو خلیفہ سے سرزد ہوتے تھے۔''

جناب محمود احمد صاحب عباسی کے ترجمے کا اور اس ترجمہ کا مقابلہ کیجیے تو حسب ذیل باتیں ملیں گی:

"لا اسوغ لعنه" کا ترجمہ محمود احمد عباسی نے یہ کیا ہے کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں، حالاں کہ ایک معمولی درجہ کا عربی داں بھی جانتا ہے کہ یہ ترجمہ بالکل غلط ہے، اصل ترجمہ یہ ہے کہ ''میں اس پر لعن کرنے کی اجازت نہیں دوں گا'' اور اس اجازت نہ دینے کی وجہ شیخ نے یہ بیان فرمائی کہ ''اگر میں یزید پر لعنت کا دروازہ کھول دوں تو لوگ ہمارے خلیفہ (ناصر) پر لعنت کرنے لگیں گے اور اس سے بغاوت کا چشمہ پھوٹ پڑے گا، پھر خلیفہ نے سوال کیا کہ وہ کیوں؟ تو شیخ نے فرمایا کہ اس لیے کہ خلیفہ فلاں منکرات پر عمل کرتا ہے، اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ یزید جن منکرات پر عمل کرتا تھا خلیفہ ناصر بھی ان ہی منکرات پر عمل کرتا ہے اس لیے اگر ان منکرات کی وجہ سے جن پر یزید عمل کرتا تھا میں یزید پر لعنت کرنے کی اجازت دے دوں تو لوگ خلیفہ ناصر پر بھی لعنت کرنے لگیں گے، اب یہ امر غور طلب ہے کہ آیا اس سے اس کی تعریف نکلتی ہے یا اس کی تنقیص؟ اس سے تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یزید پر لعنت نہ کرنی چاہیے، مگر اس سے یہ بات کیسے ثابت ہوئی کہ یزید منکرات پر عمل نہ کرتا تھا یا مستحق لعنت نہیں تھا

اور بہت پاکباز تھا، بلکہ اس کے خلاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ منکرات پر یقیناً عمل کرتا تھا، اس لیے جن امور کی وجہ سے خلیفہ ناصر یزید کو اپنے ذہن میں مستحق لعنت سمجھتے تھے (جیسا کہ ان کے سوال کرنے سے معلوم ہوتا ہے) وہ خود خلیفہ ناصر میں موجود تھے اسی بنا پر شیخ عبدالمغیثؒ نے منع فرمایا۔

(۳) جناب محمود احمد عباسی نے کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' میں یزید کو ثقہ راوی ثابت کرنے کے لیے حسب ذیل حوالہ نقل فرمایا ہے:

> ''تھذیب التھذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ حدیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبدالملک بن عتبۃ الکوفی، المتوفی سنہ ۱۸۸ھ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ امیر یزید کو احد الثقات یعنی ثقہ راویان حدیث میں شمار کرتے تھے، "مراسیل ابو داؤد" میں ان کی مرویات ہیں''
> ''خلافت معاویہؓ و یزید ص ۴۵''

"تھذیب التھذیب" کا یہ حوالہ نقل کر کے محمود احمد عباسی نے یزید کو ثقہ راوی ثابت کرنے کی جو سعی کی ہے اس میں لوگوں کو بہت زبردست دھوکہ (۱) دیا ہے، ذیل میں تھذیب التھذیب کی پوری عبارت نقل کی جاتی ہے جس میں سے یہ ٹکڑا لیا گیا ہے:

> یزید بن معاویۃؓ بن ابی سفیان بن صخر بن حرب بن امیۃ بن عبدالشمس ابو خالد ولد فی خلافۃ عثمانؓ و عھد الیہ ابوہ بالخلافۃ فبویع سنۃ ستین وابی البیعۃ عبداللہ بن الزبیر و لا ذبمکۃ والحسینؓ بن علیؓ و نھض الی الکوفۃ وارسل ابن عمہ مسلم بن عقیل بن ابی طالب لیبایع لہ بھا فقتلہ عبید اللہ بن زیاد وارسل الجیوش الی الحسینؓ فقتل کما تقدم فی

(۱) قارئین کو ایسے مغالطے دے کر غلط نتائج پر پہنچانا تو شیعوں کی طرح عباسی صاحب کے قلم کا لازمی جز ہے، یاد رکھیے! تحریر و تقریر دونوں میں تلبیس و عدم دیانت، معاندین صحابہؓ (روافض و نواصب) میں قدر مشترک ہے۔ (مرتب)

ترجمته سنة احدى و ستين ثم خرج اهل المدينة على يزيدو
خلعوه فى سنة ثلاث و ستين ارسل اليه مسلم بن عقبة المرى
وامره ان يستبيح المدينة ثلاثة ايام وان يبايعهم على انهم خول
و عبيد ليزيد، فاذا فرغ منها نهض الى مكة لحرب ابن الزبيرؓ
ففعل بها مسلم الافاعيل القبيحة، وقتل بها خلقاً من الصحابةؓ
و ابناء هم وخيار التابعينؒ واوحش القضية الى الغاية، ثم توجه
الىٰ مكة فاخذه الله تعالىٰ قبل وصوله واستخلف على الجيش
حصين ابن نمير السكونى فحاصروا ابن الزبيرؓ و نصبوا على
الكعبة المنجنيق فادى ذلك الى وهى اركانها ووهى بنائها ثم
اُحرقت وفى اثناء افعالهم القبيحة فجائهم الخبر بهلاك يزيد بن
معاوية فرجعوا وكفى الله المؤمنين القتال، وكان هلاكه فى
نصف ربيع الاول سنة اربع و ستين ولم يكمل الاربعين و
اخبارهٔ مستوفاة فى تاريخ دمشق لابن عساكر وليست له رواية
تعتمدو قال يحيىٰ بن عبدالملك بن ابى غنية احد الثقات حد
ثنا نوفل بن ابى عقرب ثقة قال كنت عند عمر بن عبدالعزيز
فذكرو رجل يزيد بن معاويةؓ فقال قال امير المؤمنين يزيد
فقال عمر نقول امير المومنين يزيد و امربه فضرب عشرين
سوطاً، ذكرتهٔ للتمييز بينه، وبين النخعى، ثم وجدت له رواية
فى مراسيل ابى دائود وقد نبهت عليها فى الاستدراك على
الاطراف۔

(٦٩٩ تهذيب التهذيب للحافظ ابن حجر عسقلانى صفحه ٣٦٠،
٣٦١ ج ١١)

یہ پوری عبارت یزید کے بیان میں ہے، کوئی لفظ کم وبیش نہیں ہے۔

ترجمہ : ''یزید بن معاویہؓ بن ابی سفیان بن صخر بن حرب بن امیہ بن عبدالشمس، یزید کی کنیت ابو خالد ہے، حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور حضرت معاویہؓ نے انھیں خلافت کا ولی عہد بنایا، سنہ ۶۰ھ میں یزید کی بیعت کی گئی، حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ بن علیؓ نے بیعت سے انکار کر دیا، عبداللہ بن زبیرؓ ''مکہ'' میں پناہ گزیں ہو گئے اور حضرت حسینؓ ''کوفے'' کے لیے چل کھڑے ہوئے اور اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل ابن ابی طالب کو پہلے ہی روانہ کر دیا، تا کہ ''کوفے'' میں لوگوں سے حضرت حسینؓ کے لیے بیعت لیں، ان کو عبید اللہ بن زیاد نے قتل کر دیا اور حضرت حسینؓ کے لیے فوجیں روانہ کیں حضرت حسین ۶۱ھ میں شہید کر دیے گئے جیسا کہ ان کے حالات میں ذکر کیا جا چکا ہے، پھر ۶۳ھ میں اہل مدینہ نے یزید پر خروج کیا اور اس کی بیعت کو توڑ دیا، تو یزید نے مسلم بن عقبہ المری کی سرکردگی میں اہل ''مدینہ'' پر فوج کشی کرائی اور حکم دیا کہ تین دن تک ''مدینہ'' کو لشکری لوگ (ہر طرح) مباح سمجھیں اور حکم دیا کہ اہل مدینہ سے یزید کے واسطے خادم اور غلام بننے کے لیے بیعت لے اور جب اس سے فارغ ہو جائے تو عبداللہ بن زبیرؓ سے جنگ کرنے کے لیے ''مکہ'' مکرمہ روانہ ہو، چنانچہ حسب الحکم مسلم بن عقبۃ المری نے ''مدینہ'' میں افعال قبیحہ کیے اور صحابہؓ اور ان کی اولاد اور خیار تابعین کی ایک بڑی جماعت کو تہِ تیغ کر ڈالا اور اس واقعہ کو انتہائی برائی تک پہنچایا، چنانچہ قتل و غارت گری اور عصمت دری وغیرہ سب کچھ ''مدینہ منورہ'' میں ہوا، تین روز تک مسجد نبوی میں نماز تک نہ ہوئی، تنہا سعید بن مسیب مسجد نبوی میں دیوانہ بن کر پڑے رہے، ان ایام میں مزار مبارک سے اذان وتکبیر کی آواز آتی تھی، اسی آواز پر وہ تنہا نماز ادا کیا کرتے تھے ورنہ مسجد نبوی میں نہ کوئی اذان دینے والا تھا اور نہ کوئی دوسرا نماز پڑھنے والا (مسند دارمی) پھر مکہ کی طرف روانہ ہوا مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ کر ہلاک ہو گیا اور حصین بن نمیر سکونی کو قائم مقام بنایا گیا، اس لشکر نے مکہ میں ابن زبیرؓ کا محاصرہ کیا اور ''خانہ کعبہ'' پر (پتھر

برسانے کے لیے) منجنیق (بڑے قسم کے گوپیے جن سے پتھر پھینکے جاتے ہیں) نصب کردی اور خوب پتھر برسائے جس کی وجہ سے بیت اللہ کے ستون اور عمارت کمزور ہوگئی، پھر خانہ کعبہ جلا دیا گیا، انہی کرتوتوں کے دوران میں اچانک یزید بن معاویہؓ کے ہلاک ہوجانے کی اطلاع پہنچی (خبر سنتے ہی) لشکر واپس ہوگیا اور اللہ تعالےٰ نے مکہ کے مومنین کو قتال سے بچالیا اور یزید کی ہلاکت ۶۴ھ میں ماہ ربیع الاول کے نصف میں ہوئی وہ عمر کے چالیس سال بھی پورے نہ کرسکا، ابن عساکر کی "تاریخ دمشق" میں اس کے پورے واقعات مذکور ہیں، یزید کی کوئی روایت حدیث قابل اعتماد نہیں ہے، یحییٰ بن عبدالملک بن ابی غنیہ نے جو ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں بیان کیا کہ ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا جو ثقہ ہیں کہ میں امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز کے پاس حاضر تھا، ایک شخص نے یزید بن معاویہؓ کا ذکر کیا اور کہا کہ "امیرالمومنین یزید نے یہ کہا" خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے اور اس شخص کے لیے ۲۰ کوڑے مارنے کا حکم فرمایا، چنانچہ اس کے بیس کوڑے مارے گئے، (حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ) میں نے اس (یزید) کا ذکر یزید بن معاویہ النخعی سے امتیاز پیدا کرنے کے لیے یہاں کیا ہے (ورنہ "صحاح ستہ" کے راویوں میں نہ ہونے کی وجہ سے اس کتاب میں ذکر کیے جانے کے قابل نہیں ہے) "مراسیل ابی داؤد" میں صرف ایک مرسل روایت یزید کی ملی ہے اور میں نے اطراف پر استدراک میں اس مرسل روایت پر تنبیہ کی ہے۔"

اس عبارت کا مقابلہ اس عبارت سے کیجیے جو جناب محمود احمد صاحب عباسی نے پیش فرمائی ہے وہی کتاب ہے وہی صفحہ ہے، مگر دیکھیے کس طرح قطع و برید کر کے یزید کو ثقہ راویوں میں شمار کرنے کی کوشش فرمائی ہے، دونوں عبارتوں کا مقابلہ کرنے کے بعد جناب عباسی صاحب کی حسب ذیل غلطیاں منظر عام پر آجاتی ہیں۔

(الف) "تہذیب التہذیب" حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی تصنیف ہے، جس میں حافظ صاحب موصوف نے صرف ان رجال (راویوں) کا تذکرہ فرمایا ہے جو

''صحاح ستہ'' کے راوی ہیں، لیکن جہاں کہیں دو ناموں میں اشتباہ ہے وہاں اشتباہ دور کرنے کے لیے دوسرے آدمی کا ذکر بھی کر دیتے ہیں، اگر چہ وہ ''صحاح'' کے راویوں میں سے نہ بھی ہو، چنان چہ "تھذیب التھذیب" میں یزید کا جو ذکر ہے وہ اس لیے نہیں ہے کہ یزید ''صحاح ستہ'' کے راویوں میں سے ہے، بلکہ خود حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی زبانی سنیے کہ یزید کا ذکر انھوں نے "تھذیب التھذیب" میں کیوں کیا؟ وہ فرماتے ہیں "ذکرته للتمیز بینه وبین النخعی" یعنی میں نے یزید بن معاویہؓ اموی کا ذکر اپنی کتاب "تھذیب التھذیب" میں یزید بن معاویہ النخعی سے امتیاز پیدا کرنے کے لیے کیا ہے، اب غور فرمایئے کہ جناب محمود احمد عباسی نے حقیقت کو کس طرح چھپایا اور "تھذیب" میں یزید کا نام آ جانے کی وجہ سے اسے رواۃ احادیث میں شمار کر کے لوگوں کو فریب میں مبتلا کر دیا، یہاں نسیان نہیں ہے بلکہ دیدہ دانستہ ایسا کیا گیا۔

(ب) جناب محمود احمد عباسی نے اسی حوالہ میں محدث یحییٰ بن عبدالملک، بن عتبۃ الکوفی کا ایک قول نقل کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ امام ابن حجر عسقلانیؒ نے یہ قول "تھذیب التھذیب" میں نقل کیا ہے، یہ دعویٰ بالکل جھوٹا ہے، یحییٰ بن عبدالملک بن عتبۃ الکوفی کا نام سرے سے "تھذیب التھذیب" میں ہے ہی نہیں، البتہ یحییٰ بن عبدالملک بن ابی غنیۃ الخزاعی ابوزکریا الکوفی کا ذکر بے شک "تھذیب التھذیب" میں ہے، عذر کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتابت وطباعت کی غلطی ہے۔

(ج) جناب عباسی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "تھذیب التھذیب" میں امام ابن حجر عسقلانیؒ نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبدالملک بن عتبۃ الکوفی متوفی ۱۸۸ھ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ امیر یزید کو "احد الثقاۃ" یعنی ثقہ راویان حدیث میں شمار کرتے تھے۔ یہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور محدث یحییٰ بن عبدالملک ابن ابی عتبہ دونوں پر خالص افتراء ہے کہ انھوں نے یزید کو ثقہ کہا ہے بلکہ جو صحیح ترجمہ پیش کیا گیا ہے اس میں ملاحظہ فرمایئے تو صاف معلوم

ہو جائے گا کہ حافظ ابن حجر نے یحییٰ بن عبدالملک بن ابی عتبہ کی سند سے ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے خود یحییٰ بن عبدالملک کو "احد الثقاۃ" (ثقہ راویوں میں سے ایک) کہا ہے اور ان کے شیخ نوفل بن ابی عقرب کو بھی ثقہ کہا ہے تاکہ سند کی صحت میں شبہہ نہ رہے اور ان کی سند سے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا واقعہ نقل کیا ہے کہ "ان کے سامنے کسی شخص نے یزید کو امیر المومنین کہا تھا تو انھوں نے اس کے بیس کوڑے لگوائے"، حالاں کہ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز بھی خاندان بنی امیہ میں سے ہیں جن کا نسب نامہ یہ ہے "عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس القریشی الاموی" یہ "صحاح ستہ" کے راوی ہیں ان کا نسب اور یزید کا نسب امیہ پر جا کر مل جاتا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے "احد الثقات" یحییٰ کی صفت بیان کی تھی، مگر عباسی صاحب نے اسے یزید کے ساتھ چسپاں کر دیا ہے جسے اہل علم عبارت دیکھ کر خود سمجھ سکتے ہیں۔

(د) جناب عباسی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "مراسیل ابو داؤد میں ان کی (یزید کی) مرویات ہیں" مرویات جمع کا صیغہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد روایتیں ہیں، یہ بھی "دھوکا" ہے، مراسیل ابو داؤد میں صرف ایک مرسل روایت یزید کی ہے، جسے امام ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے، اس کو مرویات کے لفظ سے تعبیر کرنا امام ابن حجرؒ پر افترا ہے، جو صحیح ترجمہ پیش کیا گیا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں، اس میں صاف ذکر ہے کہ "مراسیل ابو داؤد میں صرف ایک مرسل روایت یزید کی مجھے ملی" یہ خود حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول ہے، غور فرمایئے کہ کس طرح جناب عباسی صاحب نے دھوکا دینے کی سعی کی ہے، ناظرین کی توجہ ایک اور بات کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں کہ عباسی صاحب نے جس "تهذيب التهذيب" سے ابن حجرؒ اور یحییٰ بن عبدالملک ابن ابی عتبہ کا قول نقل کیا ہے، اسی "تهذيب التهذيب" میں امام ابن حجر عسقلانیؒ نے یزید کے پورے بیان میں ایک لفظ بھی یزید کی مدح کا ذکر نہیں کیا بلکہ ایسے الفاظ استعمال کیے جن سے اس کی منقصت ہی ثابت ہوتی ہے، مثلاً اس کی موت کے لیے لفظ "ہلاک" استعمال

کرنا ساتھ ہی یہ ذکر کرنا کہ اس نے اپنے لشکر کے سردار کو ''مدینہ منورہ'' کی غارتگری کا حکم دیا، حضرت حسینؓ پر فوج کشی کرائی، ''مدینہ منورہ'' کو تین دن تک ہر طرح مباح کر دیا جس کے دوران میں قتل و غارتگری اور عصمت دری کے بے شمار واقعات پیش آئے، ''مکہ معظمہ'' پر چڑھائی کا حکم دیا جس کے نتیجہ میں ''خانہ کعبہ'' کی بنیادیں کمزور ہوگئیں اور پھر ''خانہ کعبہ'' جلا دیا گیا، ان امور کے علاوہ کوئی لفظ بھی یزید کی منقبت میں ذکر نہیں کیا، "تھذیب" کی عبارت کو اہل علم پھر غور سے پڑھیں، نیز حافظ ذہبی نے یزید کے بارے میں جو تحریر فرمایا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیے: یزید بن معاویةؓ بن ابی سفیان الاموی روی عن ابیه وعنه ابنه خالد و عبدالملك بن مروان ، مقدوح فی عدالته لیس باهل ان یروی عنه و قال احمد بن حنبل لا ینبغی ان یروی عنه (میزان الاعتدال صفحه ۳۱۸ ج ۳) ترجمہ: یزید بن معاویہؓ ابن ابی سفیان الاموی اس نے اپنے والد سے روایت کی ہے اور خود اس سے اس کے بیٹے خالد اور عبدالملک بن مروان نے روایت کی ہے اس کا عادل ہونا مجروح ہے یہ اس کا اہل نہیں کہ اس سے روایت کی جائے اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔

عباسی صاحب یزید کی فضیلت بیان کرتے ہوئے "البدایة و النهایة" کی عبارت حسب ذیل پیش فرماتے ہیں:

وکان (ابو ایوبؓ الانصاری) فی جیش یزید بن معاویةؓ والیه اوصی و هو الذی صلی علیه" البدایة والنهایة ص ۵۸ ۔ ج ۸) ترجمہ: ابوایوب انصاریؓ یزید بن معاویہؓ کے لشکر میں شامل تھے، انھوں نے اسی (یزید) کو وصیت کی اور اسی یزید نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی،'' (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۷) اور پھر تحریر فرماتے ہیں ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو امیر یزید کے لشکر میں شامل تھے بشمول حضرت حسینؓ جنازہ کی نماز میں بامامت امیر یزید شرکت کی (خلافت

معاویہ ویزید، ص ۲۷)

"البـدايـة و الـنـهـايـة" کی مذکورہ بالاعبارت ہی کے آخر میں حسب ذیل عبارت بھی ہے (جسے عباسی صاحب نے دیدہ ودانستہ ترک کردیا، تاکہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوجائیں " قـال احـمـد حدثنا اسحٰق بن عيسىٰ قال حدثنى محمد بـن قيـس قـاضـى عـمـر بن عبدالعزيز عن ابى حرمة عن ابى ايوب الانـصـارىؓ انـه قـال حين حضرتهٔ الوفاة قدكنت كتمت عنكم شيئًا سـمـعتـهٔ من رسول الله صلى الله عليه وسلم سمعتهٔ يقول لو لا انكم تـذنبون لخلق الله قوما يذنبون فيغفرلهم وعندى ان هذا الحديث و الـذى قبـلـه حمل يزيد بن معاويةؓ على طرف من الارجاء وركب بسه افعالا كثيرة انـكـرت عـلـيـه كـمـا سنذكره فى ترجمته والله اعلم" (البـدايـه و النهايه ، ص ٥٩ جلد ٨) ترجمہ : حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی سند سے حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں (ابو ایوب انصاریؓ) نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ میں تم سے ایک حدیث چھپائے ہوئے تھا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔

''میں نے آپؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم لوگ گناہ والے نہ ہوتے تو اللہ ضرور ایک ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ والی ہوتی اور اللہ تعالیٰ انھیں بخشتا (اور حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ) میرے نزدیک اس حدیث نے اور اس سے قبل والی حدیث (من مـات لايشـرك بـالله شيئًا جعله الله فى الجنة (بسند امام احمد) نے ہی یزید بن معاویہؓ کو جری کردیا تھا اور اسی وجہ سے اس نے (یزید نے) بہت سے افعال قبیحہ کا ارتکاب کیا جیسا کہ عنقریب ہم اس کے ترجمہ میں ذکر کریں گے۔''

آپ بتائیے کہ علامہ ابن کثیرؒ کی اس پوری عبارت سے یزید کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے یا یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے قبیح افعال کا ارتکاب کیا، یزید نے جو جنازہ کی

نماز پڑھائی وہ بحیثیت امیر لشکر ہونے کے پڑھائی جو قانونِ اسلامی ہے، اس صورت میں فاضل ومفضول کا سوال پیدا نہیں ہوتا، چنانچہ اس کے نظائر تاریخ اسلامی میں موجود ہیں، آنحضرت نے ''غزوۂ موتہ'' میں اپنے غلام حضرت زیدؓ کو امیر لشکر مقرر فرمایا تھا اوران کی ماتحتی میں حضرت جعفر طیارؓ جیسے بڑے بڑے صحابہؓ تھے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اسامہ بن زیدؓ کو لشکر کا سردار بنا کر روانگی کا حکم فرمایا تھا اوران کی ماتحتی میں حضرت عمرؓ جیسے صحابہ موجود تھے۔

(۵) عباسی صاحب موصوف نے یزید کے محاسن ثابت کرنے کے لیے البدایة و النهایة کی حسب ذیل عبارت بھی پیش فرمائی ہے: "وقد كان يزيد فيه خصال محمودة من الكرامة والحلم والفصاحة و الشعر و الشجاعة و حسن الرأى فى الملك وكان ذا جمال حسن المعاشرة" (البداية و النهاية ، ص ۳۳، جلد ۸) اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات، حلم وکرم وفصاحت وشعر گوئی وشجاعت و بہادری کی تھیں، نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے اور معاشرت کی خوبی وعمدگی بھی ان میں تھی (خلافت معاویہؓ و یزید، ص ۴۹)۔ مگر اس عبارت کے فوراً بعد ہی حسب ذیل عبارت تھی جسے عباسی صاحب نے ریسرچ کا پورا حق ادا کرنے کے لیے چھوڑ دیا:

"وكان فيه اقبال على الشهوات و ترك بعض الصلوٰت فى بعض الاوقات و اماتتها فى غالب الاوقات (البداية و النهاية ، ص ۲۳، ج۸)

ترجمہ: ''اور نیز اس میں (یزید) شہوات نفسانیہ میں انہماک اور بعض اوقات بعض نمازوں کا ترک کرنا پایا جاتا ہے اور نمازوں کو بے وقت پڑھنا تو اکثر اوقات رہتا تھا۔''

غور کیجیے کہ عباسی صاحب نے عبارت میں قطع و برید کر کے کس طرح دھوکہ دیا ہے؟ "البداية و النهاية" کی اس عبارت کے موجود ہوتے ہوئے ان اوصاف جنھیں عباسی صاحب نے ذکر کیا ہے، مثلاً حلم وکرم فصاحت وشعر گوئی، شجاعت و بہادری وغیرہ

سے یزید کے متقی و پرہیز گار وثقہ ہونے پر کیسے روشنی پڑسکتی ہے؟ جس کے لیے عباسی صاحب نے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا اور روز روشن میں لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونک دی اور ڈھنڈورا یہ پیٹا جاتا ہے کہ حقیقت پر جو پردے پڑے ہوئے تھے انھیں اس ریسرچ نے چاک کردیا۔

(٦) جناب عباسی صاحب نے عمر بن سعد کے بارے میں "تهذيب التهذيب" کی حسب ذیل عبارت نقل کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ عمر بن سعد کا کردار ایسا ہی بے داغ ثابت ہوتا ہے جیسا ان جیسے ثقہ و بلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جاسکتی ہے۔ (خلافت معاویہؓ و یزید، ص ۲۱۴)

"عمر بن سعد بن ابی وقاص الزهری ابو حفص المدنی سكن الكوفة روى عن ابيه وابى سعيد الخدرى وعنه ابنه ابراهيم وا بن ابنه ابو بكر بن حفص وابو اسحٰق السبيعى و العيزار بن حريث و يزيد بن ابى مريم وقتادة والزهرى و يزيد بن ابى حبيب وغير هم وقال العجلى كان يروى عن ابيه احاديث وروى عنه الناس وهو تابعى ثقة " (تهذيب التهذيب ، ص ٤٥، ج ٧)

ترجمہ : عمر بن سعد ابن ابی وقاص الزہری ابوحفص المدنی ساکن کوفہ انھوں نے اپنے والد سے اور ابوسعید خدری سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے ان کے فرزند ابراہیم اور ان کے پوتے ابوبکر بن حفص اور ابواسحٰق السبیعی اور عیزار بن حریث و یزید بن ابی مریم وقتادہ وزہری و یزید بن حبیب وغیرہ نے روایت کی ہے اور محدث العجلی فرماتے ہیں کہ عمر بن سعد نے اپنے والد سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے اور خود ثقہ تابعی تھے۔" (خلافت معاویہؓ و یزید، ص ۲۱۴، ۲۱۵)

"تہذیب التہذیب" ہی میں مذکورہ بالا عبارت کے فوراً بعد یہ عبارت ہے جسے

جناب عباسی نے نہایت دیدہ دلیری سے نظر انداز کردیا،" وھو الذی قتل الحسینؓ "یعنی یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت حسینؓ کو قتل کیا، ظاہر عبارت سے صاف ثابت ہے کہ یہ قول "وھو الذی قتل الحسینؓ" محدث العجلی کا ہے جس کو عباسی صاحب نے نظر انداز کردیا ہے، یہ ہے وہ زبردست ریسرچ! اس کے آگے کی عبارت ہے، "و ذکر ابن ابی خیثمة بسندلهٔ ان ابن زیاد بعث عمر بن سعد علی جیش لقتال الحسین وبعث شمر بن ذی الجوشن وقالهٔ اذھب معه فان قتله والا فاقتله وانت علی الناس وقال ابن ابی خیثمة عن ابن معین کیف یکون من قتل الحسین ثقةً قال عمر و بن علی سمعت یحییٰ بن سعید یقول ثنا اسمٰعیل ثنا العیزار عن عمر بن سعد فقال له موسی رجل من بنی ضبیعة یا ابا سعید ھذا قاتل الحسینؓ فسکت فقال له عن قاتل الحسینؓ تحدثنا فسکت وروی ابن خراش عن عمر و ابن علی نحوذ الك، فقال لهٔ رجل اماتخاف الله تروی عن عمر بن سعد فبکیٰ وقال لااعود " (تھذیب التھذیب ، ص ٤٥١ ج ۷)

ترجمہ : "ابن ابی خیثمہ نے اپنی سند سے بیان کیا کہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو ایک لشکر کی قیادت سپرد کر کے حضرت حسینؓ سے قتال کے لیے بھیجا اور شمر بن ذی الجوشن سے کہا کہ تم بھی ان کے ساتھ جاؤ اگر یہ (حضرت حسینؓ کو) قتل کریں تو (فبہا) ورنہ تم ان کو قتل کردینا اور تم لوگوں پر امیر ہوگے اور ابن ابی خیثمہ نے ابن معین سے روایت کی ہے کہ ابن معین نے فرمایا کہ وہ شخص کیسے ثقہ ہوسکتا ہے جس نے حضرت حسینؓ کو قتل کیا، عمرو بن علی نے کہا کہ میں نے یحییٰ ابن عمر بن سعد سے سنا کہ ہم سے اسمٰعیل نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہم سے عیزار نے عمر بن سعد سے روایت کی (اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ) ان سے بنی ضبیعہ قبیلے کے ایک شخص موسیٰ نے کہا کہ اے ابوسعید! یہ تو قاتل حسینؓ ہیں، پس وہ خاموش ہوگئے، پھر ان سے کہا کہ تم ہم سے قاتل حسینؓ کی

روایت کرتے ہو؟ پھر بھی وہ خاموش رہے اور ابن خراش نے بھی عمرو بن علی سے اس جیسی روایت کی ہے اور یہ بھی بیان کیا کہ اس شخص نے کہا کہ تم اللہ سے نہیں ڈرتے ؟ عمر بن سعد سے روایت کرتے ہو، اس پر وہ رو پڑے اور فرمایا کہ میں اب دوبارہ ان سے (عمر بن سعد) سے روایت نہ کروں گا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ یحییٰ ابن معین اور سعید ابن القطان، ابن ابی خیثمہ اور قبیلہ بنی ضبیعہ کے موسیٰ وغیرہ جو ائمہ رجال حدیث ہیں عمر بن سعد کو ثقہ نہیں سمجھتے تھے، ان کے مقابلہ میں تنہا العجلی کے قول کو نقل کر دینا ریسرچ کے پردے کو چاک کر دیتا ہے، یحییٰ بن معین جیسے امام الجرح و التعدیل کے مقابلہ میں محدث عجلی کا قول کوئی زیادہ وزن نہیں رکھتا، عیزار بن حریث وہی شخص ہے جن کو "تہذیب" میں عمر بن سعد کے شاگردوں میں ذکر کیا گیا ہے جس کی تصریح خود عباسی صاحب نے کی ہے، ان ہی عیزار سے ''تہذیب'' کے اسی صفحہ میں محدث موسیٰ کہہ رہے ہیں کہ قاتل حسینؓ سے ہمارے سامنے روایت بیان کرتے ہو؟ جس پر عیزار بن حریث نے معذرت کی کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا اور یہی روایت بواسطة شعبة عن ابی اسحاق عن العیزار کی سند سے "میزان الاعتدال" ص ۲۵۸ میں موجود ہے۔ فقط

عقائد اہل سنت

صحابۂ کرام وخلفائے راشدین کے متعلق ضروری عقائد

از امام اہل سنت علامہ محمد عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ

عقیدہ نمبر۱ : رسول خدا ﷺ کی صحبت بہت بڑی چیز ہے، اس امت میں صحابۂ کرام کا رتبہ سب سے بڑا ہے۔ ایک لحہ کے لیے بھی جس کو رسول خدا ﷺ کی صحبت حاصل ہوگئی، مابعد والوں میں بڑے سے بڑا بھی اس کے برابر نہیں ہوسکتا۔

فائدہ : صحابۂ کرام کی تعداد ''غزوۂ بدر'' میں تین سو چودہ تھی اور حدیبیہ میں پندرہ سو ''فتح مکہ'' میں دس ہزار، ''حنین'' میں بارہ ہزار، ''حجۃ الوداع'' یعنی آنحضرت ﷺ کے آخری حج میں چالیس ہزار، ''غزوۂ تبوک'' میں ستر ہزار بوقت وفات نبویؐ ایک لاکھ چوبیس ہزار اور جن صحابۂ کرام سے کتب حدیث میں روایات منقول ہیں، ان کی تعداد ''ساڑھے سات ہزار'' ہے۔

عقیدہ نمبر۲ : صحابۂ کرام میں ''مہاجرین وانصار'' کا مرتبہ باقی صحابہ سے زیادہ ہے اور مہاجرین وانصار سے اہل حدیبیہ کا مرتبہ سب سے بڑھ کر ہے اور اہل حدیبیہ میں اہل بدر اور اہل بدر میں چاروں خلفاء کا رتبہ سب سے زیادہ ہے اور چاروں خلفاء میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا پھر حضرت عمر فاروقؓ کا مرتبہ سب سے فائق ہے۔

فائدہ : ''مہاجرین'' ان صحابۂ کرام کو کہتے ہیں، جنھوں نے خدا اور رسولؐ کے لیے اپنے وطن مکہ معظمہ کو چھوڑ دیا۔ جن کی مجموعی تعداد ایک سو چودہ تھی اور ''انصار'' ان صحابۂ کرام کو کہتے ہیں جو مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے اور انھوں نے آنحضرت کو اور مہاجرین کو اپنے شہر میں جگہ دی اور ہر طرح مدد کی۔

عقیدہ نمبر ۳ : چاروں خلفاء کا افضل امت ہونا خلافت کی وجہ سے نہیں ہے، اگر بالفرض بجائے ان کے دوسرے حضرات خلافت کے لیے منتخب ہو جاتے تو بھی یہ حضرات افضل امت مانے جاتے۔

عقیدہ نمبر ۴ : خلیفہ رسول مثل رسول کے معصوم نہیں ہوتا، نہ اس کی اطاعت ہر کام میں مثل رسول کی اطاعت کے واجب ہوتی ہے، بالفرض کوئی خلیفہ سہواً یا عمداً کوئی حکم شریعت کے خلاف دے تو اس حکم میں اس کی اطاعت نہ کی جائے گی۔ ''عصمت'' خاصۂ نبوت ہے، آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کو معصوم ماننا عقیدۂ نبوت کے خلاف ہے۔

عقیدہ نمبر ۵ : خلیفۂ رسول کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ دین میں نئے احکام دے، نہ اس کو کسی چیز کے حلال و حرام کرنے کا اختیار ہوتا ہے، بلکہ اس کا صرف یہ کام ہے کہ قرآن و حدیث پر لوگوں کو عمل کرائے، احکام شرعیہ کو نافذ کرے اور انتظامی امور کو سرانجام دے۔

عقیدہ نمبر ۶ : خلیفۂ رسول کا مقرر کرنا خدا کے ذمہ نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے ذمہ ہے، جس طرح امام نماز کا مقرر کرنا مقتدیوں کے ذمہ ہوتا ہے۔

فائدہ : اہل سنت والجماعت جو ''خلفائے راشدین'' کی خلافت کو من جانب اللہ مانتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چاروں خلفاء مہاجرین میں سے ہیں اور مہاجرین میں اہلیتِ خلافت کا ہونا اور جو ان میں سے خلیفہ ہو جائے اس کی خلافت کا پسندیدۂ خدا ہونا قرآن مجید میں وارد ہو چکا ہے (دیکھیے ہمارا رسالہ تفسیر آیت تمکین)

اور حضرت ابو بکر صدیق یا تینوں خلفاء کی خلافت کو منصوص کہنا بایں معنی نہیں ہے کہ خدا یا رسول نے ان کو خلیفہ کر دیا تھا بلکہ بایں معنی ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو خلافت دینے کا وعدہ فرمایا اور خلیفۂ موعود کے متعلق کچھ علامات اور کچھ پیشین گوئیاں ارشاد فرمائیں، جو ان تینوں خلفاء میں پائی گئیں اور ان تینوں خلافتوں کے نہ ماننے کے بعد ان آیتوں کے صادق ہونے کی کوئی صورت ممکن نہیں علیٰ ہذا احادیث

نبویہ میں بھی ان تینوں خلفاء کے متعلق پیش گوئیاں بہت ہیں اور حضرت صدیقؓ کے متعلق تو ان پیشین گوئیوں وغیرہ کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ان کو اپنی آخری بیماری میں اپنی جگہ پر امام نماز بنا دیا تھا۔

عقیدہ نمبر ۷ : رسول خدا ﷺ کی ازواج مطہرات گیارہ تھیں، حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ بنت خزیمہ ان دونوں کی وفات آپؐ کے سامنے ہی ہوگئی، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت زینبؓ بنت جحش حضرت ام سلمہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت سودہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت جویریہؓ سب بیبیاں خدا اور رسول کی برگزیدہ اور تمام ایمان والوں کی ماں ہیں اور سارے جہان کی ایمان والی عورتوں سے افضل ہیں، ان میں بھی حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ کا رتبہ زیادہ ہے۔

عقیدہ نمبر ۸ : رسولِ خدا ﷺ کی صاحب زادیاں چار تھیں، حضرت زینبؓ جن کا نکاح حضرت ابوالعاصؓ سے ہوا، حضرت ام کلثومؓ و رقیہؓ ان دونوں کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے ساتھ ہوا، حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ ہوا، یہ چاروں صاحب زادیاں بڑی برگزیدہ اور صاحب فضائل تھیں اور ان چاروں میں حضرت فاطمہؓ کا رتبہ سب سے زیادہ ہے، وہ اپنی ماؤں کے سوا سب جنتی بیبیوں کی سردار ہیں۔

فائدہ : رسول خدا ﷺ کی صرف ایک بیٹی حضرت فاطمہؓ زہرا کو کہنا نص قرآنی (۱) کے خلاف ہے۔

عقیدہ نمبر ۹ : آنحضرت ﷺ کے دس چچاؤں میں سے صرف حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ ایمان لائے تھے، ان دونوں کے فضائل بہت زیادہ ہیں اور حضرت حمزہؓ کا مرتبہ خصوصیت کے ساتھ زیادہ ہے، ان کو رسولِ خدا ﷺ نے ''سید الشہداء'' (۲) کا

---

(۱) قولہ تعالیٰ: یٰاَیُّھَا النبی قل لازواجك و بناتك (ترجمہ) اے نبی اپنی بیبیوں اور بیٹیوں سے کہہ دیجیے جمع کا صیغہ ارشاد فرمایا جو عربی زبان میں تین سے کم پر نہیں بولا جاتا۔

(۲) بعض لوگ ناواقفیت یا بے توجہی سے سیدنا حسین بن علیؓ کو سید الشہداء کہہ دیتے ہیں حالاں کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی خاص لقب جس کسی کو دیا ہو وہ اسی کے ساتھ مخصوص رہنا چاہیے۔

خطاب دیا تھا، جبکہ وہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے اور آپؐ کی پانچ پھوپیوں میں سے صرف حضرت صفیہؓ مشرف باسلام ہوئیں۔

عقیدہ نمبر ۱۰ : مہاجرین وانصار بالخصوص اہل حدیبیہ میں باہم رنجش وعداوت بیان کرنا افتراء اور بے دینی ہے۔ قرآن مجید کی نصوص (۱) صریحہ کے خلاف ہے۔

عقیدہ نمبر ۱۱ : صحابۂ کرام کے مشاجرات یعنی ان کے باہمی جھگڑوں کا بیان کرنا حرام ہے مگر بضرورت شرعی و بہ نیت نیک اور جن صحابۂ کرام میں باہم کوئی جھگڑا ہوا تو ہمیں دونوں فریق سے حسنِ ظن رکھنا اور دونوں کا ادب رکھنا لازم ہے جس طرح دو (۲) پیغمبروں کے درمیان اگر کوئی بات اس قسم کی ہو جائے تو ہم کسی کو برا نہیں کہہ سکتے، بلکہ دونوں پر ایمان لانا نص قرآنی سے ہم پر فرض ہے۔

فائدہ : حضرت علی مرتضیٰؓ کو اپنے زمانہ خلافت میں دو خانہ جنگیاں پیش آئیں۔

اوّل: ''جنگِ جمل''، جس میں ایک جانب حضرت علی مرتضیٰؓ تھے اور دوسری جانب ام المومنین حضرت عائشہؓ تھیں اور ان کے ساتھ حضرت طلحہؓ وحضرت زبیرؓ تھے جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، دونوں جانب اکابر صحابہ تھے، مگر یہ لڑائی دھوکہ میں چند مفسدوں کی حیلہ سازی سے پیش آ گئی ورنہ ان میں باہم نہ رنجش تھی نہ آپس میں لڑنا چاہتے تھے۔

مفسدوں کی فتنہ پردازی ہوئی
باعث خونریزی ''جنگِ جمل''
ورنہ شیرِ حق سے طلحہؓ اور زبیرؓ
چاہتے ہر گز نہ تھے جنگ و جدل

---

(۱) اہل حدیبیہ کے حق میں ارشاد خداوندی ہے کہ رحماء بینھم یعنی وہ باہم مہربان ہیں اور عموماً مہاجرین وانصار کے حق میں ہے کہ ھو الذی الف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا (یعنی اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی پس خدا کے فضل سے تم بھائی بھائی ہو گئے۔

(۲) مثلاً حضرت موسیٰؑ اور ہارون علیہما السّلام کے درمیان ایک ایسی بات ہو گئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارونؑ کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچے اس واقعہ کا ذکر قرآن شریف میں ہے مگر ہمارے لیے دونوں واجب التعظیم ہیں نصِ قرآنی ہے کہ لانفرق بین احد من رسله یعنی خدا کے رسولوں میں ہم تفرقہ نہیں کرتے۔

اس لڑائی میں ہر فریق سے دوسرے کے فضائل منقول ہیں جیسا کہ اسی کتاب میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے تذکرہ میں ان شاء اللہ بیان ہوگا۔

دوم: ''جنگ صفین''، جس میں ایک جانب حضرت علیؓ اور دوسری طرف حضرت معاویہؓ تھے، اس لڑائی کے متعلق اہل سنت کا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ خلیفۂ برحق تھے اور حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھ والے باغی اور خاطی، مگر اس خطا پر ان کو بُرا کہنا جائز نہیں، کیونکہ وہ بھی صحابی ہیں صاحب فضائل ہیں اور ان کی یہ خطا غلط فہمی کی وجہ سے تھی اور غلط فہمی کے اسباب موجود تھے، ایسی خطا کو خطائے اجتہادی کہتے ہیں جس پر عقلاً و شرعاً کسی طرح مواخذہ نہیں ہوسکتا۔

حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی ''ازالۃ الخفاء'' میں فرماتے ہیں:

باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیانؓ یکے از اصحاب آنحضرت بود ﷺ و صاحب فضیلت جلیلہ در زمرۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم زینہار در حق او سوء ظن نکنی و زبد گوئی مرتکب جرائم نشوی۔

جاننا چاہیے کہ معاویہ بن ابی سفیانؓ آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی تھے، اور زمرۂ صحابہ میں بڑی فضیلت والے تھے، خبردار ان کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور ان کی بدگوئی میں پڑ کر فعل جرائم کے مرتکب نہ بننا۔

حضرت معاویہؓ ابتداءً تو باغی تھے مگر حسن بن علیؓ کی صلح اور بیعت کے بعد بلاشبہ وہ خلیفۂ برحق ہوگئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہماری کتاب ترجمہ ''تطہیر الجنان'' کو دیکھنا چاہیے، کہ وہ اس مرض کے لیے ان شاء اللہ تعالیٰ شفائے کامل ہے۔

عقیدہ نمبر ۱۲ : صحابہ کرام خصوصاً ''مہاجرین وانصار'' سے بدگمانی رکھنا، ان کو برا کہنا قرآن مجید کی صریح مخالفت اور شریعت الہیہ کی کھلی ہوئی بغاوت ہے ایسے شخص کے حق میں کفر کا اندیشہ ہے۔

فائدہ : فرقۂ روافض جو تمام صحابۂ کرام حتیٰ کہ مہاجرین وانصار کی بدگوئی کرتا ہے اور

ہجرت ونصرت کوفضیلت کی چیز نہیں کہتا گو یہ صریح (۱) خلاف ورزی قرآن مجید ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور دلائل نبوت مشکوک (۲) ہو جائیں، لیکن اس بناء پر اس کو کافر کہنا خلاف احتیاط ہے، اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ جب تک ضروریات دین کا صریح انکار نہ ہو اس وقت تک کسی کلمہ گو کو کافر کہنا نہ چاہیے امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لا نکفّر احد امن اهل القبلة یعنی ہم اہل قبلہ (۳) میں سے کسی کو کافر نہیں کہتے۔

روافض کا کفر اس بنیاد پر قطعی ہے کہ وہ قرآن مجید کی تحریف (۴) کے قائل ہیں اور معاذ اللہ اس کو اصلی قرآن نہیں مانتے۔

یہ بارہ عقیدے جو بیان کیے گئے اہل سنت والجماعت کے لیے نہایت ضروری ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر عقیدے، وہ ہیں جن کا قرآن مجید ماخذ ہے حق تعالیٰ ہم سب کو ان پاک عقائد پر استقامت عطا فرمائے آمین۔

---

(۱) ہمارا رسالہ ''تفسیر آیات مدح مہاجرین'' دیکھو، جس میں دس آیات قرآنیہ کی تفسیر ہے اس سے معلوم ہوگا کہ قرآن شریف میں کیسے عظیم الشان فضائل صحابہ کے ہیں اور کس صراحت کے ساتھ ہیں۔

(۲) قرآن شریف کے کتاب اللہ ہونے اور آنحضرت ﷺ کی نبوت اور دلائل نبوت کے چشم دید گواہ صحابہ کرام خصوصاً مہاجرین وانصار ہیں، انہی نے اور ان کے تابعین نے تمام دنیا کے سامنے اس بات کی عینی شہادت دی ہے کہ یہ قرآن وہی کتاب ہے جس کو آنحضرت ﷺ کتاب اللہ فرماتے تھے اور یہ کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے اعلانِ نبوت کو اپنے کانوں سے سنا اور آپ کے معجزات ودلائل نبوت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور یہ ظاہر ہے کہ جب کسی واقعہ کے چشم دید گواہ مجروح کر دیے جائیں تو وہ واقعہ مشکوک بلکہ واجب التکذیب ہو جاتا ہے۔

(۳) اہل قبلہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قبلہ یعنی کعبہ کی طرف منھ کر کے نماز پڑھے، یا کعبہ کا قبلہ ہونا مان لے یہ بات تو کفار مکہ میں بھی موجود تھی، بلکہ اہل قبلہ کا مطلب یہ ہے کہ اس قبلہ کی جو ملت ہے اس ملت کی تمام ضروریات کو مانتا ہو یہی ملا علی قاری مکی نے ''شرح فقہ اکبر میں'' تصریح فرمائی ہے۔

(۴) ہماری کتاب ''تنبیه الحائرین'' اور ''اول من المأتین'' دیکھیے، اس میں مسئلہ مفصل ملے گا کہ کتب شیعہ میں زائد از دو ہزار روایات تحریف قرآن کی ہیں اور کوئی شیعہ آج تک منکر تحریف نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے، گنتی کے چار شخص ان میں منکر تحریف کہے جاتے ہیں، مگر ان کا انکار از راہ تقیہ ہے۔

حضرت علی نے بیعت صدیقیہ میں چھ ماہ توقف کیوں کیا!؟

رشحات قلم حق رقم امام اہل سنت حجۃ الاسلام حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد عبدالشکور صاحب فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

آج سے تقریباً تیس سال پہلے ''کانپور'' سے حجۃ اللہ فی الارض حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک سوال آیا تھا، جس میں سائل نے دریافت کیا تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ نے چھ مہینے تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کیوں نہیں کی تھی اور بعد چھ مہینے کے کیوں کی، جس کا جواب اسی زمانہ میں حضرت ممدوح نے ارقام فرمایا تھا، چونکہ ناواقفوں کو بہکانے کے لیے اکثر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے لہذا آج ہم اس سوال کو مع حضرت ممدوح کے جواب کے پیش کر رہے ہیں۔ مدیر(۱)

سوال(۲)

حامداً و مصلیاً مسلما

ایک کتاب جس کا نام "مجمع البحرین فی اَدلة الفریقین" مجھ کو مستعار ملی ہے، پیش کر کے امیدوار ہوں کہ صفحہ ۳۲ سطر ۱۵ پر اس کتاب کے، ایک روایت ''صحیح مسلم'' کی درج ہے اور اسی کے متعلق چند باتیں مجھ کو دریافت طلب ہیں، سب سے پہلے یہ پوچھنا ہے کہ یہ روایت واقعی لفظاً لفظاً صحیح ہے اور اس میں کوئی ردّو بدل تو

---

(۱) الداعی جلد ۳ نمبر ۵ بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۹ ۱۳۵ھ

(۲) کاش کہ قارئین کرام تحقیق و بصیرت سے ملبب مضمون ہذا کو بغور پڑھیں اور پڑھوائیں، پیروان عباسی ملک کے کونے کونے میں پہنچ کر صحابہؓ کے محبوب قائد (علی مرتضیٰ) کا صحابۂ کرام سے رشتہ کاٹ کر اور آپ کو خلفاء ثلاثہ (ابوبکرؓ، عمرؓ و عثمانؓ) کا حریف و مخالف باور کرا کر اہل سنت کو گمراہ اور شیعوں کے دل باغ باغ کر رہے ہیں، اسی لیے شیعہ جس قدر بھی ان حضرات کی بقاء و کامیابی کی دعائیں مانگیں کم ہے۔ (مرتب)

نہیں ہے۔ اگر لفظاً لفظاً صحیح ہے اور کچھ ردّ و بدل نہیں ہے تب امورات ذیل خالصاً للہ بغرض رفع شکوک جو مجھ کو بوجہ اپنی کم علمی کے پیدا ہو گئے ہیں۔ دریافت طلب ہیں۔

۱۔ یہ کہ چھ مہینہ تک حضرت علیؓ نے کیوں بیعت حضرت ابو بکر صدیقؓ کی نہیں کی اور بعد چھ مہینے کے کیوں کی، آیا اس وجہ سے کہ چھ مہینے تک آپ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت میں شک و کلام رہا اور بعدہ وہ شک رفع ہو گیا اور آپ نے بیعت کر لی۔

۲۔ شک کی وجہ یا چھ ماہ تک بیعت نہ کرنے کی وجہ کیا تھی، کیا ان جملہ اقوال و احادیث رسولؐ خدا سے جن سے ہمارے علماء کرام ہم کو سمجھاتے ہیں کہ خلافت، حضرت ابو بکر صدیقؓ کی برحق و جائز تھی، اس وقت حضرت علیؓ کے پیش نظر نہیں تھے اگر نہیں تھے تو کیوں پیش نہیں کیے گئے اور اگر پیش کیے گئے تو آیا حضرت علیؓ نے چھ مہینے تک ان اقوال و احادیث کے وہ معنی نہیں نکالے جو ہمارے علماء کرام جو اس وقت زندہ موجود ہیں نکالتے ہیں، یا یہ کہ باوصف وہی معنی نکالنے کے نعوذ باللہ حضرت علیؓ مبتلائے نفسانیت ہو کر اپنے دعوی پر مصر رہے۔

۳۔ یہ کہ بعد خلافت اولیٰ کے تمام ہو جانے کے یعنی بعد وصال حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پھر دوبارہ دعویٰ حضرت علیؓ نے کیا تھا اور پھر ان کو ناکامیابی ہوئی، تو آیا اس دوسری دفعہ بھی حضرت علیؓ سے غلطی ہوئی یعنی اول دفعہ تو چھ مہینے تک غلطی میں رہے اور دوسری مرتبہ پھر غلطی سے مدعی خلافت کے ہوئے، اس سب کی وجہ کیا ہے۔

۴۔ اسی حدیث میں جو کتاب مذکور میں درج ہے صفحہ ۳۳ سطر اول میں یہ مضمون درج ہے کہ بعد وفات جناب سیدہؓ (جو چھ ماہ تک بعد وصال جناب رسالت مآب کے زندہ رہیں) حضرت علیؓ نے پیغام مصالحت و گفتگوئے بیعت کے واسطے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بلوا بھیجا اور کہلایا کہ آپ کسی شخص کو اپنے ہمراہ نہ لائیں اور مجھ کو حضرت عمرؓ کی حاضری سے کراہت ہے یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ جب ان خلفاء

اربعہؓ میں باہم اتفاق واتحاد تھا تو کراہت حضرت عمرؓ کی حاضری سے کیا مراد ہے۔

یہ بات عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مسئلہ مجھکو خالصۃً للہ بغرض رفع شکوک کے دریافت کرنا پڑا ہے، تحقیقاً پوچھا جاتا ہے نہ کہ اعتراضاً جو صاحب اعتراض سمجھیں (حاشا کہ ایسا کبھی میرا مقصود نہیں ہے) وہ جواب نہ تحریر فرمائیں اور جن کے نزدیک یہ بات میری طرف سے محض بغرض تحقیق کے سمجھی جائے وہ براہِ کرم مختصراً جواب سے میری شفاء فرمادیں اور عنداللہ ماجور ہوں، مجھ کو بہت سے مسائل میں شبہات ہو گئے تھے لیکن بفضلہ و بمنہ تعالی وہ سب دفع ہو گئے، صرف مسئلہ خلافت میں علماء کرام سے تحقیق مراد ہے، میرے دوستوں کو ازراہِ ہمدردی اور شفقت کے میری نسبت گمان شیعہ ہو جانے کا ہو گیا اور انھوں نے بتقاضائے ہمدردی اسلامی کے مجھ سے اس بارہ میں خود گفتگو کی، ان سب صاحبان سے میں نے عرض کر دیا کہ مجھ کو صرف تحقیق دینی مراد ہے کہ اول مجھ کو اطمینان قلبی اس بارہ میں حاصل ہو جائے۔ دوسرے فریق مخالف کے مقابلہ میں اس کے اعتراضات کو دفع کر سکوں، یہ سچا حال ہے جو اوپر لکھا گیا، والسّلام۔

الجواب واللہ الموفق للصواب

عبارت سوال منسلکۂ ہذا کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ سائل کو مسئلہ خلافت کی تحقیق مطلوب ہے۔ جیسا کہ خود سائل نے اپنی تحریر کے آخر میں اس کو ظاہر کیا ہے، یہ بات تو اچھی اور قابل خوش ہونے کے ہے کہ سائل نے خلافیاتِ فریقین کے ایک عمدہ مسئلہ کو منتخب کیا، مگر ساتھ ہی یہ امر قابل افسوس ہے کہ سائل نے طریقۂ تحقیق اچھا نہیں اختیار کیا۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ادلّہ شرعیہ کے طبقات اور ان کے مدارج سے سائل کو واقف ہونا چاہیئے اور یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ تمام ادلّۂ شرعیہ میں قرآن کریم کا رتبہ سب سے فائق ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ سائل نے پہلے قرآن کی طرف رجوع نہ کیا،

قرآن کی متعدد آیتیں مسئلہ خلافت کا قطعی فیصلہ کر رہی ہیں اور خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کے امام برحق وخلیفہ راشد ہونے پر دلالت کرتی ہیں، اگر ایسی قوی دلالت کسی نص شرعی میں کسی شخص کے نبی و رسول ہونے پر ہوتی، تو لوگ اس پر ایمان لانے کے مکلف ہوجاتے اور ایمان نہ لانے والے خلود جہنم کے مستحق ہوجاتے، ان آیات کی دلالت بالکل مشابہ اُس دلالت کے ہے جو''توریت'' و''انجیل'' کی نصوص میں نبی امی ﷺ کی نبوت ورسالت کے متعلق ہے، جس کو حق تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ پر نیز کفار قریش پر حجت قرار دیا ہے، قولہ تعالیٰ: يعرفونه كما يعرفون ابناء هم اور فلما جاء هم ماعرفوا اور يجدونه مكتوبا عندهم فى التوراة والانجيل اور اولم يكن لهم اٰية ان يعلمه علماء بنى اسرائيل۔

دوسری بات یہ ہے کہ عند الفریقین یہ امر مُسلّم ہے اور عقلِ سلیم بھی اس کو چاہتی ہے کہ عقائد کی بنا''اخبار آحاد'' پر نہ رکھی جائے، چہ جائیکہ کسی''خبر واحد'' کے خاص الفاظ پر کوئی بنیاد قائم کی جائے، کیونکہ''اخبار آحاد'' ظنی ہوتی ہیں ان سے یقینی نتیجہ حاصل نہیں ہوسکتا اور عقائد کی بنا یقینیات پر ہونی چاہیے، ہاں''اخبار احاد'' سے اعمال کے متعلق مسائل اخذ کیے جاتے ہیں، وہ بھی بہ پابندی ان قواعد کے جو کتب اصول میں مذکور ہیں، سائل کو یہ بات معلوم رہنی چاہیے کہ احادیث کی (بلحاظ) ان کے راویوں کے شمار کے (اعتبار سے) دو قسمیں ہیں۔''متواتر'' اور''آحاد''۔

''متواتر'' اس حدیث کو کہتے ہیں، جس کے راوی ہر زمانہ میں اس قدر ہوں کہ ان سب کے جھوٹ پر متفق ہوجانے کو عقل محال سمجھے اور''احاد'' اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راوی اس قدر نہ ہوں۔

''متواتر'' کی پھر دو قسمیں ہیں،''متواتر لفظی'' اور''متواتر معنوی''۔

''متواتر لفظی'' وہ ہے کہ جس کی روایات میں باہم الفاظ کا بھی فرق نہ ہو اور ''متواتر معنوی'' وہ ہے جس کی روایات میں الفاظ تو متغائر ہوں مگر معنی کا فرق نہ ہو،

''حدیث متواتر'' بے شک یقینی چیز ہے مگر متواتر لفظی کا تو وجود ہی نہیں، ''متواتر معنوی'' البتہ ہیں تو ان میں بھی صرف مضمون مشترک یقینی ہے، باقی رہی خصوصیت الفاظ کی، وہ ظنی ہے اور اخبار احاد میں تو لفظ و معنی دونوں ظنی ہیں، ''اخبار آحاد'' کی معراج یہ ہے کہ ان میں احتمال راوی کے کذب وغیرہ کا کمزور ہو گیا ہو اسی کو ''صحیح'' کہتے ہیں، صحیح کی پھر تین قسمیں ہیں ''مشہور'' جس کے راوی کسی طبقہ میں تین سے کم نہ ہوں، ''عزیز'' جس کے راوی دو سے کم نہ ہوں، ''غریب'' جس میں یہ بھی نہ ہو۔

ان دونوں باتوں کے ذہن نشین کر لینے کے بعد اگر بالفرض سائل کو اپنے سوالات کے جوابات بالکل مذہب شیعہ کے موافق ملیں تو بھی کوئی نتیجہ نہ نکالنا چاہیے کیونکہ ان سوالات کی بنا ہی ایک ایسی چیز پر ہے جس سے کوئی یقینی نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کی حدیث محولہ اخبار احاد اور اخبار احاد کی بھی ادنیٰ قسم ''غریب'' میں داخل ہے، سوائے حضرت عائشہؓ کے کوئی دوسرا اصحابی اور سوائے حضرت عروہ کے کوئی دوسرا تابعی اس مضمون کا ناقل نہیں ہے، لہٰذا چنداں ضرورت نہ تھی کہ سائل کے سوالات کے جوابات دیے جائیں مگر تبرعاً ہر سوال کا جواب بترتیب درج ذیل ہے۔

(۱) روایت ''صحیح مسلم'' کی واقعی صحیح ہے، روایت کے صحیح ہونے کا مطلب اوپر بیان ہو چکا کہ اس میں احتمال راوی کے کذب وغیرہ کا کمزور ہو گیا ہے خصوصاً ''صحیحین'' کی حدیث میں یہ احتمال بہت ہی کمزور ہے، الفاظ کی صحت بھی بایں معنی مُسلّم ہے کہ الفاظ کا تغیر و تبدل اس حد تک نہ ہوا ہو گا کہ اصل مطلب میں خلل انداز ہو، روایت بالمعنی کا سلسلہ برابر جاری ہے اس لیے الفاظ کی صحت بایں معنی کہ کسی قسم کا تغیر ہوا ہی نہیں غیر مُسلّم ہے، یہ بات شیعہ سنی دونوں کے یہاں مشترک ہے۔

(۲) اگر چہ چھ مہینے تک حضرت علیؓ کا بیعت نہ کرنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ مابعد میں مذکور ہوگا، لیکن اگر مان لیا جائے تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ بعض ضروریات میں اشتغال کے سبب سے موقع بیعت کا نہ ملا ہو جیسا کہ علماء نے ذکر کیا ہے، ''فتح

الباری'' جلد ہفتم میں ہے وکانهم كانوا يعذرونه في التخلف عن ابي بكر في مدة حياة فاطمة لشغله بها و تمريضها و تسليتها عما هي فيه من الحزن على ابيها صلى الله عليه وسلم (۱) اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی بیعت کی ضرورت نہ سمجھ کر بیعت نہ کی ہو کیونکہ جمہور اہل حل وعقد کی بیعت کافی ہے ہر شخص کا بیعت کرنا کچھ ضروری نہیں، ''فتح الباری'' کی اسی جلد میں ہے قال المازری العذر لعلي في تخلفه مع ما اعتذر هو به انه يكفي في بيعة الامام ان يقع من اهل الحل و العقد ولا يجب الاستيعاب ولا يلزم كل احد ان يحضر عنده و يضع يده في يده بل يكفي التزآم طاعته والا نقياد له بان لا يخالفه ولا يشق العصا عليه وهذا كان حال عليّ۔ (۲)☆

(۳) حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے صحیح ہونے میں تو حضرت علیؓ جیسے اعلم بالشریعة کو شک ہو ہی نہ سکتا تھا، کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ اہل حل وعقد جس کو خلیفہ بنالیں اس کی خلافت صحیح ہو جاتی ہے، اگر کہا جائے کہ شاید حضرت علیؓ کو یہ شبہہ ہو کہ میں زیادہ مستحق ہوں لوگوں نے افضل کو چھوڑ کر مفضول کو خلیفہ بنالیا، تو جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو یہ شبہہ بھی نہیں ہوسکتا تھا بدو وجہ اول یہ کہ حضرت علی جانتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی تعلیم کرتے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ افضل امت ہیں، اس مضمون کی روایت حضرت علیؓ سے تواتر معنوی کی حد کو پہونچ گئی ہے، ۸۰ سند والی بھی متواتر معنوی ہے اس میں تواتر لفظی نہیں، ۸۰ سند کے ساتھ کتب اہلِ سنت میں

---

(۱) ترجمہ: گویا کہ صحابہ کرام علی مرتضیٰ کو حضرت فاطمہ کی زندگی میں حضرت ابو بکر سے بیعت نہ کرنے میں معذور سمجھتے تھے بدیں وجہ کہ وہ حضرت فاطمہ کی خدمت ان کی تیمارداری ان کے رنج وغم کے بہلانے میں جو ان کو اپنے والد ﷺ کی وفات سے پہنچا تھا مشغول تھے۔ (۲) ترجمہ: مازری نے کہا ہے کہ حضرت علیؓ کے توقف کا عذر علاوہ اس کے جو خود انھوں نے بیان کیا یہ بھی ہے کہ امام کی بیعت میں یہ بات کافی ہے کہ اہل حل وعقد کی جانب سے بیعت ہو جائے تو تمام حضرات کا بیعت کرنا ضروری نہیں ہر شخص پر لازم نہیں کہ امام کے پاس جائے اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھے، بلکہ امام کی اطاعت وانقیاد کو لازم کر لینا کافی ہے اس طرح کہ اس کی مخالفت نہ کرے اور اس کی جماعت کو متفرق نہ کرے اور یہ بات علیؓ میں تھی۔

☆ اگر سینہ علی مرتضیٰ کی عداوت سے پاک ہے تو یہ جواب کافی ہے۔ (مرتب)

مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ خیر الامة بعد نبیها ابو بکر ثم عمر، شیعوں کی صحیح ترین روایات میں بھی یہ مضمون حضرت علیؓ سے منقول ہے، ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں وکان افضلهم فی الاسلام کما زعمت وانصحهم لله ولرسوله الخلیفة الصدیق و خلیفة الخلیفة الفاروق ولعمری ان مکانهما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بهما لجرح فی الاسلام شدید یرحمهما الله وجزاهما باحسن ما عملا۔ (۱) وجہ دوم یہ کہ افضل کو چھوڑ کر مفضول کو خلیفہ بنانا گو خلاف اولیٰ ہو مگر جائز ہے، بالکل اسی طرح کہ مسجد میں امامت نماز کے قابل متعدد اشخاص موجود ہوں کسی میں قابلیت زیادہ ہو کسی میں کچھ کم، جماعت کے لوگ جس کو امام بنالیں خواہ کم قابلیت والے کو کیوں نہ بنائیں اس کی امامت صحیح ہوجائے گی اور اسکی اقتدا تمام حاضرین پر جن میں زائد قابلیت والے بھی شامل ہیں لازم ہوجائے گی، ہاں حضرت علیؓ کو یہ شک البتہ ہوسکتا تھا کہ حضرت صدیقؓ کی خلافت قرآن کی موعودہ خلافت ہے یا نہیں، مگر اس شک کو توقف بیعت سے کوئی علاقہ نہیں، کیونکہ لزوم بیعت کا حکم ہر خلافت صحیحہ کے لیے ہے خواہ وہ قرآن کی موعودہ خلافت نہ ہو، بے شک وہ اقوال و حدیث ہی نہیں بلکہ وہ آیات قرآنیہ بھی جن سے صرف ہمارے علماء کرام ہی نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو عربی زبان جانتا ہو حضرات خلفائے ثلٰثہؓ کی خلافت کا قرآن کی موعودہ خلافت ہونا استنباط کرسکتا ہے، حضرت علیؓ کے بھی پیش نظر تھیں، مگر جس زمانہ تک ان آیتوں کے مذکورہ اوصاف و علامات کا انطباق ان حضرات پر نہ ہوا تھا اس وقت تک ان آیتوں کی دلالت اس مطلب پر ظاہر نہ تھی، اس کی پوری پوری مثال حدیث رایت ہے کہ ''غزوۂ خیبر'' میں رسول خدا ﷺ نے فرمایا کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو خدا اور رسول کا محب و محبوب ہوگا، کرار غیر فرار ہوگا، اللہ اس

(۱) ترجمہ: اور تھے تمام صحابہ سے اسلام میں افضل جیسا کہ تم نے (اے معاویہ) بیان کیا اور خدا اور رسول کی خیر خواہی میں سب سے زیادہ خلیفہ صدیق اور خلیفہ کے خلیفہ فاروق اپنی جان کی قسم ان دونوں کا مرتبہ اسلام میں بڑا ہے بے شک ان دونوں کی وفات سے اسلام کو سخت زخم پہنچا اللہ ان پر رحم کرے اور ان کو ان کے اچھے اعمال کی جزا دے۔ (شرح مسیم مطبوعہ طہران جلد ۳۱)

کے ہاتھ پر فتح دے گا، جب تک آپ نے دوسرے دن جھنڈا حضرت علیؓ کو نہ دیا تھا، ہرگز کوئی شخص نہ سمجھ سکتا تھا کہ اس حدیث میں حضرت علیؓ کے اوصاف مذکور ہیں، بالکل اسی طرح جب تک آیات کے مذکورہ اوصاف وعلامات کا انطباق حضرات خلفائے ثلثہ پر نہ ہوا تھا کسی کو نہ معلوم ہوسکتا تھا کہ ان آیات سے ان کی خلافت ثابت ہوتی ہے، اس وقت تو سب نے یہی سمجھا تھا کہ حضرت صدیقؓ کو مہاجرین وانصار نے اپنے بہترین مشورہ سے خلیفہ بنایا ہے مگر بعد خلیفہ موعود کے علامات واوصاف کے منطبق ہونے کے سب کی آنکھیں کھل گئیں کہ یہ فعل مہاجرین وانصار کا نہ تھا، (بلکہ یہ) وعدۂ الٰہی تھا جو مہاجرین وانصار کے ہاتھوں سے پورا ہوا، روز قضا نے ان کے پردہ میں اپنا کام کیا۔

(۴) سائل کو چاہیے کہ عہد فاروقی میں حضرت علیؓ کے دعویٰ خلافت کرنے کی روایت نقل کریں میری نظر قاصر سے کوئی روایت اس قسم کی نہیں گزری۔

(۵) اگر یہ مضمون ثابت ہو جائے تو حضرت عمرؓ کے آنے سے کراہیت کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کو یہ خیال ہوگا کہ حضرت فاروق اعظم کے مزاج میں شدّت زیادہ ہے ممکن ہے کہ وہ میری خطا کو قابلِ درگذر نہ سمجھیں اور میرے عذر کو قبول نہ کرکے دیں اور حضرت ابوبکر صدیق رحیم وکریم ہیں رسولِ خدا ﷺ فرما چکے ہیں ارحم امتي بامتي ابو بكر لہذا اگر وہ تنہا آئیں گے اور میں اپنی معذوری بیان کرکے اپنے قصور کی معافی چاہوں گا تو امید کہ وہ معاف کردیں گے، حضرت فاروق اعظم کی طرفِ شدت وغلظت کا خیال برابر لوگوں کے دلوں میں رہا یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے مسند خلافت کو ان سے زینت دی اس وقت لوگوں نے دیکھ لیا کہ ان کی شدت عدل وداد کی پابند ہے شدت کے موقع میں شدت ہے اور لینت کے موقع میں لینت، کراہیت کا یہ سبب علماء نے بیان بھی کیا ہے ''فتح الباری'' کی اسی جلد میں ہے: والسبب فى ذالك ما الفوه من قوة عمر و صلابته فى القول والفعل وكان ابوبكر رقيقاً لينا فكانهم خشوا من حضور عمر لكثرة المعاتبة التى قد تفضى الى خلاف ما

قصدوه من المصافاة۔(۱)

فائدہ : سائل کی منقولہ روایت میں علاوہ بہت سی باتوں کے جو قلم انداز کی جاتی ہیں، حسب ذیل چند کمزوریاں ناقابل درگزر ہیں، اول یہ کہ اس میں رسول خدا ﷺ کا قول نہیں نقل کیا گیا بلکہ وہ حضرت عائشہ کا قول ہے، یہ سب مضمون کہ حضرت علیؓ نے چھے ماہ تک بیعت نہ کی اور اس کے بعد صلح کا پیغام بھیجا اور حضرت عمرؓ کے آنے سے ان کو کراہیت تھی حضرت عائشہ کا بیان کیا ہوا ہے "صحیح مسلم" یا "صحیح بخاری" میں اس روایت کے موجود ہونے کا صرف یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اس قول کا ثبوت حضرت عائشہ سے صحیح ہے، اب رہی یہ بات کہ حضرت عائشہ کا یہ قول مطابق واقعہ کے ہے یا نہیں نقل روایت میں اس کی ذمہ داری قرآن مجید نے بھی نہیں لی، "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کا درجہ تو اس کے بعد ہے، صحیح یہ ہے کہ حضرت عائشہ کا یہ قول خلاف واقعہ کے ہے، خلاف واقعہ ہونے کی صرف یہی صورت نہیں ہے کہ کذب کا ارتکاب کیا جائے بلکہ بمقتضائے بشریت اور بہت سے اسباب ایسے پیش آجاتے ہیں کہ بے علم و ارادہ مخالفت واقعہ کی ہو جاتی ہے، بسا اوقات انسان قرائن سے کوئی بات استنباط کرتا ہے حالانکہ وہ صحیح نہیں ہوتی ہے، بسا اوقات کسی سے کوئی بات سنتا ہے اور اس کی صداقت ذہن میں جم جاتی ہے، حالانکہ وہ خبر محض دروغ ہوتی ہے، حضرت عائشہ تو غیر معصوم تھیں اس قسم کے مواقع میں معصومین سے مخالفت واقعہ کی سرزد ہو جاتی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن میں ہے کہ کوہ طور سے واپس ہو کر بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی میں مشغول دیکھ کر حضرت ہارون پر یہ الزام لگایا کہ انھوں نے میرے حکم کی پابندی نہ کی، اس خیال نے ان کے دل پر ایسا قبضہ کیا کہ حضرت ہارون کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کے کھینچے، حالانکہ یہ الزام خلاف واقعہ تھا اور وہ بالکل بے قصور تھے، یا مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں کو انسان سمجھ کر اپنے یہاں کے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے نہ

---

(۱) ترجمہ: اور سبب اس کراہیت کا یہ تھا کہ لوگ حضرت عمرؓ کی قوت و صلابت قولاً و فعلاً جانتے تھے اور حضرت ابوبکرؓ نرم دل تھے پس گویا ان کو حضرت عمر کے آنے سے خوف ہوا کہ وہ غصہ کریں گے اور جو صفائی مقصود ہے اس کے خلاف ہو جائے گا۔

دیکھا تو ان کو اپنا دشمن اور نہ کھانے کی وجہ دشمنی خیال کی قولہ تعالیٰ: نکرھم واوجس منھم خیفة (۱) حالانکہ یہ وجہ خلاف واقعہ تھی، بس اسی طرح حضرت عائشہ نے کچھ تو قرائن سے استنباط کیا ہوگا اس میں غلطی ہوئی اور کچھ کسی کذاب مفسد سے سن لیا ہوگا، اس کے صحیح باور کرنے میں غلطی ہوئی اور کیا عجب کہ وہ یہ زمانہ ہو جبکہ چند مفسدوں نے حضرت عائشہ اور حضرت علی کے درمیان میں جنگ جمل کا واقعہ برپا کرادیا تھا، اس زمانہ میں حضرت عائشہ حضرت علی سے ناراض بھی تھیں اور یہ ایک فطری بات ہے کہ جس کی طرف سے کچھ تکدر ہوتا ہے اس کی برائی سن کر طبیعت مائل تحقیق نہیں ہوتی، یہ کلیہ نہیں ہے مگر اکثر ایسا ہو جاتا ہے، ایک قرینہ اس کا یہ ہے کہ عروہ جو حضرت عائشہ سے اس مضمون کو روایت کر رہے ہیں خلافت فاروقیہ میں پیدا ہوئے تھے قریب زمانہ ''جنگ جمل'' سے پہلے غالباً ان کی عمر بھی تحمل حدیث کے لائق نہ ہو یا ہو مگر اس قدر اس خیال کی نوزادگی کے لیے کافی ہے، المختصر کچھ تو قرائن سے استنباط، کچھ کسی کی غلط بیانی دونوں سے مل کر یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت عائشہؓ نے عروہ سے یہ مضمون بیان کیا، حضرت فاطمہ کا فدک مانگنا اور نہ ملنا ایک قرینہ تھا، جس سے حضرت عائشہ ہاں صرف حضرت عائشہ کے دل میں یہ غلط خیال قائم ہوا کہ حضرت فاطمہ اس افضل امت سے رنجیدہ ہوگئیں، پھر اس کے بعد حضرت علی کا حضرت صدیق کے حضور میں بوجہ حضرت فاطمہ کی علالت وغیرہ کے آمد و شد کم رکھنا یا نہ رکھنا دوسرا قرینہ اس امر کا بنا کہ حضرت علی نے بیعت نہیں کی، یہاں تک قرائن کا استنباط تھا، اس کے بعد کسی کی غلط بیانی پر اعتماد کر لینے کا احتمال اس سبب سے پیدا ہوا کہ حضرت عائشہ کا قول اس بارے میں عینی شہادت کے حکم میں نہیں آسکتا بوجہ اس کے کہ وہ عورت تھیں اور ساتھ ہی ام المومنین بھی تھیں، جن کو خصوصیت کے ساتھ خانہ نشینی کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا مجالس و محافل بیعت خلافت میں ان کی حاضری نہیں ہو سکتی، اس لیے یہ واقعات ان کے چشم دید نہیں ہو سکتے کہ حضرت علی نے کب بیعت کی اور کب نہ کی اور کیا پیغام حضرت صدیقؓ کو دیا کیا نہ دیا، دوسری کمزوری یہ ہے

(۱) ترجمہ: برا سمجھا ان کو اور دل میں چھپایا ان کی طرف سے خوف کو۔

کہ اگر چھ ماہ تک توقف مان لیا جائے تو اس اثناء میں حضرت علی کی نماز کی حالت نہایت مشتبہ ہوئی جاتی ہے، جماعت کے لیے مسجد جاتے تھے یا نہیں، نہ جاتے تھے تو ترک جماعت کا گناہ، جاتے تھے تو علاوہ اور خرابیوں کے کسی نے توقف پر تعرض کیا یا نہیں، کیا تو حضرت علی نے کیا جواب دیا، اس سوال وجواب کا نہ منقول ہونا کم جائے تعجب نہیں اور تعرض نہ کرنا اس سے بھی زیادہ عجیب۔

لہٰذا صحیح یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ابتداہی میں بیعت کرلی تھی، جیسا کہ ان افاضل صحابہ سے جو اہل وعقد میں معدود اور محل بیعت میں موجود تھے مروی ہے ان روایات کو محدثین نے ''صحیح'' اور بعض نے ''اصح'' کہا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ محسوس کر کے کہ میری آمدوشد کم ہونے سے بعض اجنبی ناواقف یہ شبہہ کرتے ہیں کہ میں نے بیعت نہیں کی، اپنے کو تہمت تخلف سے بچانے کے لیے دوبارہ مجمع عام میں بیعت کی ہو، ''فتح الباری'' کی اسی جلد میں ہے: "وقد صحح ابن حبان وغیره من حدیث ابی سعید وغیره ان علیا بایع ابابکر فی اول الامرو اماما وقع فی مسلم عن الزهری ان رجلا قال له لم یبایع علی ابا بکر حتی ماتت فاطمة قال لا ولا احد من بنی هاشم فقد ضعفه البیهقی بان الزهری لم یسنده وان الروایة الموصولة عن ابی سعید اصح و جمع غیره بانه بایعه بیعة ثانیة موکدة الاولی لا زالة ماکان واقع سبب المیراث کما تقدم وعلی هذا فیحمل قول الزهری لم یبایعه علی فی تلك الایام علی ارادة الملائمة له والحضور عنده وما اشبه ذالك فان فی انقطاع مثله عن مثله مایوهم من لایعرف باطن الامرانه بسبب عدم الرضا بخلافة فاطلق من اطلق و بسبب ذالك اظهر علی المبایعة التی بعد موت فاطمة علیها السلام لازالة هذه

الشبهة۔"(۱)

حضرت علی کی ابتداء ہی میں بیعت کر لینے کی کئی روایتیں اس وقت پیش نظر ہیں مگر بخیال اختصار ترک کی جاتی ہیں، حضرت ابو سعید خدری کی روایت جس کا حوالہ عبارت ہذا میں ہے علاوہ صحیح ابن حبان و سنن بیہقی کے مستدرک حاکم میں بھی ہے، ان سب باتوں کے بعد سائل کو یہ بھی واضح رہے کہ خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ عنہم کا امام برحق و خلیفہ راشد ہونا ایسے قوی دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ اگر بالفرض کفرض المحالات یہ ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت علی یا ان سے بھی بالاتر رتبہ کا کوئی شخص ان حضرات کی امامت و خلافت کو نہ مانتا تھا تو یقیناً جو کچھ اعتراض ہوگا اسی نہ ماننے والے پر ہوگا، ان حضرات کی امامت و خلافت میں اس سے کچھ شک نہیں آ سکتا۔

آخر میں سائل کی نیک نیتی پر (جس کا انھوں نے خود اظہار کیا ہے اعتماد کر کے اس امر کی توقع رکھتا ہوں کہ وہ ان شکوک سے توبہ کریں گے اور اس امر سے مجھے مطلع کریں گے کہ آیا یہ شکوک اُن کو تشیع کی طرف مائل کر رہے تھے یا خروج کی طرف؟ اگر تشیع کی طرف مائل کر رہے تھے تو کیا انھوں نے علماء شیعہ سے ایمان بالقرآن، عصمت ائمہ اثنا عشر، معرفت اہل بیت نبی، مذہب ائمہ اثنا عشر کی تحقیق کر لی تھی؟ میرے یقین میں شیعوں کے اولین و آخرین سب مل کر بھی ان مشکلات کی عقدہ کشائی نہیں کر سکتے نہ

(۱) ترجمہ: ابن حبان وغیرہ نے بتصریح صحت نقل کیا ہے کہ حضرت علی نے ابتداہی میں حضرت ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور "صحیح مسلم" میں جو زہری سے منقول ہے کہ کسی نے زہری سے پوچھا کہ کیا علی نے ابو بکر کے ہاتھ پر حضرت فاطمہ کی وفات تک بیعت نہیں کی انھوں نے کہا نہیں، اور نہ کسی اور ہاشمی نے، تو اس روایت کو بیہقی نے ضعیف کہا ہے بدیں وجہ کہ زہری نے اس کی سند نہیں بیان کی اور وہ روایت جو ابو سعید خدری سے منقول ہے زیادہ صحیح ہے اور دوسرے محدثین نے ان دونوں روایتوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ حضرت علی نے دوبارہ بیعت کی تھی پہلی بیعت کو مؤکد کرنے کے لیے اور یہ وہم زائل کرنے کے لیے جو بسبب میراث کے واقع ہو گیا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور اس صورت میں زہری کا یہ کہنا کہ حضرت علی نے اس زمانہ تک بیعت نہیں کی تھی اس امر پر محمول کرنا چاہیے کہ بغرض حاضر باشی وغیرہ انھوں نے بیعت نہ کی تھی اس میں شک نہیں کہ حضرت ابو بکر جیسے شخص کے پاس آمد و رفت کم رکھنا ناواقفوں کو وہم دلاتا ہے کہ ان دونوں میں ناراضی ہے لہذا بعض لوگوں نے اس کا چرچا کیا اسی لیے حضرت علی نے حضرت فاطمہ کے بعد بیعت کر لی تا کہ شبہہ جاتا رہے۔

یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ شیعوں کا ایمان قرآن پر ممکن ہے، نہ عصمت ائمہ پر کوئی دلیل کسی قسم کی پیش کر سکتے ہیں! نہ یہ بتا سکتے ہیں کہ ائمہ اثنا عشر کیا مذہب رکھتے تھے مسلمان تھے کہ مجوسی کہ یہودی، فقط والسّلام علی من اتبع الهدیٰ☆

کتبہ افقر عباد اللہ محمد عبد الشکور عافاہ مولاہ

☆ شیعوں کی طرح تاخیر بیعت کے الزام کو اٹھا کر شیعوں کو فائدہ پہنچانے والے جملہ حضرات مضمون بالا کو پڑھ کر ان شاء اللہ تائب ہو جائیں گے، بشرطے کہ وہ حقیقتاً محب صحابہ ہوں، مصنوعی محب صحابہ نہ ہوں۔ (مرتب)

حضرت علی مرتضیٰؓ

اور

حضرت صدیق کی بیعت میں توقف

النجم مجریہ ہفتم ربیع الثانی میں حضرت علی مرتضیٰ کے توقف بیعت پر ایک مضمون شائع ہوچکا ہے، سائل نے "صحیح مسلم" کی ایک روایت کی بنا پر یہ سوال کیا تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ نے بیعت صدیقیہ میں چھ ماہ توقف کیوں کیا؟ جواب کا ماحصل یہ تھا کہ روایت محولہ میں چھ ماہ کا توقف جو مذکور ہے صحیح نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے ابتدا ہی میں بیعت کرلی تھی، اس جواب کو خارجی اور داخلی دونوں قسم کے دلائل سے مدلل کیا گیا ہے، داخلی دلائل کا ماحصل یہ تھا کہ حضرت عائشہؓ جن سے "صحیح مسلم" میں چھ ماہ توقف مروی ہے، خانہ نشین عورت تھیں، اہل حل وعقد میں نہ تھیں، بہ خلاف اسکے ابتداءً بیعت کرنے کے راوی حضرت ابوسعید خدریؓ وغیرہ ہیں جو خود اہلِ حل وعقد میں ہیں، دوسرے یہ کہ حضرت عائشہؓ کا قول "نفی" ہے اور حضرت ابوسعید خدریؓ وغیرہ کا قول "اثبات" ہے اور اثبات نفی پر مقدم ہے، خارجی دلائل کا ملخص یہ تھا کہ شیعہ سنی دونوں کے یہاں تواتر معنوی کی حد کو پہنچ گیا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ شیخین رضی اللہ عنہما کو بہترین امت جانتے تھے اور ان کے بہترین امت ہونے کا اعلان کیا کرتے تھے، اپنے زمانہ خلافت میں انھوں نے اس اعلان کو اہم فرائض میں سمجھ رکھا تھا۔

ایک "سنی نما شیعہ" (۱) اس مضمون پر یہ شبہہ کرتا ہے کہ باجماع اہل سنت تمام کتب حدیث میں "صحیحین" کا رتبہ بالاتر ہے، لہذا غیر صحیحین کی روایت کو صحیحین پر

(۱) قارئین اس حقیقت کو نہ بھولیں کہ امام اہلسنتؒ نے علی مرتضیٰؓ کو شک وشبہ سے دیکھنے والوں کو بھی "سنی نما شیعہ" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ (مرتب)

ترجیح دینا ہی خلاف اجماع ہے چہ جائیکہ ''صحیحین'' کی روایت کو صاف صاف یہ کہہ دیا جائے کہ یہ روایت غلط ہے خلاف واقعہ ہے، اس سے تو معاذ اللہ ''صحیحین'' کی قدح لازم آتی ہے۔''

اسی قسم کا اعتراض شیعوں کے امام مولوی حامد حسین صاحب نے ''استقصا'' میں کیا ہے کہ مولوی حیدر علی صاحب نے جو فدک و قرطاس کی حدیثوں پر لکھا اس سے ''صحیحین'' کی قدح ہوتی ہے۔

جواب اس شبہہ کا یہ ہے کہ اس سے ''صحیحین'' کی ہرگز قدح نہیں ہوتی نہ ان کی رفعت شان میں کچھ فرق آتا ہے، راوی کے وہم و سوء فہم کی ذمہ داری انھوں نے نہیں لی، ان کا التزام صرف اسی قدر ہے کہ حدیث کو اپنے مخرج تک صحت کے ساتھ پہونچادیں، اب وہ مخرج ہی سے غلط نکلی ہو، اس کے وہ ذمہ دار نہیں ہیں، ان علل خفیہ سے حفاظت کا التزام انھوں نے نہیں کیا، ان علل خفیہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے اور اس کی جانچ کے قواعد بھی کتب اصول میں مدون ہیں۔

یہی پہلا موقع نہیں ہے، اس قسم کے نظائر ائمہ فقہا و محدثین کے کلام میں بہت سے مل سکتے ہیں کہ صحیحین کی حدیث پر ترجیح دی گئی ہے۔

ہمارے اصحاب حنفیہ نے تو ایسا بہت کیا ہے، ان کے علاوہ خود اصحاب حدیث نے جابجا وہم راوی کا احتمال بعض احادیث ''صحیحین'' میں پیش کیا ہے کما لا یخفی علی من تتبع۔

(النجم لکھنؤ نمبر ۸، جلد ۹، ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ) ☆

☆ سائل کو مضمون اول سے اطمینان نہیں ہوا، حالانکہ مضمون اول خلیفۂ رابعؓ کی طرف سے شبہات کے ازالہ میں نہایت جامع و مسکت ہے، سائل نے دوسرے خط سے اپنے عدم اطمینان کا اظہار کیا مگر امام اہلسنتؒ اس کے باطن کی اصل کھوٹ کو سمجھ گئے اور اس کو ایک ''سنی نما شیعہ'' کے الفاظ سے موسوم فرمایا۔ قارئین کرام اب بانصاف بتائیں کہ جو حضرات اس وقت خلیفۂ رابع (علی مرتضیٰؓ) کے مقابلہ میں اس سے کہیں زیادہ ایمان سوز، شیعت نواز شبہات کو پوری تندہی اور مقصد زیست بنا کر اجتماعی شکل میں برسر میدان و سرگرم عمل ہوچکے ہیں، کیا ان کے ''مصنوعی محب صحابہ'' اور ''سنی نما شیعہ'' ہونے میں کوئی شک کیا جاسکتا ہے؟ (مرتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

حامداً و مصلیا و مسلما

النجم لکھنؤ

نمبر الکھنؤ یوم ۱۰ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۳ اپریل ۱۹۳۶ء جلد ۵

حُسین شہیدؓ

اور اُنکے رُفقاء کی قُربانیوں پر ایک محققانہ بحث

تبرکات حجۃ الاسلام حضرت امام اہلسنّت مدظلہ العالی

اس وقت ہم اپنے سردار اور اپنے سردار کے فرزند سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت کا روح فرسا واقعہ لکھنا چاہتے ہیں، زیادہ اس وقت ضرورت لکھنے کی یہ ہے کہ مسلمانوں میں عام اس سے کہ سنی ہوں یا شیعہ اس زمانہ میں ان کی شہادت کے واقعات بیان کیے جاتے ہیں، مجلسیں منعقد ہوتی ہیں اور افسوس ہے کہ وہ اس واقعہ کو معمولی قصے اور کہانیوں کی طرح بازاری گپ اور اپنے پسندیدہ خیالات سے مخلوط کر کے سخت توہین کرتے ہیں۔

وہ تو اپنے نزدیک اس میں رنگ آمیزی صرف اس لیے کرتے ہیں کہ اس کو زیادہ درد آمیز بنائیں گے مگر اس درد آمیزی کی دھن میں اکثر مقامات سر رشتۂ ادب ان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور جو حقیقی درد والم اس سچے واقعہ میں ودیعت رکھا گیا ہے، اس رنگ آمیزی کی بدولت وہ بھی مخفی ہو جاتا ہے، جو جو مصائب ان حضرات پر پیش

آئے اوران پر جیسا صبران بزرگوں نے کیا بالکل مٹادیا جاتا ہے، کاشانۂ رسالت کی مقدس خواتین کی طرف ایسے ایسے مضامین جزع وفزع وشور وشغب وفریاد وفغاں کے منسوب کیے جاتے ہیں کہ آئینِ صبر وشکر کے خلاف ہونے کے علاوہ شیوۂ شرافت و سیادت سے بھی بہت بعید معلوم ہوتے ہیں، ان جھوٹے مضامین کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گو بظاہر ان حضرات کے مصائب پر اظہارِ غم کیا جاتا ہے مگر در پردہ انھیں صبر وشکر کی صفات پسندیدہ سے خالی بنا کر غیر قوموں کو تمسخر اور استہزاء کا موقع دیا جاتا ہے اور نئی تعلیم سے فیض پانے والے گروہ کے دلوں سے ان کے عظمت وجلال کا اثر زائل کیا جاتا ہے۔

اے مسلمانو! یاد رکھو اگر تم کو دین اسلام سے کچھ بھی تعلق ہے تو سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت رکھو، آپ کے ذریاتِ طاہرات اور جگر گوشۂ ہادیٔ طیبات کو بہت عزیز سمجھو، خاص کر امام حسین رضی اللہ عنہ کو، درحقیقت وہ بہت زیادہ پیارے تھے، اسلام کی حفاظت کے لیے انھوں نے اپنی جان دیدی، وہ جان جس کی قیمت میں متاعِ ہر دو جہاں پاسنگ بھی نہیں بن سکتا، وہ جان جس کی قدر رسوا اللہ اور اس کے رسول کے کما حقہ، کوئی نہیں جانتا، سچ کہا جس نے کہا ہے کہ

کیا حضرت خلیل علیہ السلام کی جاں نثاری سے کسی طرح ان کی جاں نثاری کم ہے بلکہ غور سے دیکھو تو اگر زیادہ نہیں تو برابر ضرور پاؤ گے اپنے چھوٹے چھوٹے پیارے بچوں کو کئی دن کے بھوکے پیاسے، اللہ کی راہ میں دشمنوں کے ہاتھ سے اس طرح ذبح کرادیا کہ جیسے کوئی بکری کی قربانی کرے، تمام عزیز واقارب یکے بعد دیگرے میدانِ کربلا میں ان کے سامنے خون میں نہا گئے مگر اُف تک نہ کی، آسمانوں اور ملاءِ اعلیٰ کے قدسیوں کو اب تک وہ واقعات یاد ہیں اور ہمیشہ یاد رہیں گے تم اگر بھول جاؤ تو تمھارے بھول جانے سے وہ واقعات مٹ نہیں سکتے، یاد رکھو اگر کوئی نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوتا اور اس پر کتاب اُترتی تو حضرت خلیل اللہ وحضرت ایوب علیہما السّلام کی طرح امام حسین رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر اس میں ہوتا اور یقیناً ان کی نسبت یہ کلمات ارشاد ہوتے۔

انا وجدہ نا ہ صابرا نعم العبدانہ اوّابo

بے شک ہم نے اُس کو صبر کرنے والا پایا کیا ہی وہ اچھا بندہ تھا، بے شک وہ ہماری طرف بہت رجوع کرنے والا تھا۔

اب میرا دل قابو میں نہیں اور میری زبان پر بے اختیار مولانا جامی کے یہ چند شعر آرہے ہیں۔

باغ میوہ احمد مختار — لالہ راغ حیدر کرارؓ
جدِ او مصدرِ ہدایتِ حق — از چناں مصدرے شدہ مشتق
سرہر نامہ ارواح افزائے — نام ایشان ست بعد نام خدائے
ذکر شان سابق است برافواہ — بر ہمہ ذکر بعد ذکر الٰہ

حب ایشاں نشان صدق و وفاق (۱)
بغض ایشاں دلیل کفر و نفاق (۲)

هم غیوث الندی اذا وهبوا
هم لیوث السری اذا نهبوا

گر پرسد زآسماں بالفرض — سائلے من اخبار اہل الارض
بزبان کواکب و انجم — ہیچ لفظے نیاید الا ھم

اے زبان اب بس کرا اور اے دل اب ذرا رک جا اگر تمام عمر بھی تو سید الشہداء کی تعریف کیے جائے گا تو کیا یہ بحرِ بے پایاں ختم ہو جائے گا، نہیں ہرگز نہیں بلکہ آخر میں یہی کہنا پڑے گا کہ۔

دفتر تمام گشت و بپایان رسید عمر — ما ہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم☆

اب ذرا سائل کی طرف توجہ کر جو دیر سے جواب کا منتظر ہے۔

---

(۱) تمام صحابہ کرام کا حضرت حسین سے والہانہ تعلق میں یہی حال تھا۔ (مرتب)

(۲) بحالات موجودہ اس شعر کو اپنے دل و زبان کا وظیفہ بنا لیجیے۔ (مرتب)

☆ دور حاضر میں امام اہلسنت اسی کا نمونہ ہیں۔

مضمون ہٰذا کا ایک ایک لفظ بزبان خود بول رہا ہے کہ امام اہلسنت" کارواں رواں عشق حسینی سے ملبب و سرشار ہے۔ (مرتب)

سائل کا اصل سوال یہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت رکھنا اچھی بات ہے یا بُری؟ اس سوال کو اس نے اس پیرایہ میں ادا کیا ہے کہ آج کل کے مسلمانوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بہت محبت ہے اور اگلے مسلمانوں کو جو ہم سے ہر بات میں اچھے تھے کہ ہم ان کا نام فخراً لیتے ہیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کچھ محبت نہ تھی اور اس محبت نہ ہونے کو اس نے اس طرح ثابت کیا ہے کہ کسی نے امام شہید کا ساتھ نہ دیا اور امام کی شہادت کے بعد کسی نے یزید کو قتل نہ کیا، پس اب بتاؤ کہ پچھلا زمانہ اچھا تھا یا موجودہ، غرض نتیجہ اس سوال کا اس نے یہ سمجھا ہے کہ یہ تو کوئی مسلمان کہنے کا نہیں کہ قرن اول سے یہ زمانہ اچھا ہے لامحالہ یہی کہیں گے کہ وہی زمانہ اچھا تھا، بس جب اس زمانہ کے لوگ امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت نہ رکھتے تھے تو معلوم ہوا کہ محبت نہ رکھنا کوئی بُری بات نہیں بلکہ اچھی بات ہے۔

اس ضمن میں ایک دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ اگلے مسلمانوں (شاید اس سے صحابہؓ مراد ہیں) کو امام شہید کے ساتھ کچھ محبت نہ تھی مگر اس دعویٰ کا کوئی ثبوت وہ نہیں پیش کر سکا، رہ گیا صحابہ کا امام شہید کے ساتھ میدان کربلا میں نہ آنا اس کی اصل وجہ تو یہ ہے کہ جس وقت امام حسین رضی اللہ عنہ نے عزم کوفہ کیا ہے، اس وقت اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو بھیج کر سب حالات وہاں کے لوگوں کے معلوم کر لیے تھے ہر طرح سے ان کی وفاداری پر اطمینان تھا، یہ علم غیب کسے تھا کہ وہاں پہنچ کر یہ حادثۂ جانکاہ پیش آئے گا بعض بعض صحابہ نے مثل عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے جو امام حسین رضی اللہ عنہ کو منع کیا تھا اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ان کو یقین یا گمان غالب تھا کہ ایسا واقعہ وہاں پہونچنے پر پیش آئے گا بلکہ بنظر دور اندیشی انھوں نے ممانعت کی تھی، اب رہ گئی یہ بات کہ جب یہ حادثہ شروع ہو گیا تب صحابہ کیوں نہ شریک جنگ ہوئے اس کی واقعی وجہ یہ ہے کہ اس وقت تک تار ڈاک کا انتظام نہ تھا کہ ان کو خبر ہو جاتی یزیدیوں نے راہ آمد و رفت مسدود کر دی تھی، یہ بات بھی اختیار سے باہر ہو چکی تھی کہ امام حسین رضی اللہ

عنہ کسی آدمی کو بھیج کر ان کو مطلع کرتے بھی تو کیا نتیجہ ع

پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آید

اب باقی رہی یہ بات کہ پھر اس واقعہ کے بعد وہ کیوں نہ لڑے؟ یہ محض ناعاقبت اندیشی کا اعتراض ہے، صحابہ کو اتنی قدرت اور قوت کہاں تھی کہ وہ یزید سے مقابلہ کرنے کی صورت میں کامیابی کی امید رکھتے، بلکہ ناکامی کا بظاہر اسباب یقین کامل تھا، لیکن اس پر بھی وہ لڑ کر اپنی جانیں دے دیتے مگر مجبور تھے کہ رب العرش کا حکم و لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (اپنے ہاتھوں کو ہلاک ہو جانے کی طرف نہ ڈالو) ان کو اس فعل سے منع کر رہا تھا۔

المختصر اگر سائل کو ثابت ہو گیا ہوتا کہ صحابہ کو بوقت عزم کوفہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے اس حادثہ کی خبر تھی اور ساتھ نہ آئے، یا اس حادثہ کی عین گرما گرمی کے وقت اطلاع مل جانے پر بھی وہ نہ آئے، یا بعد اس واقعہ کے قدرت رکھتے تھے مگر انتقام نہ لیا، تو بے شک وہ صحابہؓ پر امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت نہ رکھنے کا الزام قائم کر سکتا تھا اور جبکہ سرے سے یہ الزام ہی بے بنیاد ہے تو اس پر یہ سوال قائم کرنا کہ اُن کو محبت نہ تھی اور اس زمانہ کے لوگوں کو ہے اور وہ زمانہ اچھا تھا یا یہ زمانہ؟ بناء فاسد علی الفاسد ہے۔

صحابہ کی حالت محبت جو اہلبیت نبی ﷺ خصوصاً سید الشہداء کربلا کے ساتھ تھی اس کا اندازہ ایک معمولی عقل کا آدمی نہیں کر سکتا، ہم کیا چیز ہیں جو امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت رکھیں گے؟ ہماری محبت ''جاہلانہ'' و ''عامیانہ'' ہے، تعزیہ وغیرہ حرکات قبیحہ کے سوا ہم کیا ان سے محبت کرتے ہیں؟ اور صحابہ کی محبت ''عاقلانہ'' تھی بھلا یہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ جن لوگوں نے خود سرورِ عالم ﷺ کی زبانِ مبارک سے سید الشہداء کربلا کے فضائل سنے ہوں، خود اپنی آنکھوں سے آنحضرت ﷺ کو انھیں بوسہ دیتے دیکھا ہو، گود میں اٹھاتے ہوئے، پیار کرتے ہوئے ملاحظہ کیا ہو وہی ان سے محبت نہ

رکھیں گے تو پھر کون رکھے گا؟ اس محبت کا ثبوت واقعات صحیحہ سے بھی ملتا ہے، اخبار کے مختصر کالم متحمل نہیں ہو سکتے ورنہ اس قسم کی روایات تواریخ و احادیث کی کتابوں سے باسانید صحیحہ انبار کے انبار پیش کر سکتا ہوں، سائل صرف ''صحیح بخاری'' میں انس رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو کو جو ابن زیاد سے اس بارہ میں انھوں نے کی دیکھ کر اپنی تشفی کرے۔

سائل کو ہدایت کی جاتی ہے کہ آئندہ جب اس کو کسی مسئلہ دینیہ میں کچھ شبہتہ واقع ہو تو پہلے تحریراً علماء کی خدمت میں مستفسر ہو، جب تشفی نہ ہو تو اس عام اشاعت کے ذریعہ یعنی اخبار کے کالموں کو اپنا تختۂ مشق بنائے وہ اپنی حالت پر نہیں تو اور مسلمانوں کی حالت پر رحم کرے کہ ایسی تحریرات سے ان کے دل پریشان ہوتے ہیں، ان کے خیالات منتشر (۱) ہو جاتے ہیں، صحیح بخاری کی وہ حدیث جس کا حوالہ اس مضمون میں دیا گیا ہے یہ ہے ''محمد بن سیرین راوی ہیں کہ عبید اللہ بن زیاد کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک لایا گیا اور ایک طشت میں رکھ دیا گیا تو وہ کو نچنے لگا اور ان کے حسن میں اس نے کچھ کلام کیا (یعنی برائی بیان کی) تو حضرت انسؓ نے کہا کہ یہ سب سے زیادہ رسولِ خدا ﷺ کے مشابہ تھے۔''

یہ حدیث اگر کوئی غور سے دیکھے تو صحابہ کی محبت کا کچھ اندازہ کر سکتا ہے، حاکم ظالم کے سامنے کسی ایسے شخص کی حمایت کرنا جس سے وہ بر سر پرخاش ہو معمولی بات نہیں ہے۔

ایک اور حدیث اسی ''صحیح بخاری'' میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ ان سے کسی شخص نے بحالت احرام مکھی کے مارنے کا مسئلہ پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اہلِ عراق مکھی کے مارنے کا مسئلہ پوچھتے ہیں، جبکہ انھوں نے رسول خدا ﷺ کی صاحبزادی کے فرزند کو قتل کر دیا، حالاں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ دونوں میری دنیا کی بہار ہیں۔

---

(۱) اب ذرا سوچیے کہ حکیم فیض عالم صدیقی، جعفر شاہ پھلواروی، مولانا محمد اسحاق سندیلوی، مولوی طاہر مکی اور عظیم الدین صاحب کی تحریرات سے پھیلایا ہوا منظم انتشار قوم کو کس انجام تک پہونچائے گا۔ (مرتب)

یہ حدیث بھی معمولی نہیں ایک ظالم سلطنت کے خلاف برملا اس طرح کہنا آسان نہیں ہے آخر اسی حق گوئی کے نتیجہ میں حجاج (۱) نے انھیں بھی شہید کر دیا۔

یہ مجالس جو ہمارے زمانہ میں منعقد ہوتی ہیں اور جس طرز و انداز سے واقعات شہادت بیان کیے جاتے ہیں خصوصاً لکھنؤ میں تو قریب قریب سال بھر گلی کوچوں اور بازاروں میں کاشانۂ رسالت کی مقدس خواتین کا نام لے لے کر کے فریاد و فغاں اور بے صبری اور بے تابی کے مضامین ان کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں، ان کے متعلق ہم کچھ لکھنا نہیں چاہتے، ہمارے خیال میں اس سے زیادہ کوئی توہین اہل بیت رسالت کی نہیں ہے، کہ ان افعال و اقوال کی نسبت ان کی طرف کی جائے۔

حضرات شیعہ تو یہ کہہ کے چھوٹ جاتے ہیں کہ امام حسینؓ کے غم میں رونا اور رُلانا ہر طرح جائز اور باعث ثواب ہے، مگر سنیوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی ناپسندیدہ باتوں میں حصہ لیتے ہیں، کاش بجائے اس کے یہ طریقۂ عمل ہوتا کہ شہادت کے سچے سچے واقعات جو معتبر روایتوں سے ثابت ہوں اور ان مقدس حضرات کی شان رفیع کے شایان ہوں بیان کیے جاتے وہ واقعات رونے اور رلانے کے لیے کم نہ تھے، پھر ایصال ثواب کے مشروع طریقے برتے جاتے، قرآن مجید پڑھا جاتا، نمازیں پڑھی جاتیں، محتاجوں کو داد و دہش کی جاتی اور اس کا ثواب حضرت امام شہیدؓ کی روح پُرفتوح کو پہونچایا جاتا، ہزار ہا لاکھا روپیہ فضول باتوں میں صرف ہوتا ہے، نہ کسی شادی برات میں اس قدر دھوم کی جاتی ہے جس قدر امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے لیے کی جاتی ہے، کاش یہ سب روپیہ کسی عمدہ موقع پر صرف کیا جاتا، غریب محتاجوں کو دیا جاتا جو نانِ شبینہ کے محتاج ہیں یتیموں اور بیواؤں کی خبر لی جاتی تو کتنا ثواب ہوتا۔

یہ اعمال جو اس زمانہ میں کیے جاتے ہیں شرعی قواعد کی رو سے اکثر ناجائز ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ بعض محققین حضرات شیعہ نے بھی ان کے عدم جواز کی تصریح کی ہے۔

---

(۱) مگر اب تو ''سنی نما شیعہ'' تاریخی ظالم ''حجاج'' کو بھی علی و حسنین اور عبداللہ بن زبیر سے بزرگ و برتر ہونے کا تاثر دے رہے ہیں، کاش کہ اہل سنت ان پیکران تقیہ کو سمجھ لیں اور سوچیں کہ یہ حضرات محبانِ صحابہؓ ہیں یا دشمنانِ صحابہؓ۔ (مرتب)

جب کبھی میں بازاروں میں حضرت زینبؓ اور دیگر خواتین اہلبیت کے نام اوران کے جزع وفزع کے مضمون سنتا ہوں تو بخدا سخت غیرت معلوم ہوتی ہے، غیر مذاہب کے فہمیدہ لوگ جب ان مضامین کو سنتے ہوں گے تو ان کی نظر میں پیشوایان اسلام کی کیسی قدرومنزلت ہوتی ہوگی وہ کہتے ہونگے کہ یہ کیسے خدا کے کامل بندے تھے کہ اس کی بھیجی ہوئی مصیبت سے ایسے ناراض اوراس درجہ اس کے شاکی تھے، اہل سنت کی روایات کے مطابق واقعاتِ کربلا کے ناقابل برداشت مصائب کو تمامِ خاندانِ رسالت نے نہایت صبر وشکیبائی (۱) سے برداشت کیا اور ایک لفظ بھی جزع وفزع اور بےصبری کا زبان سے نہیں نکالا، خواتین کا شانۂ رسالت کوئی معمولی عورتیں نہ تھیں نہ وہ معمولی عورتوں کی طرح سے بَین کرنا اور احکامِ قضاوقدر کی شکایت کرنا جائز سمجھتی تھیں وہ تو ایسے مقدس حضرات تھے اور ایسے حق سبحانہ کے دلدادہ بندے تھے کہ اگر ان مصائب سے بھی کوئی درجہ زیادہ فرض کرلیا جائے اور وہ ان پر خدا کی طرف سے نازل ہوتا تو یقیناً وہ اُف بھی نہ کرتے۔

جہاں تک مرثیوں کے مضامینِ دیکھے گئے ان میں ایک شعر مجھے پسند آیا اس وجہ سے کہ اس شعر کوان حضرات کے منصب عالی سے کچھ مناسبت ہے گو روایتاً صحیح نہ ہو شاعر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی زبان سے نقل کرتا ہے کہ انھوں نے اپنی شہادت کے دن فرمایا۔

اگر یہ دن مرے پروردگار بڑھ جاتا	تیری جناب میں اوراعتبار بڑھ جاتا

بےشک وہ حضرات ایسے ہی تھے۔

حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کچھ حضرات مشائخ نے ایک مرتبہ محبت کی تعریف کرنا شروع کی، ایک شخص نے کہا کہ محبت اس کو کہتے ہیں کہ محبوب

(۱) حسین دشمنی پر مبنی من گھرت جنتری کے خالق (محمود احمد عباسی) اوران کو شیخ الاسلام لکھنے والوں نے تو حسین کے صبر وشکیبائی کی یہ لکھ کر سرے سے جڑ ہی کاٹ دی، کہ وہ ۱۰ محرم کو "کربلا" پہنچے اور اسی روز شام کو ہنگامہ میں اپنے ہی ساتھیوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ (مرتب)

کے مار کی شکایت نہ کرے، دوسرے نے کہا نہیں محبت اس کو کہتے ہیں کہ محبوب کی مار سے اس کو تکلیف نہ ہو، تیسرے نے کہا نہیں محبت اس کو کہتے ہیں کہ محبوب کی مار سے خوشی ظاہر کرے، غرض اسی طرح ہر شخص نے محبت کی تعریف اپنے حال اور مقام کے اعتبار سے کی، حضرت رابعہ خاموش تھیں، جب سب کہہ چکے تو انھوں نے فرمایا کہ محبت اس کو کہتے ہیں کہ محبوب کی مار سے لذت ملے، پس جب ان حضرات کا یہ حال تھا اور وہ اس درجہ بحرِ محبت الٰہی میں غرق تھے کہ جو مصائب انھیں خدا کی طرف سے پہونچتے ان میں انھیں مزا آتا تھا، تو پھر شکایت کرنا اور اس پر جزع وفزع کرنا چہ معنی دارد۔

اخیر وقت میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے اتمام حجت کے لیے اپنے فضائل اور ان فضائل پر اپنی مظلومی دشمنوں کے سامنے بیان کی، یہ محض اتمام حجت کے لیے تھا، نہ کہ شکوہ وشکایت کی غرض سے۔

المختصر اہلسنت کو نہایت احتیاط اور ادب سے کام لینا چاہیے ہرگز ہرگز ایسے مضامین کے سننے اور بیان کرنے کو روا نہ رکھیں جن کی روایت صحیح نہ ہو اور وہ ان مقدس حضرات کی شانِ تسلیم ورضا کے خلاف ہوں۔

علمائے اہل سنت بھی واقعاتِ شہادت کو بیان کرتے ہیں، اہلسنت کے یہاں بھی اس واقعہ غم کے بیان کرنے کے لیے مجلسیں منعقد ہوتی ہیں مگر ان میں سوا اس کے کہ حضرت امام شہید کے سچے سچے فضائل جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں اور شہادت کے سچے سچے واقعات جو بروایت ثقات منقول ہیں بیان کردیے جائیں اور کچھ نہیں ہونا چاہیے۔☆

☆ تنبیہ: طاہر مکی پرویزی صاحب کے اس اعلان کی تردید کے لیے کہ "مولانا محمد اسحاق سندیلوی مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کے افکار کے امین ہیں" یہ مضمون ہی بالکل کافی ہے۔ (مرتب)

مقام شیخین رضؓ

ائمہ اثنا عشر کی نظر میں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

ہر قسم کی تعریف اس خدا کے لیے ہے جس نے ہماری ہدایت کے لیے سرورِ انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور اپنا پاک کلام یعنی قرآن مجید ان پر اتارا اور قیامت تک اس کی حفاظت کا وعدہ کیا اور اس وعدہ کے مطابق وہ سچی کتاب دنیا میں اب تک موجود ہے اور ہمیں راہِ راست کی طرف ہدایت کرتی ہے۔

ہمارے اکثر بھائیوں کو تعجب ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں ایسی بزرگیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام خاص کر تینوں خلیفہ کی لکھی ہوئی ہیں جن کا کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا پھر قرآن حکیم کے علاوہ خود شیعوں کی معتبر کتابوں میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے تینوں خلیفہ کی ایسی اعلیٰ تعریف روایت کی گئی ہے کہ اس سے زیادہ تعریف کسی کی کوئی کر نہیں سکتا، باوجود اس کے پھر شیعہ ان تینوں خلفاء کو نہیں مانتے بلکہ ان سے عداوت رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔

مگر اس تعجب کی بنیاد مذہب شیعہ سے ناواقفیت پر ہے، قرآن شریف کے متعلق شیعوں کے جو خیالات واعتقادات ہیں ان کے معلوم ہوجانے کے بعد قرآنی تعلیم سے ان کا انحراف محل تعجب نہیں رہتا باقی رہا اپنی مستند کتابوں کی معتبر روایتوں سے انحراف اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اکثر شیعہ اپنی مذہبی کتابوں سے بے خبر ہیں اور ان کے عالم اُن سے مذہب کی اصلی حقیقت کو چھپاتے ہیں کیونکہ مذہب شیعہ میں اپنے دین کو چھپانے کی بڑی سخت تاکید ہے، چنانچہ مذہب شیعہ کی سب سے بڑی معتبر کتاب

''اصول کافی'' مطبوعہ لکھنو صفحہ ۴۸۵ میں امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ انہوں نے شیعوں سے فرمایا:

''بے شک تم لوگ ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا اللہ اس کو عزت دے گا اور جو اس کو ظاہر کرے گا اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔'' (۱)

اسی لیے اس وقت بجائے آیاتِ قرآنیہ کے حضرت علی مرتضٰی کی تعلیمات شیعوں کی مستند کتابوں سے پیش کی جاتی ہیں اور اس بات کے ظاہر کرنے کے لیے کہ ہمارے دلائل محض الزامی نہیں بلکہ تحقیقی ہیں کتب اہلِ سنت کے حوالہ بھی درج کیے جاتے ہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

اہلِ سُنّت کی کتابوں سے

حدیث اول: جو کتب معتبرۂ اہلِ سنت میں باسانید متعددہ مروی ہے از آنجملہ ''ترمذی'' میں حارث سے اور امام زین العابدین سے اور ''زوائد مسند'' میں امام حسن سے اور ''ابن ماجہ'' میں حارث سے منقول ہے کہ حضرت علی مرتضٰی نے فرمایا:

میں (ایک دن) رسولِ خدا ﷺ کے ہمراہ تھا کہ یکا یک ابوبکر و عمر دور سے آتے ہوئے دکھائی دیے تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ یہ دونوں تمام اگلے اور پچھلے پیران اہل جنت کے سردار ہیں سوائے نبیوں اور رسولوں کے۔'' (۲)

حدیث دوم: جو کتب معتبرہ اہل سنت میں ۸۰ سندوں سے منقول ہے کہ حضرت علی مرتضٰی نے فرمایا خَيْرُ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ۔ ترجمہ: اِس امت میں نبی کے بعد سب سے بہتر ابوبکرؓ ہیں ان کے بعد عمرؓ۔ یہ روایت علم حدیث کی

---

(۱) اِنَّكُمْ عَلٰى دِيْنٍ مَن كَتَمَهٗ اَعَزَّهُ اللّٰهُ و مَنْ اَذَاعَهٗ اَذَلَّهُ اللّٰهُ۔

(۲) كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ طَلَعَ اَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَانِ سَيِّدَا كُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ اِلَّا النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ۔

سب سے بڑی معتبر کتاب ''صحیح بخاری'' میں بھی ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ''منہاج السنۃ'' میں اور حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''ازالۃ الخفا'' میں لکھا ہے کہ رواہُ ثَمانُونَ نَفساً عَنْ عَلِیّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ یعنی ۸۰ آدمیوں نے اس قول کو علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے۔

حدیث سوم : حافظ الحدیث علامہ ابن عبدالبر نے ''استیعاب'' میں اور علامہ ابوالقاسم نے ''کتاب السنۃ'' میں یہ روایت لکھی ہے کہ جب حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کو یہ خبر ملی کہ کچھ لوگ مجھے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ پر فضیلت دیتے ہیں تو آپ نے منبر پر جا کر ایک خطبہ پڑھا اور فرمایا:

''جو شخص مجھے ابوبکرؓ وعمرؓ سے افضل کہے گا میں اس کو مفتری کی سزا دوں گا یعنی ۸۰ درّے ماروں گا۔''(۱)

حدیث چہارم : حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے ''ازالۃ الخفا'' (مقصد اول ص ۱۴۰، ۱۴۱ مطبوعہ عمدۃ المطابع لکھنؤ) میں کتاب ''استیعاب'' اور ''ریاض النضرۃ'' سے ایک بڑا طولانی خطبہ حضرت علیؓ کا نقل کیا ہے، جو آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد پڑھا اس خطبہ میں حضرت صدیق کے فضائل اس قدر بیان کیے ہیں کہ اس سے زائد بیان نہیں کیے جا سکتے، ان کا سابق الاسلام ہونا، صدّیق ہونا، رسول اللہ ﷺ کی جاں نثاری میں سب سے فائق ہونا، تمام صحابہ سے افضل ہونا وغیرہ وغیرہ بہت کچھ بیان فرمایا ہے، یہ خطبہ قابلِ دید ہے۔(۲)

حدیث پنجم : روایت ''صحیح بخاری'' میں اور ''مسند احمد'' میں باسانید متعددہ اور ''مستدرک حاکم'' میں اور امام محمد کی ''کتاب الآثار'' میں ہے اور ہم الفاظ ''صحیح بخاری'' کے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور ان کا جنازہ لا کر رکھا گیا تو حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت علی آئے اور انہوں نے میرے دونوں

---

(۱) لَا یُفَضِّلُنِیْ اَحَدٌ علیٰ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ اِلَّا جَلَدْتُہٗ حَدَّ الْمُفْتَرِیْ۔

(۲) آئندہ کسی اشاعت میں اس بے نظیر خطبہ کو شائع کیا جائے گا ان شاء اللہ۔ (انجم)

شانوں پر ہاتھ رکھ لیا اور حضرت عمرؓ کے لیے دعائے رحمت مانگی اور حسب ذیل کلمات حضرت عمرؓ کے جنازۂ اقدس کو مخاطب کر کے فرمائے:

''آپ نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہ چھوڑا کہ میں اس کے جیسے اعمال کے ساتھ اللہ سے ملنے کی آرزو کروں ☆ اور اللہ کی قسم مجھے پہلے ہی سے یہ خیال تھا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ آپ کے صاحبین (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق) کے ساتھ کردے گا۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں گیا اور ابوبکر و عمر نکلے۔''(۱)

(غرض ہر بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ذکر مبارک کے ساتھ آپ دونوں کا بھی ذکر فرماتے تھے)۔

حدیث ششم : ''مستدرک حاکم'' میں روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا۔

''رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ سب سے بالا ہے ان کے بعد دوسرا نمبر حضرت ابوبکرؓ کا ہے اور تیسرا نمبر حضرت عمر کا ہے۔''(۲)

حدیث ہفتم : ''مستدرک حاکم'' میں روایت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

''اے محمد بن حاطب جب تم ''مدینہ'' پہونچو اور لوگ تم سے عثمان کے متعلق دریافت کریں تو تم کہنا اللہ کی قسم عثمان ان لوگوں میں سے تھے جن کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت ہے کہ وہ ایمان لائے اور انہوں نے تقویٰ

---

(۱) مَا خَلَفْتَ اَحَدًا اَحَبَّ اِلَيَّ اَنْ اَلْقَى اللّٰهَ بِمِثْلِ عَمَلِهٖ مِنْكَ وَ اَيْمُ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَا ظُنُّ اَنْ يَّجْعَلَكَ اللّٰهُ مَعَ صَاحِبَيْكَ وَ حَسِبْتُ اَنِّيْ كُنْتُ كَثِيْرًا اَسْمَعُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ذَهَبْتُ اَنَا وَ اَبُوْ بَكْرٍ وَّ عُمَرُ وَدَخَلْتُ اَنَا وَاَبُوْ بَكْرٍ وَّعُمَرُ وَخَرَجْتُ اَنَا وَاَبُوْ بَكْرٍ وَّ عُمَرُ۔

☆ دوسری روایات میں یہ مضمون ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے کہ اس کفن پوش کے بعد اب کوئی نہ رہا کہ اس کے جیسے نامۂ اعمال کی میں اپنے لیے خواہش کروں۔

(۲) سَبَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَّى اَبُوْ بَكْرٍ وَ ثَلَّثَ عُمَرُ۔

اختیار کیا اور نیک کام کیے۔'' (۱)

حضرت علی مرتضٰی کے علاوہ حضرات حسنین اور امام زین العابدین اور امام محمد وباقر و جعفر صادق رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی بہت فضائل تینوں خلیفہ خاص کر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے منقول ہیں، بطور نمونہ کے چند روایات حسب ذیل ہیں۔

حدیث ہشتم : حضرت محدث دہلوی نے ابن سمان کی کتاب ''الموافقۃ'' سے یہ روایت ابوجعفر (یعنی امام محمد بن باقر) سے نقل کی ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے اپنی پریشانی بیان کی کہ اتنے دنوں میں نے خلافت کی، مبادا کسی کے حق میں مجھ سے بے انصافی ہوگئی ہو، حضرت علیؓ نے کہا اللہ کی قسم آپ کا عدل وانصاف ایسا ہے اور ایسا ہے اس وقت حضرت عمرؓ کے داہنے بائیں حضرات حسنینؓ بھی تھے، ان دونوں نے بھی ان کے عدل وانصاف کی تعریف کی تو حضرت عمرؓ نے ان دونوں سے فرمایا کہ اے میرے بھتیجو! کیا تم (خدا کے سامنے) اس کی گواہی دوگے، یہ سن کر دونوں صاحبزادے خاموش ہوگئے اور اپنے والد کی طرف دیکھنے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''تم دونوں گواہی دینے کا اقرار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی دوں گا۔'' (۲)

حدیث نہم : مسند امام احمد میں ابو حازم سے روایت ہے کہ ایک شخص نے علی بن حسین یعنی امام زین العابدین سے پوچھا کہ:

''حضرت ابوبکر وعمر کو کیا منزلت یعنی تقرب رسول خدا ﷺ سے حاصل تھا؟ تو امام زین العابدین نے فرمایا کہ جو منزلت اِس وقت ہے۔'' (۳) (یعنی جو نزدیکی و تقرب ان کی قبروں کو حاصل ہے وہی تقرب بحالتِ حیات ان کو حاصل تھا۔)

---

(۱) یَا مُحَمَّدَ بْنَ حَاطِبٍ إِذَا قَدِمْتَ الْمَدِيْنَةَ وَسُئِلْتَ عَنْ عُثْمَانَ فَقُلْتَ كَانَ وَاللّٰهِ مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

(۲) إِشْهَدَا وَأَنَا مَعَكُمَا شَهِيْدٌ۔

(۳) مَا كَانَ مَنْزِلَةُ أَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْزِلَتُهُمَا السَّاعَةَ۔

حدیث دہم : امام محمد نے اپنے استاد امامِ اعظم ابوحنیفہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا ہم سے ابوجعفر یعنی محمد بن علی (باقر) نے بیان کیا کہ جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو حضرت علی ان کے پاس گئے اور انہوں نے کہا کہ اللہ آپ پر رحم کرے اللہ کی قسم زمین میں اب آپ سے زیادہ مجھے کوئی محبوب نہیں کہ اس کے جیسے اعمال نامہ کی میں اپنے لیے آرزو کروں۔

نیز سالم بن ابی حفصہ سے روایت ہے کہ میں نے امام باقر و جعفر سے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی بابت پوچھا تو دونوں نے کہا کہ وہ دونوں امام برحق تھے ہم ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کے دشمن سے بیزار ہیں پھر جعفر میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ اے سالم کوئی شخص اپنے جد کو بھی بُرا کہتا ہے ابوبکر صدیقؓ میرے جد تھے مجھ کو نبی ﷺ کی شفاعت نصیب نہ ہو، اگر میں ان دونوں سے محبت نہ رکھتا ہوں اور ان کے دشمن سے بیزار نہ ہوں: نیز امام باقر سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا جو شخص ابوبکر و عمرؓ کی فضیلت سے ناواقف ہو وہ سنت سے ناواقف ہے (۱)۔ نیز انہیں امام باقر سے پوچھا گیا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق آپ کا عقیدہ کیا ہے تو انہوں نے فرمایا:

"بتحقیق میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اور ان کے لیے استغفار کرتا ہوں کیونکہ میں نے اپنے اہل بیت میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو ان دونوں سے محبت نہ کرتا ہو۔" (۲)

نیز انہیں امام باقر سے پوچھا گیا کہ جو لوگ حضرت ابوبکر و عمرؓ کو برا کہتے ہیں ان کے متعلق آپ کا فتویٰ کیا ہے تو امام موصوف نے فرمایا اُولٰٓئِكَ الْمُرَّاقُ یعنی وہ بے دین لوگ ہیں۔

نیز انہیں امام باقر سے حسب ذیل کلمات منقول ہیں:

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان کو افضل امت نہ مانے وہ اہل سنت نہیں ہوسکتا اور اہلِ سنت ہونا ضروری ہے جیسا کہ خود حضرت علیؓ سے کتب شیعہ میں منقول ہے چنانچہ ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں آپ پڑھیں گے۔

(۲) اِنِّیْ اَتَوَلّٰی هُمَا وَ اَسْتَغْفِرُ لَهُمَا فَمَا رَأَیْتُ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ اِلَّا وَهُوَ یَتَوَلّٰی هُمَا

''جو شخص حضرت ابو بکر و عمر کی افضلیت میں شک کرے وہ ایسا ہے جیسے کوئی سنت نبویہ میں شک کرے اور حضرت ابو بکر و عمر کا بغض نفاق کی علامت ہے اور انصار کا بغض بھی نفاق کی علامت ہے۔''(۱)

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

حدیث دہم کو صرف ایک حدیث اس لیے شمار کیا گیا کہ اس میں حضرت علیؓ کا قول صرف ایک ہے باقی اقوال امام زین العابدین و امام باقر و جعفر کے ہیں یہ سب آثار واقوال ''ازالۃ الخفا'' میں منقول ہیں (دیکھو ''ازالۃ الخفا'' مقصد اول صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ عمدۃ المطابع لکھنؤ)☆

---

(۱) مَنْ شَكَّ فِيهِمَا كَمَنْ شَكَّ فِي السُّنَّةِ وَبُغْضُ أَبِي بَكْرٍ و عُمَرَ نِفَاقٌ وَبُغْضُ الْأَنْصَارِ نِفَاقٌ

☆ کاش کہ اللہ تعالیٰ مضمون ہذا کو ان لوگوں کے لیے اصلاح و ہدایت کا ذریعہ بنا دے جو اہل سنت کی مسجد کے امام و خطیب ہونے کے باوجود مصنف ''خلافتِ معاویہؓ و یزید'' (محمود احمد عباسی) کو شیخ الاسلام و مجدد تاریخ اور رحمۃ اللہ علیہ جیسے القابات جلیلہ سے نوازتے رہے اور بخلاف اس کے عارف باللہ پیکران علم باقر و جعفرؒ کو ''شیعہ امام باقر اور شیعہ امام جعفر'' لکھ کر شیعوں کو خوش کرتے اور اللہ تعالیٰ کو اپنے اور اپنے بھولے بھالے نمازیوں سے نالاں و بیزار بنا رہے ہیں اور تماشا یہ ہے کہ یہ پورا کھیل ردِ شیعہ اور حب صحابہ کا لیبل لگا کر کھیلا جا رہا ہے۔

؎ خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

میں مخالفین اسلاف اور محبان یزید سے اتنا عرض کردوں کہ

؎ نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

(مرتب)

فیصلہ کن سوالات وجوابات ☆

مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ

سوال : ایک روز چند اشخاص اہل سنت والجماعت کے ایک جگہ بیٹھے تھے، ان میں تذکرہ مذہب کا تھا، تفضیل الشیخین پر فریقین متفق ہیں۔

(۱) احمد کا دعویٰ ہے کہ اولاد رسول اللہ ﷺ کی شان اعلیٰ ہے، محمود کا دعویٰ ہے کہ صحابہؓ کی شان اہل بیت اطہار سے بڑھی ہوئی ہے اور یہ کہ صحابہ کی شان میں حدیث آئی ہے کہ جو کوئی ان کی پیروی کرے گا ہدایت پائے گا، اس کے علاوہ قرآن پاک کی آیت سے بھی ان کی شان و مرتبہ کا پتہ چلتا ہے، احمد نے کہا اہل بیتؓ کی شان میں بھی حدیثیں آئی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں دو چیزیں اپنے بعد موجب نجات اپنی امت میں چھوڑے جاتا ہوں، ان میں سے ایک قرآن پاک اور دوسری اہل بیت ہے، جو ان دونوں کو اختیار کرے گا نجات پائے گا، محمود نے کہا وہ حدیث جو صحابہ کی شان میں ہے اس کے مقابلہ میں اہل بیت کی شان کی حدیث نہیں ہے۔

(۲) اسی مجلس میں ذکر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا آیا، اس پر محمود نے کہا کہ وہ ''عشرہ مبشرہؓ'' میں ہیں، احمد نے کہا کہ مجھے ''عشرہ مبشرہؓ'' کی تو تحقیق نہیں لیکن آپؓ صحابی ضرور ہیں مگر ان سے کچھ غلطی ہوئی، چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ نے ''تحفۂ اثناعشریہ'' میں لکھا ہے کہ ان سے خطا ضرور ہوئی، محمود نے کہا کچھ بھی ہو لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا درجہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسین علیہ السلام یعنی اہلِ بیت سے بڑھا ہوا ہے، براہ کرم اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔

(۳) بعدہ ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ ایسا اعتراض حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے

☆ عنوان از ''مرتب''

ایمان پر بھی ہے کیونکہ وہ نابالغی کی حالت میں ایمان لائے تھے اور نابالغی کے ایمان اور فعل کا اعتبار نہیں ہوتا۔

(۴) حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر کن کن صحابہ کو فضیلت ہے؟

(۵) ایک بار تذکرہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا آیا تو کسی نے کہا کہ ان کی شہادت تو مروان کے فعل سے ہوئی جیسا کہ مشہور ہے کہ فاقبلوا کی جگہ فاقتلوا لکھ دیا، جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خبر ملی کہ دشمنوں نے خلیفہ سوم کے مکان کو گھیر لیا ہے اور حملہ آور ہیں تو اپنے دونوں صاحب زادوں کو مسلح کر کے بھیجا اور سمجھا دیا کہ حضرت عثمانؓ کو دشمنوں کے آزار سے بچانا۔ اس پر محمود نے کہا کہ یہ کام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا صرف دکھانے کا تھا حقیقتاً ان کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت منظور نہ تھی۔(۱)

حضرات علماء سے دریافت کیا جاتا ہے کہ کیا واقعی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ظاہر کچھ تھا اور باطن کچھ؟ المستفتی نمبر ۵۲۳ شیخ شفیق احمد (ضلع مونگھیر) ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۹ جولائی ۱۹۳۵ء۔

(۱۴۲) جواب (۱) صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان بھی رفیع ہے اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شان بھی بلند ہے، ''اہل بیت'' میں داخل ہونے کا شرف جدا ہے اور فضیلت صحبت جدا، دونوں کے متعلق صحیح حدیثیں موجود ہیں، جن لوگوں کو دونوں شرف حاصل ہوئے یعنی وہ ''اہل بیت'' میں بھی ہیں اور صحابی بھی ہیں جیسے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما ان کی فضیلت دونوں جہت سے ثابت ہے اور جو اہلِ بیت میں شامل ہیں مگر صحابی نہیں ان کو ایک شرف حاصل ہے دوسرا نہیں، جو صحابی ہیں مگر اہل بیت میں شامل نہیں، ان کو بھی ایک شرف حاصل ہے دوسرا نہیں، اس کے بعد علم و تقویٰ اور دیگر صفات کی وجہ سے فضیلت کے مراتب کم و بیش ہوتے ہیں، اس لیے اس بارے میں اسی قدر اعتقاد پر اکتفا کرنا اسلم ہے، شیخین کی فضیلت کلیہ باوجود ''اہلِ بیت'' میں داخل نہ ہونے کے صرف صحابی ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے اوصاف کاملہ علم و

---

(۱) مولوی عظیم الدین وغیرہ بھی ایسا ہی تاثر دیتے ہیں۔ (مرتب)

تقوی اور خدمات دینیہ کی بنا پر ہے جن میں وہ خاص امتیازی شان رکھتے ہیں۔
(۲) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں عشرہ مبشرہؓ میں داخل نہیں ہیں اور یہ کہنا بھی درست نہیں کہ وہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں، ان کے لیے وہ مناقب جو احادیث میں آئے ہیں کہ وہ حضورؐ کے کاتب وحی تھے اور حضورؐ نے ان کو اپنا کرتہ مرحمت فرمایا تھا اور دعا دی تھی (۱) اور ان کے پاس حضور کے

(آگے کچھ عبارت رجسٹر میں منقول نہیں ہے (واصف)) ☆

(۳) یہ اعتراض مہمل اور لغو ہے، یہ تو حضرت علی کی فطری اور طبعی صلاحیت کی دلیل ہے کہ بچپنے میں ہی ان کو معرفت حق اور قبول صداقت کی توفیق مبدأ فیاض سے عطا ہوئی تھی۔

(۴) ترتیب فضیلت ترتیب خلافت کے موافق ہے، یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی ذوالنورین حضرت علی سے افضل ہیںؓ، ان تینوں کے بعد حضرت علی باقی صحابۂ کرام سے افضل ہیں۔

(۵) یہ خیال کہ حضرت علی نے صرف دکھاوے کے لیے حضرت حسن وحسین کو بھیجا تھا، حفاظت منظور نہ تھی، بدگمانی ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ایسی بدگمانی کرنی مناسب نہیں۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

سوال : متعلقہ واقعہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔

(۱۴۶) جواب : جب مفسدوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن وامام حسین رضی اللہ عنہما کو ان کے دروازے پر حفاظت کے لیے متعین کر دیا تھا کہ کوئی مفسد گھر میں داخل نہ ہو سکے،

---

(۱) یہی امام ابن تیمیہ اور تمام اہلسنت کا متفقہ فیصلہ ہے۔ (۲) مولانا محمد اسحاق سندیلوی اور جعفر شاہ پھلواروی کے ممدوح مولوی عظیم الدین بھی یہی تاثر دے رہے ہیں بلکہ یزید کو خلیفہ رابع علی مرتضیٰ کے مقابلہ میں اعلیٰ سیرت وفہم کامل ثابت کر رہے ہیں۔ (مرتب)

(☆) نقل مطابق اصل (مرتب)

مفسد دروازہ چھوڑ کر دوسری طرف سے دیوار پر چڑھ کر گھر میں اترے اور حضرت عثمان کو قتل کر دیا، حضرت علی کو جب خبر ہوئی تو انھوں نے آ کر امام حسن کے منھ پر طمانچہ مارا اور حضرت امام حسین کے سینے پر پتھر مارا اور فرمایا کہ تم دونوں کے موجود ہوتے ہوئے حضرت عثمان کیسے شہید کر دیے گئے، جب حضرت علی کو واقعہ معلوم ہوا کہ قاتل دیوار پھاند کر گھر میں گھسے تو انھوں نے امام حسن اور امام حسین کو معذور سمجھا، حضرت عثمان کے منھ پر طمانچہ مارنے کا بیان صحیح نہیں اور حضرت عثمان دوسرے روز دفن ہوئے، تین دن نعش کا پڑا رہنا بھی غلط ہے اور جنت البقیع میں دفن ہوئے، یہودیوں کے قبرستان میں دفن ہونا بھی درست نہیں۔ محمد کفایت اللہ

سوال : حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت غصب خلافت کا الزام نیز یزید کو آپ کا ولی عہد سلطنت باوجود اس کے فسق و فجور کے بنانا جس کو بعض سنی بھی کہتے ہیں کس حد تک صحیح و درست ہے؟

المستفتی نمبر ۱۴۰۴ اسید خلیل حیدر (کانپور) ۵ رصفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۷، اپریل ۱۹۳۷ء۔

(۱۴۷) جواب : حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تھی اور اس کے بعد وہ جائز طور پر خلافت کے حامل تھے، انھوں نے یزید کے لیے بیعت لینے میں غلطی کی کیونکہ یزید سے بہتر اور اولیٰ و افضل افراد موجود تھے، لیکن اس غلطی کے باوجود یزید کے اعمال و افعال کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہوگی، کیونکہ اسلام اور قرآن پاک کا اصول ہے، لا تزروا زرۃ وزر اخری، اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی اور درشتی نہیں کرنی چاہیے۔ ☆

☆ یہ سوالات و جوابات "کفایت المفتی" جلد ثانی مؤلفہ مفتی کفایت اللہ سابق مفتی اعظم ہند سے نقل کیے گئے ہیں از ص ۱۳۰، ص ۱۳۱، ص ۱۳۲، ص ۱۴۰، ص ۱۴۱۔ (مرتب)

نذر

میں نہیں جانتا کہ اپنے ان عقیدت بھرے مضامین اور شبانہ روز کی سخت محنت و جانفشانی سے ترتیب دیے ہوئے اوراق کو کس بلند بارگاہ کے حضور میں پیش کر کے فخر ''سُرخروئی'' حاصل کروں، ہاں شیر خدا حضرت علی مرتضیٰؓ جن دو ہستیوں کے متعلق یہ فرماتے تھے کہ ''میں نے سرکارﷺ کو جب اپنا ذکر کرتے سنا ہے تو وہ اپنے ذکر کے ساتھ اُن دونوں کا ضرور ذکر کرتے تھے'' اگر کہیں اس عرفانی دربار اور نور بھری سرکار میں مجھ سراپا معصیت کی رسائی ہو جاتی جہاں خدا کی مخلوق میں سب سے بہتر یہ تینوں ہستیاں پاس پاس بلافصل محوِ خواب ناز ہیں تو ضرور اس قلیل العیار پونجی کو ان کی چوکھٹ پر رکھ کر بوسہ دیتا اور عرض کرتا

ع زچشم آستیں بردار و گوہر را تماشہ کن☆

عبدالمومن الفاروقی
از دفتر النجم لکھنؤ

یکم محرم ۱۳۵۳ھ
یوم دوشنبہ

☆مری آنکھوں پر سے آستین کو ہٹا کر ذرا برستی موتیوں (آنسو کے قطروں) کا نظارا تو کیجیے۔ (مرتب)

اہلسنت کا پیمانۂ عقیدتِ حسین رضؓ

رئیس التحریر مولانا عبدالمؤمن فاروقی لکھنوی خلف الرشید علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ

فرات کے کنارے

ایثار وفدویت

نور چشمِ نبیؐ، لخت جگر زہراؓ، فرزند حیدرؓ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے کنبے کا ہوشربا ایثار وفدویت

بشنو احوالِ شہادت راز خدامِ حسین

غالیاں آشفتہ تر گویند این افسانہ را

لیکن حضرت معاویہؓ نے ۵٦ھ میں جبکہ امارت یزید کے متعلق اپنی زندگی میں بیعت لی ہے اِفساد وتخریب کا آغاز ہوتا ہے، مورخ جلیل علامہ ''طبری'' کی روایت کے مطابق ساری دنیاء اسلام میں سوائے ''مدینہ'' کے چند لوگوں کے باقی سب نے اسکی بیعت کا قلادہ اپنے گلے میں طوعاً وکرہاً ڈال لیا۔ ☆

(☆) النجم کا عاشور نمبر ص ۲۔ قارئین اس سے قبل مکتبے کا شائع کردہ مولانا موصوف کا نہایت جامع وتاریخی مضمون ''عقدامِ کلثوم'' اپنے مطالعے میں لا چکے ہوں گے۔؟؟ (مرتب)

مسرت بخش تبدیلی

مرتب

تقریباً پچیس سال (۱) سے محمود احمد عباسی مصنف ''خلافت معاویہ و یزید'' کے مقابلہ میں علماء امت پر جو مایوس کن جمود طاری تھا الحمدللہ وہ کچھ عرصہ سے ٹوٹنا شروع ہو گیا ہے، اس ایمان سوز فتنہ کے مقابلہ میں بیداری ان شاء اللہ شیر کی بیداری ثابت ہوگی اور اس حقیقت کا شافی ثبوت مل جائے گا کہ ہر فتنہ اور سازش کا مقابلہ صرف وہی خوش بخت کرتے ہیں جو العلماء ورثة الانبیاء کے منصب جلیل پر فائز ہیں، یاد رکھیے اللہ کے دین کا تحفظ متعلق باللہ اہل علم ہی کر سکتے ہیں خواہ وہ مقابلہ قرآن وسنت کے بہترین نمونہ ومظہر خلفاء ثلاثہ کی مدافعت وحمایت میں ہو یا علی وحسنین وفاطمہ بنت رسول کی مدافعت وصفائی میں۔

ان دو تین سال کے اندر عباسی فتنہ کے مقابلہ میں موقر اہلِ علم کی طرف سے منظر عام پر آنے والی کتب میں پہلی مفصل کتاب تو ''استخلاف یزید'' ہے جس نے یزیدیوں کی کمر توڑ دی ہے، تمام اہل علم و ایمان اہلِ سنت کو مولانا سید لعل شاہ بخاری مدظلہ العالی کا ممنون ہونا چاہیے، دوسری کتاب جو صرف یزید کے حالات وتعارف پر مبنی ہے، ''یزید کی شخصیت'' مولفہ علامہ محمد عبدالرشید نعمانی ہے، مولانا پہلے ہی سے ''ہندو پاک'' کے مسلمہ مشہور ومعروف پیکر بصیرت محقق ہیں، ''لغات القرآن'' سے لے کر ہر تصنیف مولانا کی علمی عظمت ویکتائی کا منھ بولتا نمونہ ہے اسی لیے علمبردار فتنہ محمود احمد عباسی صاحب مولانا سے لرزاں وخائف رہتے تھے اور خود مولانا سے براہِ راست یہی درخواست کرتے تھے کہ آپ اس موضوع پر قلم نہ اٹھائیں، مگر مولانا موصوف پیکر علم وبصیرت ہونے کے ساتھ ساتھ چوں کہ پیکر ایمان بھی ہیں اس لیے آپ نے علی وحسنین کو یزید سے کمتر باور کرانیوالوں سے کتاب وسنت اور تاریخ اسلامی کی روشنی میں نمٹنا اپنا

---

(۱) واضح رہے کہ یہ سن وشمار کتاب کی پہلی اشاعت (۱۹۸۳ء) کے ہیں۔ (مرتب)

ایمانی فرض خیال فرما کر حضور اکرم ﷺ کے ارشاد مبارک "العلماء ورثة الانبیاء" کی بہترین نظیر قائم فرمادی، مداحین یزید کو اپنی تاریخ دانی پر بڑا ناز ہے، مولانا نے ان کے اسی ناز اور اکڑ کو چیلنج کیا ہے اور خاک میں ملا کر رکھ دیا ہے، حقیقتاً ''یزید کی شخصیت'' کتاب نے عشاق یزید کو پیشانی کے بال پکڑ پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا ہے، اب دیکھیں کون باغیرت اس مانند قہرِ الٰہی کتاب کا جواب دیتا ہے؟ دراصل یہ کتاب کیا ہے، علی و حسنین کے مقابلہ میں اس رسواء زمانہ یزید اور اس کا ڈنکا پیٹنے والوں کا ایمان بخش جنازہ ہے۔(۱)

جہاں تک علماء اہل سنت کا تعلق ہے، وہ اپنی ہی کتب کی روشنی میں یزید کی فرد جرائم کو واضح اور علی و حسنین کے منور و تاباں چہروں پر لگائے ہوئے داغ دھبوں کو دھو سکتے ہیں، مگر محبان یزید کی دوسری پناہ گاہ کتب شیعہ ہیں جن سے پرستاران یزید بغلیں بجا بجا کر عامۃ الناس کو دھوکے دے رہے ہیں۔

شیعہ حضرات یا تو اپنی کتب سے ایسی روایات کو یکسر خارج کریں، جو علی و حسنین و فاطمہ کے ایمان و ناموس اور اخلاقی و اعتقادی وقار و صحت کو مجروح کرتی ہیں یا ان کی معقول توجیہ کریں جس سے وقار اہلِ بیت محفوظ ہو سکے۔ میں مشتے نمونہ از خروارے چند روایات کی نشان دہی کرتا ہوں۔

(۱) صلیٰ علی علیه السلام بالناس علیٰ غیر طهر و کانت الظهر فخرج منادیه ان امیر المومنین علیه السلام صلیٰ علیٰ غیر طهر فاعیدوا ولیبلغوا الشاهد الغائب (۲)۔

ایک روز علی مرتضیٰ نے ظہر کی نماز بلا وضو پڑھادی اس حقیقت سے نماز کے بعد مؤذن نے نمازیوں کو مطلع کیا اور کہا کہ امیر المؤمنین نے اس وقت بے وضو نماز پڑھادی ہے آپ سب لوگ گھر جا کر اس نماز کو لوٹا لیں اور جو لوگ جا چکے ہیں ان کو مطلع کردیں تاکہ وہ بھی نماز کو لوٹا لیں۔

---

(۱) پیکرِ علم و ایمان حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی بھی گزشتہ سال اللہ کو پیارے ہوگئے بوقت اشاعت اول کتاب ہذا حیات تھے، مرتب کی حوصلہ افزائی و رہنمائی اور شفقت کا باعث تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کے ساتھ درجات بھی بلند فرمائے۔ آمین (مرتب)

(۲) استبصار

(۲)لو توفی الحسن ابن علی علیٰ الزنا و الربا و شرب الخمر کان خیرا مماتوفی علیه(۱)

اگر حسن ابن علی زانی، جواری اور شرابی ہونے کی حالت میں مرتے تو وہ بھی موجودہ حال میں مرنے سے بہتر ہوتا۔ (کتب شیعہ میں حضرت حسن کا حضرت امیر معاویہ سے بیعت کرنا جوا، زنا اور شراب سے زیادہ بدتر گناہ کرنا ہے۔)

(۳)لوجزانفی لکان احب الی ممافعله اخی۔

فی الواقع میری ناک کٹ جانا مجھے زیادہ محبوب تھا بمقابلہ اس کے جس درجہ حسن میرے بھائی نے میری ناک کاٹی ہے(حضرت حسین کا اشارہ حضرت حسن کا حضرت معاویہ کے حق میں خلافت سے دست برداری اور مزید برآں حضرت معاویہ کی بیعت کر لینا ہے۔)

(۴)مَنْ تَمَتَّعَ مَرة دَرجته کدرجةِ الحسین ومَن تمتّع مرتینِ درجته کدرجة الحسن ومن تمتّع ثلاث مرات کدرجة علی ومن تمتع اربع مرات کدرجتی ۔(۲)

(رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ) جس شخص نے ایک مرتبہ متعہ کیا اس نے حسین کا درجہ پایا اور دو مرتبہ شرف متعہ سے مالا مال ہونے والا حسن کے درجے پر، تیسری مرتبہ متعہ کرنے والا علی مرتضیٰ کے درجہ پر اور چوتھی مرتبہ متعہ کی سعادت خود میرے درجہ پر پہنچائے گی (انا للہ وانا الیه راجعون)

ناظرین یہ عقدہ خود اپنے فہم وضمیر سے حل فرمالیجیے کہ پانچویں مرتبہ شرف متعہ سے ہم کناری عظمت و مقبولیت کے کون سے مقام پر پہنچائے گی؟ بظاہر تو سوائے مقامِ الٰہی کے درجہ ہی کونسا باقی رہ گیا ہے، ساتھ ساتھ اگر یہ پہلو بھی پیشِ نظر فرمالیں کہ مذکورہ تاریخ وتعلیم کی روشنی میں ائمہ کا انسانی اور اخلاقی مقام کیا قرار پاتا ہے تو بڑی عنایت ہو۔

اتنا عرض کردوں کہ کتب شیعہ صرف متعہ کی ترغیب وتحریص پر قناعت نہیں

---

(۱)''احتجاج طبرسی ص ۱۹۵''،(۲)''تفسیر منہج الصادقین''۔

کرتیں بلکہ جو بھی نصیب کا مارا شیعہ متعہ کی سعادت سے ہم کنار ہوئے بغیر قبر میں پہنچ جائے گا وہ بروزِ قیامت قبر سے نکٹا اور مسخ اٹھایا جائے گا۔

"ہر کہ از دنیا بیروں رود و متعہ نہ کند روز قیامت بد منظر و بد ہیئت باشد مانند کسے کہ بینی او رابریدہ باشد۔"

اب کچھ اور ذائقہ بدل لیجیے۔

باخطاب ہائے درشت باسید اوصیاء نمود، کہ مانند جنین در رحم پردہ نشین شدہ و ہمچو خائنا در خانہ گریختہ۔

(رفیقۂ حیات فاطمہ بنتِ رسولؐ نے مطالبۂ فدک میں دربار ابوکر سے تن تنہا ناکام و نامراد واپس آ کر اپنے شوہر علی مرتضیٰ (شیرِ خدا) سے) بحالت غیض و غضب کہا کہ

"تو گھر میں اس طرح چھپا رہتا ہے جس طرح بچہ ماں کے پیٹ میں اور تو چوروں کی طرح گھر میں داخل ہوتا ہے۔"

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

میدانِ کربلا میں یزید کی طرف سے حضرت حسین پر توڑے جانے والے شدائد و مصائب کا جو سراغ شیعوں کے عظیم محقق و شارح علامہ قزوینی نے تحریر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یزید کو حسین پر بشدت مشتعل و غضب ناک بنا دینے والا خود بمقابلہ یزید حسین ہی کا ایک معیوب اقدام تھا، حضرت حسین کا زوجہ عبداللہ بن زبیر کو سنتے ہی وقت کے حکمران (یزید) کے مقابلہ میں فریفتہ ہو کر پیام نکاح بھجوا دینا اور معلوم ہوتے ہوئے پیام یزید کے جواب کا انتظار نہ کرنا اور ضابطۂ اخلاق کو پس پشت ڈال کر نکاح کر لینا کیا جائز تھا؟ کیا ایک حکمران کے لیے ذلت و شکست باعثِ انتقام و اشتعال نہ تھی جو واقعہ کربلا پر منتج ہوگئی، واقعہ یہ ہے کہ محبان یزید اور پیروان عباسی کی کتب شیعہ ہی نے

ہمت بڑھا رکھی ہے اور صرف کتب شیعہ ہی عشاق یزید اور دشمنان حسین کی اصل پونجی و رونق ہیں، ورنہ کتب اہل سنت میں تو حسین کے اخلاقی اور ایمانی وقار کو مجروح کرنے والی ایک سطر بھی نہیں مل سکتی، اب سوچیے کہ محبّ حسین اور مخالف یزید اہلِ سنت ہیں یا شیعہ، شارح ''اصول کافی'' علامہ قزوینی کی سنیے وہ لکھتے ہیں:

ترجمہ : عبداللہ بن زبیر کے پاس ایک عورت تھی جس کے حسن و جمال کا اس زمانہ میں بہت چرچا تھا، یزید کو جب اس عورت کا پتا لگا تو وہ اس کا اَن دیکھا عاشق ہو گیا اور طرح طرح کی تدبیریں کر ڈالیں، یہاں تک کہ ابنِ زبیر نے اس کو طلاق دے دی، تو یزید نے فوراً ابوموسیٰ اشعری کو اپنا وکیل نکاح بنا کر اس حسینہ کے پاس بھیجا تا کہ وہ یزید کا عقد کرا دیں، جس روز ابوموسیٰ کو یزید کا وکالت نامہ پہنچا ابوموسیٰ اس عورت کے گھر روانہ ہو گئے، راستہ میں عبداللہ بن عمر سے ملاقات ہو گئی اطلاع حال کے بعد انھوں نے بھی اپنی طرف سے ابوموسیٰ کو وکیل نکاح بنا دیا اور چند ہی قدم گئے ہوں گے کہ حضرت حسین سے ملاقات ہوئی اطلاع حال کے بعد انھوں نے بھی ابوموسیٰ کو اپنا وکیلِ نکاح کر دیا، غرضکہ جب ابوموسیٰ اس عورت کے پاس پہنچے تو کہا اے عورت تیرے چار طالب ہیں اور میرے آنے کی غرض یہ ہے کہ ان میں سے جس کسی کے ساتھ تو راضی ہو میں تیرا نکاح کر دوں، عورت نے کہا وہ کون کون لوگ ہیں ابوموسیٰ نے بتایا کہ اول تو میں خود ہوں اگر قبول کرے۔ دوسرے یزید، تیسرے عبداللہ بن عمر، چوتھے امام حسین، عورت کہنے لگی، میں جوان ہوں اور میرے پاس مال بھی کثیر ہے اور تم بڈھے مجھ میں اور تم میں کوئی مناسبت نہیں ہے تم اپنے خیال خام سے باز آؤ تو پھر تین باقی ماندہ کے متعلق تم سے مشورہ کروں ابوموسیٰ نے کہا اچھا میں اپنے خیال سے باز آیا، اگر تو دنیا اور لذت لہو و لعب کی طالب ہے

تو یزید کے ساتھ نکاح کر اور اگر حسن و جمال وتقویٰ کی طالب ہے تو عبداللہ بن عمر سے اور اگر حسن خلق و علم اور بردباری اور فضائل کمالات حسب ونسب اور ہم نشینی فاطمہ کی طالب ہے تو پھر حسین موجود ہیں، حسینہ تھوڑی دیر سوچنے اور غور کرنے کے بعد بولی دنیا کی جاہ اور دولت سب مٹنے والی ہے اور جوانی و جمال کو بھی ایک دن بڑھاپا خاک کردے گا، مگر خدمت اہلِ بیت موجب سعادت ابدی ہے، لہٰذا اس نے ابوموسیٰ کو وکیل کیا تا کہ وہ امام حسین کے ساتھ اس کا عقد کردیں چنانچہ عقد ہوگیا اور امام حسین اس پر قابض بھی ہوگئے۔

جب یہ خبر شام پہنچی تو یزید کی عداوت امام حسین کے ساتھ اور بڑھ گئی۔

منجملہ ان اسباب کے ایک یہ ہے کہ امام حسین کے بھانجے عبداللہ بن جعفر کی لڑکی کو لوگوں نے یزید کی طرف سے پیغام دیا اور بھری مجلس میں جہاں قریش وغیرہ کے سربرآوردہ لوگ موجود تھے مروان بن حکم حاکم مدینہ نے حضرت معاویہ کی جانب سے تقریر کی جس میں بہت تعلی اور فخر و مباہات کی باتیں تھیں اور یزید کی جانب سے بہت کافی مہر، حضرت امام حسین نے تمام باتوں کا شافی جواب دے دیا اور اس کا اپنے چچازاد بھائی قاسم بن محمد بن جعفر کے ساتھ عقد کردیا اور از خود ایک جائداد جس کی سالانہ آمدنی آٹھ ہزار اشرفیاں ہوتی تھیں قاسم کی طرف سے دی، یہ دیکھ کر مروان کا چہرہ پیلا پڑ گیا اور کہنے لگا ہمیں بنی ہاشم نے بڑا دھوکا دیا اور ہم کو بہت رسوا و ذلیل کیا پھر بھی عداوت وعناد نہیں چھوڑتے، حضرت نے فرمایا یہ اس کا نتیجہ ہے کہ عائشہ دختر عثمان کو میرے بھائی حسن نے مانگا تھا اور تم نے ان کو نہیں دیا، بلکہ عبداللہ بن زبیر کے ساتھ عقد کردیا حالاں کہ انھوں نے بھی اس کو طلاق دے دی۔"

اس کے علاوہ ایک موقعہ پر مولانا ناصر الملت اور مولانا نجم الملت نے جو تحریری بیان انگریز گورنر یوپی کو آج سے ۵۷ سال (۱) قبل ۸/اپریل ۱۹۰۸ء کو دیا تھا اس کو بھی مطالعہ میں لے آیئے:

(۱) ۸/اپریل ۱۹۰۸ء کو سر جان ہیویٹ لیفٹننٹ گورنر "صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ" کی خدمت میں شیعیان لکھنؤ کی جانب سے ایک عرضداشت بزبان انگریزی پیش کی گئی تھی اس میں تحریر ہے:

"شیعہ مذہب کا اصل اصول یہ ہے اور شیعہ سنّی کے درمیان حقیقی امتیاز کا موجب شیعوں کا یہی عقیدہ ہے کہ خلفائے ثلاثہ یعنی ابوبکر و عمر و عثمان صرف یہی نہیں کہ پیغمبر کے جانشین برحق نہ تھے اور وہ صرف -----غاصب ہی نہ تھے بلکہ رسول کی اپنی صاحبزادی اور خاندانِ رسالت کے دیگر اراکین کے-----قاتل تھے ان سب سے بڑھ کر یہ کہ خود امام حسین کی شہادت کے-----موجب اول تھے۔"

(۲) ۱۹/دسمبر ۱۹۳۰ء کو نامور مجتہدین لکھنؤ شمس العلماء مولوی نجم الحسن، شمس العلماء مولوی ناصر حسین اور ۱۵ دیگر اکابر شیعہ نے ایک عرضداشت بزبان انگریزی سرہیری ہیگ گورنر صوبجات متحدہ کی خدمت میں پیش کی جس میں بیان کیا گیا کہ:

"مدح صحابہ میں ایسے اشخاص کی تعریفیں کی جاتی ہیں جن کے اقوال و افعال نے شیعہ قلوب میں ایسے گہرے زخم ڈال دیے ہیں جو تیرہ سو برس گذرنے پر بھی مندمل نہیں ہوئے ہیں اور نہ یہ زخم اُس وقت تک مندمل ہو سکتے ہیں، جب تک ان کا اعتقاد اپنے مذہب پر قائم ہے، ہم اس موقعہ پر اُن دل دوز واقعات کی تفصیل بیان کر کے حضور والا کے بیش قیمت وقت کو ضائع کرنا نہیں چاہتے، جن کے ذمہ دار شیعوں کے نزدیک ان کی تواریخ اور دیگر عقائد کے مطابق وہی حضرات ہیں جن کی تعریف و توصیف کی جاتی ہے۔

---

(۱) اب ۹۸ سال (مرتب)

ایک شیعہ بچہ ان واقعات کو اپنی ماں سے سنتا ہے اور جیسے جیسے اُس کی عمر بڑھتی ہے اسی حساب سے وہ تفصیل جانتا جاتا ہے، ہم مشتے از نمونہ چند واقعات بیان کرتے ہیں۔

(۱) ان حضرات نے جن کی مدح خوانی پر سنّیوں کو اصرار ہے جائداد موسومہ ''باغ فدک''۔۔۔۔۔غصب کرلیا جس کو رسول اللہ اپنی اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہ (زوجہ حضرت علی و مادر حسن و حسین) کے مصارف کے لیے دے گئے تھے اور اس کو واپس نہیں کیا، باوجودیکہ حضرت فاطمہ نے تمام و کمال ثابت کر دیا تھا کہ رسول اللہ نے اس جائداد کو ان کے حق میں ہبہ کر دیا ہے اور نہ ان کے حق میں میراث کو تسلیم کیا گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان محترمہ کو اوران کے بچوں کو عُسرت کی زندگی گذارنا پڑی۔

(۲) ان حضرات کی بے رحمی اسی پر ختم نہیں ہوئی بلکہ اُنھوں نے حضرت فاطمہ کے گھر میں آگ بھی لگا دی۔

(۳) ان حضرات کا طرز عمل۔۔۔۔۔انتہائی ظالمانہ ہوگیا جبکہ یہ لوگ حضرت فاطمہ کے مکان کا دروازہ گرانے اور ایسا کرتے وقت اُن کو صدمہ پہنچانے کے مرتکب ہوئے ان ضربات کی وجہ سے اس بچہ کی جو اُن کے رحم میں تھا نیز خود ان کی موت بہت جلد وقوع میں آئی۔

(۴) حضرت علی نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کی تھی لیکن ان کو امن وسکون سے بیٹھنے نہ دیا گیا، ''آپ کی گردن میں رسّی باندھ کر آپ کو واقعتاً آپ کے مکان سے مسجد تک گھسیٹ کر لایا گیا اور وہاں آپ سے کہا گیا کہ یا موت اختیار کریں یا خلیفۂ وقت کی اطاعت۔''

(۵) ان حضرات نے خاندانِ نبوت پر (نعوذ باللہ) بڑے بڑے

شدائد اور دلخراش مظالم کیے، امام حسن برادر معظم امام حسین قتل کیے گئے، یہی وہ حضرات ہیں جن کو شیعہ انجام کار امام حسین اور ان کے اقارب کی شہادت کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔"

(۳) اسی قسم کے عقائد ان مرثیوں میں نظم کیے گئے ہیں جو شیعوں کی مجالس میں اور تعزیوں، علموں وغیرہ کے ساتھ عام گذرگاہوں پر پڑھے جاتے ہیں چنانچہ میر انیس جو مرثیہ گویان اردو میں سب سے زیادہ ممتاز و مقبول ہیں ان کے مجموعہ مراثی مطبوعۂ نولکشور پریس سے (۱) چند اشعار یہاں بطور نمونہ نقل کیے جاتے ہیں:

بیٹی کو کہو کون سے مرسل کے ستایا
کس کے شکم پاک پہ دروازہ گرایا
داماد کا حق کون سے مرسل کے مٹایا
گردن میں رسن باندھ کے کس کو ہے پھرایا
جو دوست ہے اس کا وہ مرا دوست ہے واللہ
دشمن ہے جو اس کا وہ مرا دوست ہے واللہ
رتبے سے علی کے میں تمہیں کرتا ہوں آگاہ
جو اس سے بغی ہوئے گا کافر ہے وہ بدخواہ
جس کو کہ یقیں اس کی امامت کا نہیں ہے
قائل وہ محمدؐ کی رسالت کا نہیں ہے

تبصرہ از مرتب: راقم الحروف کو اس امر کا پورا پورا احساس و اعتراف ہے کہ پوری شیعہ قوم کے نزدیک ناصر الملت علامہ ناصر حسین لکھنوی اور نجم الملت علامہ نجم الحسن امروہوی دونوں شیعہ قوم و مذہب کے کماحقہ ترجمان و مسلمہ نمائندہ حضرات ہیں، یہ دونوں حضرات امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کے ہم عصر ہیں اور غالباً

---

(۱) جلد دوم صفحہ ۴۔

علامہ لکھنویؒ سے ناصر الملت صاحب کا مناظرہ بھی ہوا ہے لیکن سنی ہونے کی حیثیت سے راقم ایسی تمامتر روایات کے بالکل غلط اور مبنی بر عناد و سازش سمجھنے پر مجبور ہے جن سے علی و فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم پروردہ نبی اکرم ﷺ کے ایمان و ناموس پر ذرہ بھر بھی آنچ آتی ہو، ایسی تمامتر روایات جن سے حضراتؓ بالا موجودہ قرآنِ کریم پر معترض اور مدعی تحریف نظر آتے ہوں یا ان نفوس قدسیہ کی شرافت و عزتِ نفس کو مجروح و پامال کرتی ہوں بالکل جعلی اور من گھڑت ہیں خواہ ان کا تعلق کتب نواصب سے ہو یا کتب شیعہ سے، علی مرتضیٰ کی رفیقۂ حیات فاطمہ بنت رسول پر دروازہ گرانے، ان کے گھر کو آگ لگانے یا اس جگر گوشہ رسول کو ایسی ضربات شدیدہ جن سے سیدۂ کائنات کا حمل تک ساقط ہو گیا دراں حالیکہ شوہر شیر خدا اور فاتح خیبر حیات ہے بالکل ناممکن ہے، بتایئے علی مرتضیٰ کے گلے میں رسّی ڈال کر کھینچنے والی روایات میں صحت کا ذرّہ بھر بھی شائبہ ہو سکتا ہے، حسن و حسین اور علی و فاطمہ رضی اللہ عنہم سے اہلِ سنت کی عقیدت کا عالم تو یہ ہے کہ مصنف ''خلافت معاویہ و یزید'' نے حضرت حسینؓ کے دس روزہ مصائب کربلا پر پانی پھیرنے کے لیے جو جنتری مرتب فرمائی تھی مورخ اسلام علامہ نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اس کو بھی برداشت نہ کر سکے اور عباسی صاحب کی حیات ہی میں علمی اعتبار سے اس کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں اور موصوف کے اس ''شاہ کار'' کو بالکل جعلی من گھڑت اور جہالت و عناد پر مبنی ثابت کر دکھایا۔

واقعہ تو یہ ہے کہ جو لوگ فاطمہ بنت رسول پر دروازہ گرانے اور فاتح خیبر شیرِ خدا کے گلے میں رسی ڈال کر کھینچنے جیسی لغو روایات پر اعتماد رکھتے ہیں وہ غالباً مشہور زمانہ چڑیا چڑے کی کہانی کو بھی غلط کہنے کا کوئی حق نہیں رکھتے کہ ''چڑیا لائی دال کا دانا اور چڑا لایا چاول کا دانہ اور دونوں نے مل کر کھچڑی پکائی'' یاد رکھیے اہلِ سنت کے نزدیک چڑیا چڑے کی کہانی سے کہیں زیادہ ایسی روایات غلط و مضحکہ انگیز ہیں جن سے علی و حسنینؓ اور فاطمہؓ کا اخلاقی و ایمانی وقار خطرے میں پڑتا ہو، اگر علماء شیعہ کی غیر مسلم گورنر کے سامنے بیان کردہ داستان مصائب علی و فاطمہ درست ہو سکتی ہے؟ تو چڑیا چڑے کی کہانی بھی اول تا آخر درست ہے، اس کے بعد کوئی شیعہ اس کہانی کے انکار کا اختیار نہیں رکھتا۔

مُحبّانِ یزید کے خیالات وعزائم

مُرتّب

نہایت ذہین، حُبّ یزید سے سرشار، اٹھارہ سنّی تنظیموں کے نمایندے اور مولانا محمد اسحٰق سندیلوی صاحب کے رفیق و معتمد خصوصی محترمی طاہر مکی تحریر فرماتے ہیں:

''انسان ضعیف البیان کی تحریر کردہ کتابوں میں سب سے زیادہ جس کتاب کو سہو اور خطا سے منزہ ومبرا سمجھ لیا گیا ہے وہ ''صحیح بخاری'' ہے، اس اندازِ فکر کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی کہ کسی بزرگ نے اس کو پسند کیا اور بے ساختہ طور پر یہ فقرہ کہہ دیا "صحیح البخاری" اصح الکتاب بعد کتاب اللہ۔'' ص ۶

دوسرے موقع پر امام بخاری کے متعلق لکھتے ہیں:

''روایت کے قابل فہم ہونے نہ ہونے سے انہوں نے کوئی سروکار نہیں رکھا، تاریخی واقعات اور مناقب کی روایتوں میں انہوں نے اور بھی نرمی برتی، لہٰذا ان میں موضوعات کا بڑا ذخیرہ شامل ہو گیا، ہم امام صاحب کی نیت پر شبہ نہیں کرتے، وہ بھی کیا کرتے مجبور تھے، زمانہ ہی ایسا تھا'' ص ۸۔

محترم طاہر مکی صاحب نے ''حضرت عائشہ صدیقہ کا عقد'' مؤلفہ شمس الدین حنفی پر ۸ صفحات کا مقدمہ رقم فرمایا ہے جس میں ''بخاری'' کے بیاض اور رطب ویابس ہونے کا تأثر دیا ہے۔

راقم نے بطور نمونہ چند لائنیں مذکورہ مقدمہ سے اوپر نقل کر دی ہیں، یہ پوری کتاب مع مقدمہ نہایت خطرناک ایمان سوز مواد سے پُر ہے اور یزید پسندوں کے عزائم وعقائد کا پتا دیتی ہے، ان حضرات نے حُبّ عائشہ صدیقہ اور حب صحابہ کا روپ دھارا ہوا ہے مگر یاد رکھیے جس طرح شیعوں کا دعوائے حب اہلِ بیت شیعہ کتب ہی کے مطابق بالکل خلاف حقیقت وفریب ہے اسی طرح محبانِ یزید کا دعوائے حب عائشہ وحب صحابہ

محض جال ہے بلکہ اپنے مکروہ وناپاک عزائم کی تکمیل کی راہ ہموار کرنا ہے، جس طرح شیعوں کی اصل منزل قرآن کریم کو بیاض و ناقابل اعتبار باور کرانا ہے اسی طرح ان مصنوعی محبان صحابہ کی اصل منزل صرف ''بخاری'' و ''مسلم'' ہی نہیں بلکہ اسلام کے پورے ذخیرہ حدیث وفقہ اور تاریخ سے اہلِ سنت کا اعتماد متزلزل کرنا ہے، کاش کہ اللہ دونوں برادرانِ خورد وکلاں (شیعوں اور ناصبیوں) سے اہل سنت کو باخبر و محفوظ کردے، طاہر مکی صاحب کے ۸ صفحات پر مشتمل مقدمہ ہی سے راقم اس نتیجہ پر پہنچا کہ موصوف ''مکی'' ہوں یا نہ ہوں ''پرویزی'' ضرور ہیں۔

راقم کو موصوف کے زہر آلود خیالات کا کسی قدر اندازہ اولاً ان کی تصنیف ''حقیقی اہل بیت رسول'' سے صرف اس حد تک تو ہو گیا تھا کہ وہ خلیفہ رابع علی مرتضیٰ سے خاصی حد تک برہم وکبیدہ خاطر ہیں، انہوں نے عظیم الدین صاحب کی طرح اپنی مذکورہ تالیف میں خلیفہ رابع کو، فاطمہ بنتِ رسول پر ظلم وتشدد کرنے والے کا تأثر دیا ہے اور یزید کو اپنے دور کے خصوصی مقبولین الٰہی (نامور صحابہ) کے ساتھ شمار فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

''متفرق حضرات

حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ (رسول اللہؐ کے چچازاد بھائی)، حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت ہندہؓ (حضرت معاویہؓ کی والدہ) حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت عبداللہؓ ابن زبیرؓ، امیر یزید بن معاویہؒ، حضرت امِ ہانیؓ ....''

لیکن موصوف کے اصل افکار وخیالات کا سراغ ''حضرت عائشہ صدیقہ کا عقد'' نامی کتاب سے ملا یہی بات راقم نے موصوف سے بالمشافہہ سرِ راہ کی ملاقات میں بھی کہی تھی۔

''حقیقی اہلِ بیت رسول'' پر دو معروف شخصیتوں (مولانا محمد اسحاق سندیلوی اور مولانا جعفر شاہ پھلواروی) کی تقریظات ثبت ہیں، مولانا اسحاق سندیلوی صاحب نے لکھا ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا ہے اور مولانا جعفر شاہ

پھلواروی صاحب نے لکھا ہے کہ مولانا طاہر مکی کی تصنیف ''حقیقی اہلِ بیت رسول'' دیکھ کر میری طبیعت پھڑک اُٹھی، بعدہ دونوں بزرگوں نے مصنف کو اپنی خصوصی دعاؤں سے نوازا ہے اور اس کے مندرجات پر، قرآن وحدیث کی روشنی میں قرار دیتے ہوئے، بھرپور اعتماد کا اظہار فرمایا ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا اسحاق صاحب خلیفہ رابع اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اختلافات کی جو آئے دن نت نئی تعبیریں فرمارہے ہیں وہ ناصبیانہ ہیں، مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کے نزدیک قطعاً صحیح نہیں، امام اہلِ سنت علامہ لکھنویؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''خلفاء راشدین'' کے صفحہ ۱۳ پر عقائد اہل سنت بیان کرتے ہوئے عقیدہ نمبر ۱۱ کے تحت لکھتے ہیں:

> ''دوم جنگ صفین جس میں ایک جانب حضرت علیؓ اور دوسری جانب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما تھے، اس لڑائی کے متعلق اہلِ سنت کا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ خلیفہ برحق تھے اور حضرت امیر معاویہؓ اور اُن کے ساتھ والے باغی اور خاطی مگر اس خطا پر ان کو بُرا کہنا جائز نہیں کیونکہ وہ بھی صحابی ہیں، صاحب فضائل ہیں اور ان کی یہ خطا غلط فہمی کی وجہ سے تھی اور غلط فہمی کے اسباب موجود تھے، ایسی خطا کو خطائے اجتہادی کہتے ہیں جس پر عقلاً وشرعاً کسی طرح مواخذہ نہیں ہوسکتا۔''

حضرت امیر معاویہؓ ابتداءً تو باغی تھے مگر حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کی صلح و بیعت کے بعد بلاشبہہ وہ خلیفہ برحق ہوگئے، مولانا منظور نعمانی مدیر الفرقان مولانا عبدالشکور صاحب کے غیر معمولی اعتدال کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''صرف ایک مقولہ نقل کرتا ہوں جو مولانا سے میں نے خود اپنے کانوں سے سُنا ہے، ایک موقع پر حضرت علی مرتضیٰ اور حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہما کا فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سابقین اولین کی

پہلی صف کے بھی اکابر میں ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے
کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی مرتضٰی سے ان کو کیا نسبت؟
ان کی مجلس میں اگر صف نعال (جوتوں) میں بھی حضرت معاویہؓ کو جگہ مل جائے
توان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔''

یہ ہیں حضرت علی اور حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق اہلِ سنت کے عقائد اور مراتب کا فرق۔

اب مولانا اسحاق صاحب کو بھی سُن لیجیے، مولانا لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ ان قلیل التعداد علماء اہل سنت کو معاف فرمائیں جو غلط فہمی
کا شکار ہو کر حضرت معاویہؓ اوران کے موید دوسرے صحابہؓ کرام کو باغی کہنے کی
بے ادبی وگستاخی میں مبتلا ہو گئے۔'' (اظہار حقیقت ص ۴۳۳ از خارجی فتنہ ص ۵۱۲)

گویا مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ مولانا محمد اسحاق صاحب کے نزدیک حضرت امیر معاویہؓ کی گستاخی وبے ادبی کرنے والے حضرات میں سے ہیں اس لیے کہ وہ بھی بمقابلہ علی مرتضٰی حضرت امیر معاویہ کو باغی وخاطی تحریر فرما رہے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی یا حضرت امیر معاویہ کے اختلافات ہوں یا یزید وحسین رضی اللہ عنہ کے، قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ العالی، مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی اور باقی تمام تر اسلاف اہلِ سنت کے صحیح ترجمان ہیں، طاہر مکی صاحب کا یہ اعلان کہ مولانا اسحاق سندیلوی صاحب مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ کے افکار کے ترجمان ہیں بالکل غلط ہے اور اہل سنت کو ناصبی اور پرویزی بنانے کی راہ ہموار کرنا ہے، حقیقتاً دونوں برادران خورد وکلاں (نواصب وروافض) کے مقابلہ میں قاضی صاحب کی خدمات گراں قدر ہیں۔

اتنا عرض کر دوں کہ جو لوگ یزید پر علی مرتضیٰؓ یا حسینؓ وعبداللہؓ بن زبیرؓ کو قربان فرما رہے ہیں ان میں شیعہ روح حلول کر چکی ہے وہ حقیقتاً سُنّی برادری سے خارج

اور شیعہ سوسائٹی کے نہایت مقبول و محبوب ممبر ہیں، درحقیقت یہ لوگ نام کے سنّی اور کام کے شیعہ ہیں کوئی دشمن صحابہ ہی انہیں محبّ صحابہ کہہ سکتا ہے۔

ان دونوں حضرات (مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی اور مولانا جعفر شاہ صاحب) نے ----- عظیم الدین صاحب کے ''حادثہ کربلا'' نامی مضمون کو بھی بہت پسند فرمایا ہے اور اہلِ سنت کو اس کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کرنے کی ترغیب دی ہے، حالاں کہ اس میں عظیم الدین صاحب نے حضرت حسینؓ کو بمقابلہ یزید باغی، نافہم اور شہرت و اقتدار کا متمنی اور تابعی باور کرایا ہے، علاوہ ازیں خلیفہ رابع علی مرتضیٰ کو جمل، صفین اور نہروان جنگوں کا ذمہ دار اور تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کے قاتل ہونے کا تأثر دیا ہے اور خوارج سے ہونے والی جنگ نہروان کو بھی جمل و صفین کے زمرہ میں مسلمانوں سے صف آرائی قرار دیا ہے، حتیٰ کہ قاتل علی مرتضیٰ عبدالرحمٰن بن ملجم کو بھی خلیفہ رابع کے مقابلہ میں ملّت اسلامیہ کا ہمدرد و مخلص باور کرایا ہے اور لکھا ہے کہ علی مرتضیٰ کی برادر کشی سے تنگ آ کر ان کو مارا گیا۔

محبان یزید کے دوسرے قائد جعفر شاہ پھلواروی صاحب ہیں۔ طاہر مکی صاحب کے الفاظ میں:

> ''آپ بھارت کی مشہور خانقاہ پھلواری شریف کے سجادہ نشین ہیں اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سلیمان پھلواروی کے (جن کا احترام سرسیدؒ اور علامہ اقبالؒ بھی کیا کرتے تھے) چھوٹے صاحب زادے ہیں، حضرت جعفر شاہ صاحب ملک کے مشہور محقق، اردو کے صاحب طرز ادیب اور جامع السلاسل صوفی ہیں، سعودی عرب کے رابطہ عالم اسلامی کے ممبر بھی ہیں، آج کل شیخ عبدالقادر گیلانی مرحوم (سابق سفیر عراق کی یادگار المرکز القادریہ میں شیخ المرکز کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے ''شاہ کار انسائیکلوپیڈیا)''

مُحبّانِ یزید کے امام التصوف اور شیخ المشائخ

جعفر شاہ پھلواروی

مُرتب

مذہب اہل سنت سے محروم و برگشتہ بنا دینے والی اور حُبّ صحابہ کے بھیس میں افتراء و دشمنی صحابہ پر مشتمل، شیعت نواز کتاب (حیات سیدنا یزید) مؤلفہ عظیم الدین صاحب کے ابتدائی صفحات میں جعفر شاہ پھلواروی صاحب کی طویل ایمان سوز تقریظ نے راقم کو اس وقت تک سراپا حیرت وغم بنائے رکھا جب تک کہ پھلواروی صاحب کے اصل مافی الضمیر عقائد کا خوب خوب علم نہ ہوگیا، جس سے عوام کیا خواص تک بے خبر ہیں اور ایسی لاعلمی ہی مسلم ذہن کے ہر فرد کے لیے نہایت خطرناک، ایمان لیوا اور عموماً ارباب فتن کا شکار بنا کر رکھ دینے والی ہوتی ہیں، پھلواروی صاحب کے اصل عقائد و خیالات کی کھوج میں راقم کو موصوف کی مولفہ دو کتب (اسلام اور موسیقی) اور (الدین یسر) سعی بلیغ کے بعد اپنے کرم فرماؤں سے حاصل ہوگئیں، موصوف کی دینی کجروی کے اندازہ کے لیے (اسلام اور موسیقی) ہی کچھ کم نہ تھی، مگر (الدین یسر) کے مطالعہ نے تو راقم کے دماغ کے چاروں طبق روشن کر دیے اور موصوف کے دینی افکار کے متعلق مزید مطالعہ سے بے نیاز بنا دیا، راقم الحروف اس ''عظیم علمی شاہ کار'' (الدین یسر) کو لے کر مدیر ماہ نامہ ''بینات'' کراچی، مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہٗ العالی (۱) کی خدمت میں حاضر ہوا اور ''بینات'' میں تبصرہ کی درخواست کی، مگر مولانا موصوف نے سرسری ورق گردانی کے بعد کتاب (الدین یسرُ) کو گم راہ کن قرار دیتے ہوئے جلد تبصرے سے معذرت فرمائی، راقم مذکورہ کتاب کو لیے ہوئے اسی وقت مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن صاحب کی خدمت میں پہنچا اور مفتی صاحب سے مذکورہ کتاب کے مطالعہ اور اپنے دست مبارک سے تبصرہ کی خواہش کی، مفتی صاحب نے مؤلف کتاب کے خیالات سے

---

(۱) اب شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (مرتب)

اظہار بیزاری کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس سے قبل موصوف کی (اسلام اور موسیقی) کتاب کا مطالعہ کرچکا ہوں جس کو پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا "صحابہ گا رہے ہیں"، اس وقت میری عدیم الفرصتی اس (الدین یسر) کے مطالعہ کی بالکل اجازت نہیں دے رہی ہے لہذا قاصر ہوں، راقم نے عرض کیا کہ محبانِ یزید مؤلف کتاب کو عارف باللہ اور جید عالم دین کی حیثیت سے متعارف کرا رہے ہیں، راقم کو اپنی (زیر نظر) کتاب میں موصوف پر اظہار خیال کرنا ہے، ایسے حضرات یا ان کی تالیفات کا تعارف آپ حضرات کی اصل ذمہ داری ہے نہ کہ میری، آخر کار تا دیر اصرار کے بعد مفتی صاحب نے کتاب لے لی اور چند ماہ کے بعد راقم کے زیادتی اصرار کی قدر اور رائے سے اتفاق فرماتے ہوئے خود ہی فرمایا کہ میں نے "الدین یسر" کو دو تین بار پڑھا، یہ کتاب تو "اسلام اور موسیقی" سے بھی کہیں زیادہ ایمان سوز اور گمراہ کن ہے، اس کے شدت اضلال کو دیکھتے ہوئے میری خواہش ہے کہ میں خود ہی موصوف کی گمراہیوں کا پردہ چاک کردوں، میں پرویز کی کتابیں بغور پڑھ چکا ہوں، مگر پھلواروی صاحب کا قلم غلام احمد پرویز سے بھی کہیں زیادہ ایمان سوز اور تلبیسی ہے، راقم نے بوقت درخواست مفتی صاحب مدظلہ العالی سے عرض کیا تھا کہ "اسلام اور موسیقی" میں تو ایک متعین مسئلہ (موسیقی) پر بحث ہے مگر "الدین یسر" میں تو موصوف نے نفس دین ہی کے بخیے اُدھیڑ کر رکھ دیے ہیں، مگر میرا اپنی طرف سے یہ لکھنا کوئی وزن نہیں رکھتا اس لیے آپ کو زحمت دینے پر مجبور ہوں، مگر جب بر بناء مصروفیت مفتی صاحب قبلہ کا بدست خود تفصیلی تبصرہ کا عزم عرصہ تک تشنۂ تکمیل ہی رہا، تو آخر کار راقم نے ایک ـــ مشہور علمی و دینی ادارہ کے نہایت زیرک و ذی مطالعہ، علمی کتب پر تبصرہ کے بہترین اہل عالم و فاضل کو تبصرہ کی زحمت دی، جو پھلواروی صاحب کی متعدد تالیفات کا پہلے ہی سے مطالعہ فرما چکے تھے، تبصرہ پیشِ خدمت ہے، جو پوری کتاب "الدین یسر" کا نچوڑ ہے۔

واضح رہے کہ اگرچہ فتنہ یزیدیت، جن حضرات کے زیر سایہ پل کر جوان ہوا ہے پھلواروی صاحب اور مولانا محمد اسحاق سندیلوی صاحب دونوں اس میں سرفہرست ہیں مگر مولانا محمد اسحاق صاحب ایسی بنیادی اور کلی نوعیت رکھنے والی گمراہیوں سے الحمد للہ بالکل محفوظ ہیں۔ (مُرتب)

"اَلدِّينُ يُسرٌ"

ایک عالم کے قلم سے

مرحوم مولانا جعفر شاہ پھلواروی کی شخصیت اپنی تجدد پسندی کی وجہ سے علمی حلقے میں خاصی معروف رہی ہے، ان کی پوری زندگی دین کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی سعی نامشکور میں گذری ہے (١) اور اس کے لیے انہیں جس حد تک کھینچ تان اور دین میں بگاڑ سے کام لینا پڑا ہے، اس نے انہیں خاصا بدنام کر دیا ہے۔

اس مقصد کے لیے انہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، جن میں "اسلام اور موسیقی" اور "اجتہاد" وغیرہ پر لکھی گئی، کتابیں خاصی معروف ہیں۔

اسی سلسلے میں ان کی تحریر کردہ ایک کتاب "الدین یسر" بھی ہے، جس میں ان کی تجدد پسندی اپنے شباب پر نظر آتی ہے اور جس میں ان کی کج بحثیاں اپنے عروج پر ہیں اور جو در حقیقت ان کی تمام علمی اور فکری زندگی کا جوہر ہے۔

اس کتاب میں انہوں نے جو مرکزی بحث اٹھائی ہے وہ یہ ہے کہ دینی احکام میں دو بنیادی چیزیں ہیں ایک ان کا ظاہر اور ایک ان کی روح، ظاہر کو شریعت اور روح کو دین کہا جاتا ہے، شریعت ایک اضافی اور لائق تبدیلی چیز ہے، جبکہ دین ایک اصل چیز ہے اور چوں کہ دین در حقیقت بہت کم اور شریعت بہت زیادہ ہے اور بد قسمتی سے شریعت کو دین سمجھ لیا گیا ہے، اس لیے دین بھی "یُسر" آسانی کے بجائے "عُسر" مشکل بن کر رہ گیا ہے اور دین کو "عسر" بنا دینا اتنی بڑی کوتاہی ہے جس میں امت صدیوں سے مبتلا چلی آ رہی ہے۔

اسی مذکورہ نکتہ کو اٹھا کر انہوں نے دین کے تقریباً تمام اہم رائج الوقت مسائل

(١) نہ کہ عصر حاضر کو دین کے مطابق ڈھالنے کی سعی، جو ایک کار خیر اور امر مطلوب ہے۔ (مرتب)

پر گفتگو کی اور ان کا وہی حل پیش کیا ہے جو مستشرقین کی روح کو سکون پہنچانے والا اور مغرب زدہ حضرات کے دل کی آواز ہے، پوری کتاب میں انکا طریقۂ کار یہ رہا ہے کہ پہلے تو ہر مسئلہ میں خود ہی دینی حکم کی روح کشید کرتے ہیں اور پھر بقیہ زیرِ بحث امور کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ وہ دراصل شریعت ہیں، جو لائق تبدیلی اور اضافی امر ہے، ذیل میں ہم موصوف کے اس کتاب میں ذکر کردہ چند موٹے موٹے مسائل بلا تبصرہ و تفصیل (۱) ذکر کرتے ہیں، جو ان کے نزدیک دین کی روح کے عین موافق ہیں (حالاں کہ جمہورِ امت عہد حاضر تک اس روح کو پانے سے قطعی محروم رہے ہیں) اور ان کو نہ ماننا دین کو "عسر" بنانے کے سوا کچھ نہیں۔

۱۔ موصوف روزے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "علی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین" میں بلا وجہ تاویل کرنا درست نہیں، درحقیقت صحت مند اور تندرست آدمی بھی روزہ رکھنے کے بجائے فدیہ دے سکتا ہے، جبکہ وہ مزدور، محنت کش یا کسان ہو یا پولیس اور فوج میں ملازم ہو، کیوں کہ ان حضرات کا محنت طلب کام روزے کے منافی ہے اور روزہ کو روزی پر ترجیح دینا یسر کے خلاف ہے (۲)۔

۲۔ اگر کوئی شخص بیک ساعت تین طلاقیں دے تو ان کو واقع ماننا اور طلاق کو مغلظہ قرار دینا اور اسکے بعد حلالہ کا حکم کرنا "عسر" ہے، دین میں یسر کا تقاضا یہ ہے کہ تین طلاقیں، تین نہ رہیں بلکہ ایک ہو جائیں اور وہ بھی رجعی تا کہ خاوند حلالہ کے لیے پریشان نہ پھرے (۳)۔

۳۔ انسانی آبادی میں بلا روک ٹوک اضافہ کر کے دنیا کو مصائب کا شکار کرنا اور اولاد کو غربت اور وباؤں کے منہ میں دھکیلنا عین عسر اور زیادتی ہے، اس لیے اگر کوئی شخص اپنی مالی بدحالی کی وجہ سے ضبط ولادت سے کام لے تو کوئی حرج نہیں بلکہ عین کارِ خیر ہے، اسی طرح اگر مسلم حکومت اپنے مالی وسائل کو کم سمجھے تو وہ ضبطِ ولادت کو

---

(۱) ہم ان پر کوئی تبصرہ یا تنقید اس لیے نہیں کر رہے ہیں کہ یہ مختصر سا مضمون ان طوالتوں کی گنجائش نہیں رکھتا۔

(۲) (ص ۹۴) (۳) (ص ۱۰۸ تا ۱۱۵)

جبراً نافذ کر سکتی ہے، کیونکہ یہی یسر ہے(۱)۔

۴۔ مومن عورت کو اگر مسلم سوسائٹی میں اپنے حقوق ملنے کے امکانات نہ ہوں تو وہ اہل کتاب عیسائی یا یہودی مرد سے شادی کر سکتی ہے کیونکہ اس کی بقاء اور تحفظ کے اعتبار سے ''یسر'' اسی میں ہے، اسے زبردستی مسلمان مرد سے شادی کا پابند کرنا سراپا عسر ہے(۲)۔

۵۔ تعدد ازدواج ایک لعنت ہے، جسے عہدِ رسالت میں خاص حالات کی بنا پر جائز قرار دے دیا گیا تھا، اسے برقرار رکھنا عورتوں کے لیے سراسر عسر اور ان پر ظلم ہے، صحابۂ کرام کا عمل اس سلسلے میں اضطراری فعل تھا اور امت کا تعامل اس معاملہ میں چنداں لائق احتجاج نہیں کیونکہ وہ تو ایسی بہت سی بدعات کو متوارثاً محفوظ رکھتی چلی آرہی ہے(۳)۔

۶۔ غلامی کا حکم اسلامی روح کے منافی اور ایک اضطراری طور پر مباح فعل تھا، اسے برقرار رکھنا انسانوں کے لیے ''عسر'' ہے، ''یسر'' اسی میں ہے کہ اُسے ختم کر دیا جائے، اسلام اسی مشن کو لے کر اٹھا تھا اور اس نے اسے ختم کرنا ہی چاہا تھا(۴)۔

۷۔ وضو میں تین بار ہر عضو دھونا بے اصل اور باعثِ ''عسر'' ہے اگر ایک دفعہ صحیح طرح سے دھولیا جائے تو کوئی حرج نہیں، اسے بلاوجہ باعث ثواب کہنا زیادتی ہے(۵)۔

۸۔ نماز کو پانچ وقت فرض ماننا غور طلب امر ہے(۶)۔ ابتداءً ہی کسی نومسلم کو پانچ نمازوں کا حکم کرنا عین ''عسر'' اور خلاف حکمت ہے(۷)۔

۹۔ رائج الوقت نماز ہی کو صحیح سمجھنا درست نہیں، کیونکہ اور بہت سی چیزیں بھی نماز میں جائز ہیں، جنھیں آج ناجائز خیال کیا جاتا ہے اور جن کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے نماز سرتاپا عسر بن گئی ہے جیسے نماز ہی میں جا کر دروازہ کھول دینا،

(۱)(ص ۱۴۹ تا ۱۵۰) (۲)(ص ۱۶۶ تا ۱۷۹) (۳)(ص ۲۰۹ تا ۲۱۲) (۴)(ص ۲۲۳ تا ۲۳۹)(۵)(ص ۲۹۳)
(۶)(۲۹۵ تا ۲۹۸) (۷)(ص ۲۹۸)

نماز میں بچے کو گود میں اٹھائے رکھنا وغیرہ (۱)۔

۱۰۔ نماز میں کلمات ماثورہ کو متعین کر دینا عسر ہے، ان کی پابندی چنداں ضروری نہیں (۲)۔

۱۱۔ ہر شخص کو عربی زبان میں نماز ادا کرنے کا پابند کرنا ''عسر'' ہے، اگر کوئی عجمی شخص اپنی مادری زبان میں نماز پڑھ لے تو اسے جائز قرار دینے پر غور کرنا چاہیے (۳)۔

۱۲۔ زکوٰۃ اہلِ کتاب کو بھی دینا جائز ہے (۴)۔

۱۳۔ اسلامی مہینوں کے تعین کے لیے رویت ہلال کو شرط قرار دینا ایک عبوری امر تھا، اگر فلکیاتی اصولوں پر عمل کیا جائے اور رویت ضروری نہ سمجھی جائے تو یہ زیادہ آسانی کا سبب ہے اور ''عسر'' سے بھی محفوظ ہے (۵)۔

۱۴۔ رجم حد نہیں، بلکہ تعزیر ہے، اسے حد قرار دینا عسر ہے، جبکہ حدود میں یسر ایک مطلوب امر ہے (۶)۔

۱۵۔ نفاذ حدود سے پہلے تعلیم اور معاشرتی اصلاح ضروری ہے، ان کے بغیر حدود کا نفاذ ظلم اور عسر ہونے کے علاوہ قطعی غلط ہے (۷)۔

۱۶۔ شراب کی سزا تعزیر ہے، حد نہیں، اسے ۸۰ کوڑے ہی قرار دینا درست نہیں (۸)۔

یہی نہیں، ان کے علاوہ اور بہت سی موشگافیاں موصوف نے اپنی اس کتاب میں کی ہیں، لیکن دیگ کے ان چاولوں کو دیکھ کر اس کے ذائقہ کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سلامتی فکر اور قوی ایمان سے نوازے اور ہر قسم کی گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائے۔

---

(۱)(ص ۳۰۰) (۲)(ص ۳۰۱ تا ۳۰۵) (۳)(ص ۳۰۵ تا ۳۰۶) (۴)(ص ۳۲۶)(۵)(ص ۳۳۲ تا ۳۴۴)

(۶)(ص ۳۴۷ تا ۳۵۰) (۷)(ص ۳۵۵) (۸)(ص ۳۶۲ تا ۳۶۷)

باب الاستفسار

شاتمِ صحابہؓ

(از افادات امام ابن تیمیہؒ)

مطاعی الافخم جناب ایڈیٹر صاحب النجم زاداللہ مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خدا کرے مزاج والا بعافیت ہو، یقین ہے کہ صحابہ نمبر بڑی حد تک تیار ہو چکا ہوگا آپ کو شاید یاد ہو کہ آپ نے ۲٦/اپریل ۱۹۳۵ء کے اخبار میں عزیز الرحمٰن قریشی نسیمی کے ایک استفسار کے جواب میں شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ مفید تصریحات فرمائی تھیں اس وقت چوں کہ صحابہ نمبر نکل رہا ہے کیا میں یہ گزارش کرسکتا ہوں کہ آپ اس مسئلہ کے اوپر کچھ روشنی ڈالیں کہ صحابۂ کرامؓ کو برا بھلا کہنے والا یا نعوذ باللہ گالی دینے والا کیسا ہے؟ اور اس کے لیے شریعت میں کیا حکم ہے؟

والسلام فی الختام

خلیل احمد سلطان پوری

النجم : صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین، اللہ تعالےٰ کے محبوب بندے اور اس کے رسول کے خوش نصیب امتی ہیں، یہی ہیں جنہوں نے جان و مال کی قربانیاں کیں بیوی بچوں، اعزہ واقربا، دوست واحباب کی پروانہ کی اور اللہ کے کلام اور رسول کے پیغام کو دنیا اور دنیا کے سارے تعلقات کے مقابلہ میں ہمیشہ عزیز رکھا، مرد تو مرد عورتیں بھی دین اسلام اور اس کے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں دنیا کو ہمیشہ ہیچ سمجھتی رہیں، ان کے نوجوان بچوں نے اپنی گردنیں اسلام اور شارع اسلام کی حفاظت ناموس پر قربان کردیں اور وہ خوش ہوکر سجدۂ شکر بجالائیں، ان کے شوہروں نے دین متین کے کشت زار کو اپنے خون سے سینچا اور یہ خدا کی شکر گذار بندی بنی رہیں، بلکہ

خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کر دیا کہ ؎

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا

اے شہِ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

ایسے برگزیدہ بندگان خدا کی شان میں کون بدنصیب سب وشتم گوارا رکھے گا؟ میرا تو یقین ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان یا خوفِ خدا موجود ہے وہ کبھی بھی اس جرمِ عظیم اور گناہِ کبیر کا مرتکب نہیں ہو سکتا، تصوّر سے اس کا دل لرز اٹھے گا اور وہ کسی طور پر بھی اس ناروا فعل کے ارتکاب کی جرأت نہ کر سکے گا، ہاں وہ جن کا دل خوفِ خدا سے خالی ہے وہ جب اس جبّار و قہار کی عظمتوں کو خاطر میں نہیں لاتے تو اسکے محبّوں اور محبوبوں کو کون کہے؟

اس مختصر اور ضروری تمہید کے بعد ہم اصل مسئلہ کی جانب توجہ کرتے ہیں اور اس کا جواب بھی اسی کتاب سے عرض کیا جاتا ہے جس سے شاتمِ رسولؐ کے متعلق مسئلہ کی وضاحت کی تھی، علامہ ابن تیمیہؒ "الصّارمِ المسلول" میں فصل فی حکم سب اصحابه صلی اللّٰه علیه وسلم وسب اهلِ بیته کے ماتحت ایک قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر امت حضرت ابو بکرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ ہیں اور یہی خلفاء راشدین مہدیّین ہیں پھر ان چاروں کے بعد خیر الناس بقیہ تمام صحابہ ہیں، کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ ان کا نام ذرّہ بھر بُرائی سے لے، یا ان پر طعن کرے یا نقص نکالے اور جس نے ایسا کیا از روئے شرع حکومت شرعیہ کے لیے واجب ہے کہ وہ ایسے شخص کی تادیب کرے اور سزا دے، اس کو کسی صورت سے معاف نہ کرے بلکہ سزا دے اور توبہ کرائے اگر توبہ کرلے تو توبہ قبول کرلی جائے اور اگر توبہ نہ

کرے تو اس پر سزا کا اعادہ کیا جائے اور اس کو قید کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ مرجائے یا توبہ کرلے"(۱)۔(الصارم المسلول، ص ۵۷۳)

اسی سلسلہ میں اسحٰق بن راہویہؒ کا قول نقل کیا ہے:

"جو شخص صحابۂ کرام کو گالی دے گا اُسے عدالت شرعیہ سے سزا دی جائے گی اور وہ قید کیا جائے گا"(۲)۔(الصارم المسلول، ص ۵۷۳)

ابراہیم بن میسرہؒ فرماتے ہیں:

"میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو کبھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے کبھی کسی کو مارا ہو لیکن ایک شخص کو جس نے حضرت معاویہ کو گالی دی تھی آپ نے اُس کے کئی دُرّے لگائے تھے۔"(۳)(ص ۵۰۴)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت عاصم احول سے بہ سلسلہ روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"ایک شخص کو جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گالی دی تھی میں نے دس دُرّے لگائے پھر اس نے اعادہ کیا پھر دس دُرے لگائے وہ گالی دیتا رہا یہاں تک کہ میں نے ستّر درّے لگائے۔"(۴)

ان چند اقوال سے اس جرم کی اہمیت اور اس کے لیے علماء اسلام کی وہ مقرر

(۱) وَخَيرُ الْاُمَّةِ بَعْدَ النَّبِی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اَبُوْبَكْرٌ وعمر و بَعْد اَبِیْ بَكْرَ وَ عمر عثمان و بَعْدَ عُثْمَانَ علی وَوَقفَ و قوم وهم خُلَفَاءُ رَاشِدُوْنَ مَهْدِيُّونَ ثُمَّ اَصحاب رَسُوْل اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم بَعْدَ هولآءِ الْاَرْبَعَةِ خَيرُ النَّاسِ لَا يُجوز لا حدان يذكر شيئًا من مَسَاوِيْهِمْ وَلَا يطعن عَلىٰ اَحَدٍ مِنْهُمْ وَلا ينقص فمن فعل ذَالِكَ فَقَدْ وجب تاديبه و عقوبته ليس لهٔ ان يعفوعنه بل يعاقبهٔ و يستتبهٔ فان تاب قبل منه وان ثبتَ اعاد عليه العقوبة وجلده فی الحبس حتىٰ يموت اويراجع.

(۲) من شتم اصحاب النبی صلى الله عليه وسلم يعاقب ويحبس.

(۳) مارأيت عمر بن عبدالعزيز ضرب انسانا قطُّ الارجلا شتم معاوية فضربه اسواطاً.

(٤) اتيت برجل قد سب عثمان قال فضربته عشرة اسواطٍ قال ثم عادلَمَّا قَالَ فضربته عشرة اخرىٰ قال فلم يزل يسبه حتىٰ اسوطه سبعين سوطاً (ص ٥٧٤).

کردہ سزا جو حکومتِ اسلامیہ کو دینا چاہیے بالکل واضح ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ علماء کی ایک جماعت ہے جس کے نزدیک حکومت اسلامیہ شرعیہ کو اس سے زیادہ سنگین سزا دینا چاہیے، ہر چند کہ آپ کے سوال کا جواب ایک حد تک پورا ہو چکا ہے لیکن ان مرتکبین کی خباثت کو واضح کرنے کے لیے کچھ علماء اور ائمہ کے اقوال اور ان کی رائیں اور پیش خدمت ہیں۔

ابن ابی موسیٰؒ فرماتے ہیں:

''جو شخص سلف کو گالی دے وہ ''کفو'' نہیں ہے اور اس کے ساتھ شادی نہ کی جائے۔''(۱)

محمد بن یوسف فاریابی سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جس نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گالی دی "قال کافر" (آپ نے فرمایا وہ کافر ہے۔)

قیل فیصلی علیه قال لا (پھر سوال کیا گیا (اگر وہ مر جائے تو) اس پر نماز پڑھی جائے گی؟ فرمایا نہیں۔)

سائل نے سوال کیا (شتم ابو بکر کے ساتھ ہی) وہ لا اله الا الله بھی کہتا ہے تو اس کے ساتھ کیا کیا جائے؟ فرمایا کہ تم لوگ اس کو اپنے ہاتھ سے نہ چھوؤ بلکہ اس کی لاش کو لکڑی کے ذریعہ گڑھے میں دھکیل کر اسے مٹی سے بند کر دو(۲)۔

یہ ہے علماء اعلام کا فتویٰ اس بدنصیب کے حق میں جو صحابہؓ کرام کی شان میں گستاخی کرے یا گالی دے یہ جو کچھ ہم نے عرض کیا ہے اہلِ سنت کے بہت بڑے عالم باعمل حضرت علامہ ابن تیمیہؒ کی تصریحات وتخریجات ہیں واللّٰہ اعلم بالصواب۔

تبصرہ: قارئین کرام! زیرِ نظر (شاتم صحابہ) مضمون سے آپ کو معلوم ہو گیا

---

(۱) مَنْ سَبَّ السَّلف فَلَيْسَ بِكَفوءٍ ولا يزَوَّجُ

(۲) وسألـه كيف يـصنـع به وهو يقول لا اله الا الله قال لا تمسوه بايديكم ادفعوهُ بالخشب حتّٰى تواروه جفرته۔

کہ علی مرتضیٰؓ خلفاء ثلاثہ ہی کی طرح خلیفہ راشد اور سرداران صحابہ میں سے ہیں کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان چاروں میں سے کسی بزرگ کا نام برائی سے لے یا طعن کرے یا نقص نکالے اور جو شخص ان میں سے کسی کے مقابلہ میں ان حرکات کا مرتکب ہوگا حکومت شرعیہ پر واجب ہے کہ وہ ایسے شخص کی تادیب کرے اور سزا دے اس کو کسی صورت میں معاف نہ کرے بلکہ سزا دے اور توبہ کرائے اگر توبہ کرے تو توبہ قبول کر لی جائے اور اگر توبہ نہ کرے تو اس پر سزا کا اعادہ کیا جائے اور اس کو قید کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے یا توبہ کرے۔

اب گذارش یہ ہے کہ جو لوگ سردار صحابہ علی مرتضیٰ کو یزید سے کم تر ثابت کر رہے ہیں اور عبدالرحمٰن بن ملجم قاتل علی مرتضیٰ کو خلیفہ رابع کے مقابلہ میں امت مسلمہ کا ہمدرد باور کرا رہے ہیں وہ علامہ موصوف کے اس فتوے کے مصداق ہیں یا نہیں اور حکومت پاکستان کی ایسے لوگوں کے مقابلہ میں ذمہ داری کیا ہے؟ جو خلفاء ثلاثہ یا علی مرتضیٰ کی توہین کے مرتکب ہوں۔ (مرتب)

سُنّی تشخّص کا قابل تقلید نمونہ

مُرتّب

ایک شخص عمر ثانی عمر ابن عبدالعزیزؒ کے پاس آیا اور اس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو گالی دی آپ نے اس کے فوراً کئی کوڑے رسید کیے، اسکے علاوہ ایک شخص آپ کے پاس ایسا بھی آیا جس نے یزید کا نام ''امیر المومنین یزید'' کہہ کر لیا۔

آپ یزید کے لیے ان تعظیمی الفاظ کی تاب نہ لاسکے اور اس کے بیس کوڑے رسید کیے۔

یہ ہے واقعی سنّی تشخص، جو لوگ یزید کی تعظیم وتکریم کو سنی تشخص سمجھ بیٹھے ہیں وہ عمر ثانی کے عمل سے سبق لیں اور اپنی عوامی تقریروں میں ''امیر یزید'' کہہ کر سنی تشخص کو مجروح و بدنام اور عوام کو گمراہ نہ کریں، ورنہ بروز قیامت اپنے خالق ذوالجلال کے حضور ان سیدھے سادے مسلمانوں کی گمراہی کا جواب بھی ان دیندار مقررین کو دینا ہوگا۔

یاد رکھیے!

عمر ثانی سے بڑھ کر سنّی اور اسلامی تشخص کا نمونہ ومحافظ کوئی دوسرا ہرگز نہیں ہوسکتا، یزید کی تعظیم سنی تشخص نہیں بلکہ اپنے علم اور سنی تشخص کا جنازہ ہے۔

مذہب اہلِ سنت میں یزید و عمر بن سعد کی حیثیت

مولانا اللہ رکھو

امام اہل سنتؒ کے عشاق و وابستگان اور ''النجم'' کے اہل قلم میں منجملہ دیگر اہل علم کے ایک بزرگ مولانا ''اللہ رکھو'' ہیں نہایت ذہین وحاضر جواب۔

شیعوں کے مشہور ومعروف عالم مولوی علی اظہر صاحب نے ان سے چند سوالات کیے ہیں، جن میں چوتھا سوال یہ ہے۔

سوال چہارم : حضرت معاویہ کو آپ شیعہ تصور کرتے ہیں یا سنّی، حضرت عائشہ و یزید ابن معاویہ اور عمر بن سعد شیعہ تھے یا سنّی اپنے عقاید کے بموجب تحریر فرمائیے۔

حضرت عائشہ اور حضرت امیر معاویہ سے متعلق سوال کا مسلک اہل سنت کے مطابق دنداں شکن جواب دے چکنے کے بعد مولانا لکھتے ہیں:

"باقی رہا یزید و عمر بن سعد کا معاملہ تو اہلِ سنت کے یہاں یہ دونوں اس قابل ہی نہیں سمجھے گئے، کہ ان کے مذہب کی تحقیق کی جاتی، البتہ کتب معتبرہ شیعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں شیعہ اور پیشوایان شیعہ میں سے تھے، غالباً اسی راز کے پوشیدہ رکھنے کے لیے آپ نے یہ قید لگائی ہے کہ اپنے اعتقاد کے بموجب تحریر فرمائیے۔

مولوی علی اظہر صاحب! آپ کا یہ سوال بھی کوئی مفید سوال نہیں ہے، ہاں اگر آپ مجھ سے حضرت علی اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کی بابت پوچھتے کہ ان کا مذہب کیا تھا تو ایک مفید سوال ہوتا اور میں اس کا مدلل و مفصل جواب حاضر کرتا۔"

تنبیہ : از مرتب

یہ ہیں اہل سنت کے عقائد و نفسیات یزید و عمر بن سعد اور خلیفہ راشد علی مرتضیٰ اور حسنین کے مقابلہ میں، جن کا اظہار مولانا موصوف کے ایمان بخش قلم سے مثل آفتاب عیاں ہے، امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی اور ان کے جانشین مولانا عبدالمومن رحمۃ اللہ علیہما کا قلم بھی علی و حسنین اور یزید ابن معاویہؒ اور عمر بن سعد کے معاملہ میں ان ہی نفسیات و عقائد کا مظہر و موید ہے۔

محبانِ یزید کا انجام (امام ابن تیمیہ کی نظر میں) مرتب

اب میں آپ سے یہ بھی عرض کردوں کہ "یزید" جس پر خلیفۂ رابع کو قربان کیا جارہا ہے، بلکہ بمقابلہ علی مرتضیٰ اس کی ظالمانہ خلافت کو جمہوری اور منصفانہ باور کرایا جارہا ہے، امام ابن تیمیہ کی نظر میں کیا حیثیت رکھتا ہے، فرماتے ہیں:

ترجمہ : نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ہر انسان کا حشر ان ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اسے محبت ہوگی اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس بات کو پسند ہی نہیں کرے گا کہ اس کا حشر یزید یا اس جیسے بادشاہوں کے ساتھ ہو جو عادل نہیں تھے۔

(منقول از یزید کی شخصیت ص ۲۲۹، مولفہ علامہ محمد عبدالرشید نعمانیؒ)

از ''النجم'' بقلم رئیس التحریر مولانا عبدالمؤمن فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

بنو امیہ کی خلافت کا ایک اور شاخسانہ

حضرت عبداللہ بن الزبیر کی مظلوم شہادت

اسلامی تاریخ کے ہولناک ترین فتنے : یوں تو اسلام کو بڑے بڑے فتنوں سے ہمیشہ دوچار ہونا پڑا ہے اور ہر زمانہ میں فتنوں اور فسادات کی گرم بازاری رہی ہے مگر سب سے بڑے چند فتنے ایسے واقع ہوئے جن کی آج تک کوئی تاریخ نظیر نہیں پیش کر سکتی۔

پہلا فتنہ : سب سے پہلے حضرت عثمان کی شہادت کا وہ ہولناک فتنہ برپا ہوا جس نے تمام دنیا میں خانہ جنگی کی روح پھونک دی، دوسرا فتنہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد فتنہ ''حرہ'' بیان کیا جاتا ہے، تیسرا فتنہ ''حرہ'' کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر کی شہادت کا پیش آیا، ان تینوں فتنوں سے جیسا مسلمانوں کو صدمہ پہنچا کم کوئی مصیبت ایسی اندوہ ناک ہوگی، ''صحیح بخاری'' میں حضرت عبداللہ بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

> ''اسلام میں سب پہلا فتنہ حضرت عثمان کی شہادت کا پیش آیا، اس فتنہ میں اصحاب بدر سے دنیا خالی ہوگئی، دوسرا فتنہ ''حرہ'' کا واقع ہوا، اس فتنہ کی وجہ سے اصحاب ''حدیبیہ'' میں سے کوئی باقی نہیں رہا، پھر تیسرا فتنہ عبداللہ بن زبیر کی شہادت کا پیش آیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نیک لوگ بالکل اُٹھ گئے۔''(۱)

واقعات حرہ : میں اس وقت دوسرے فتنہ یعنی واقعات ''حرہ'' پر کچھ روشنی ڈالتا ہوں،

---

(۱) وقعت الفتنة الاولی یعنی مقتل عثمان فلم یبق من اصحاب بدر احدثم وقعت الفتنة الثانیة یعنی "الحرة" قلم یبق من اصحاب "الحدیبیه" ثد وتعت الفتنة الثالثة فلم ترفع و بالناس طباخ۔

یہ واقعہ فاجرہ حضرت حسین کی شہادت کے بعد فوراً پیش آیا بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ شہادتِ حسین اس کا پیش خیمہ تھا اور یہ اس مظلوم شہادت کا تتمہ۔

واقعہ حرہ کا پس منظر : رجب ۶۰ھ میں جب حضرت معاویہؓ کے بعد یزید تخت خلافت پر متمکن ہوا اور اس کے مظالم و جفا کاری کا تمام دنیا پروار چلنے لگا تو سب سے پہلے حضرت حسین ہی کی وہ ذات تھی، جو اس کے مظالم کی حد لا ینتھی بن گئی، یزید کے زمانۂ حکومت میں یہ ناتلافی اور دلخراش واقعہ ایسا پیش آیا جس نے اسلامی دنیا میں اس کی طرف سے بہت بدظنی پھیلادی اور برابر مسلمان اس کی بیخ کنی کے لیے ہر طریقہ سے کمر بستہ رہنے لگے۔

اس بدظنی اور ناخوشی کا آخری ثمرہ یا مظلوموں، بیکسوں کی فریاد رنگ لائی۔

یزید کے دور میں مدینہ منورہ کا حالِ زار : چنانچہ ۶۳ھ میں خاص ''مدینہ منورہ'' کے شہر پناہ پر وہ کشت وخون ہوا، وہ عزت وعظمت کے نام پر کٹنے والوں کی ناکیں کاٹی گئیں، کہ الامان و الحفیظ، اس واقعہ کو ارباب تاریخ ''حرہ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں حضرت مولانا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "ما ثبت بالسنة فی ایام السنة" میں سیدنا حضرت حسین کی دل فگار وجان گداز شہادت کا ماجرا لکھ کر بڑے جوش غضب میں آگئے ہیں لکھتے ہیں:

''تم جانتے ہو کہ واقعہ ''حرہ'' کیا چیز ہے، وہ ایک ایسا دلخراش تکلیف دہ قصہ ہے جس کے ذکر کرنے کی دل میں گنجائش نہیں ہے اور نہ کان اس کے سننے کی تاب رکھتے ہیں، حضرت حسن بصری نے ایک مرتبہ اس واقعہ کا ذکر کیا تھا، وہ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم اس دن یہ معلوم ہوتا تھا کہ آج کوئی شخص زندہ نہ بچے گا، صحابۂ کرام اور عام مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت اس حادثہ قیامت میں شہید ہوئی، ''مدینہ منورہ'' لوٹا گیا اور ہزاروں کنواری

لڑکیاں بے عصمت کردی گئیں، انا للہ وانا الیه راجعون۔"(۱)

علامہ واقدی نے باسانید متعددہ روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن حنظلہ فرماتے تھے:

"خدا کی قسم ہم نے یزید پر خروج نہیں کیا یہاں تک کہ ہم کو خوف پیدا ہونے لگا کہ اب ہم پر آسمان سے پتھر برسنے لگیں اور یہ حالت ہوگئی تھی کہ لوگ امہات اولاد سے اور بیٹیوں اور بہنوں سے زنا کرنے لگے تھے، شراب خوری کا عام رواج ہوگیا تھا، نمازیں بالعموم ترک ہورہی تھیں۔"(۲)

شاہ صاحب نے خود اس واقعہ کے پیدا ہونے کی وجہ بھی تحریر فرمائی ہے۔ "ماثبت بالسنة" میں لکھتے ہیں:

یزید کا کردار اور "خدمات جلیلہ": جب حضرت حسین اور ان کی اولاد شہید ہوگئی تو ابن زیاد نے ان حضرات کے سروں کو کاٹ کر یزید کے پاس بھیج دیا، یزید پہلے تو ان لوگوں کے قتل سے بہت خوش ہوا تھا مگر بعد میں اس کو بہت ندامت ہوئی، یزید کے ان کرتوتوں پر مسلمان بہت افروختہ خاطر ہوئے اور یزید سے ایک قسم کا تکدر پیدا ہوگیا اور درحقیقت مسلمانوں کو اس سے تکدر ہونا بھی چاہیے تھا۔

۶۳ھ میں یزید کو معلوم ہوا کہ مدینہ والوں نے اس کی بیعت توڑ دی ہے اور اس سے جنگ کا قصد کر رہے ہیں تو یزید نے فوراً ایک جنگی لشکر اہل مدینہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا اور لشکر کو تاکید کردی کہ اہل مدینہ کے قتل کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر کو "مکہ" میں جاکر قتل کردینا چنانچہ یہ لشکر "مدینہ منورہ" کی شہر پناہ پر پہنچا اور وہیں جنگ شروع ہوگئی۔

علامہ ذہبی سے منقول ہے کہ "جب یزید نے اہل مدینہ کے ساتھ یہ برتاؤ

---

(۱) وما ادراك ماوقعة الحرة وقعة لايسع القلب ذكرها ولا يتحمل السمع استماعهاذكرها الحسن مرة فقال والله ماكان ينجومنهم احد قتل فيها خلق من الصحابة وغيرهم نهلت المدينة وافتض فيها الف عذراء فانا لله وانا اليه راجعون.

(۲) والله ما اخرجنا على يزيد حتى خفنا ان نرمى بالحجارة من السماء ان رجلا ينكح امهات الاولاد و البنات .... اويشرب الخمرو يدع الصلوة.

کیااور شراب خوری بھی حد سے زائد کرنے لگا اور دوسرے فواحش کا بھی علی الاعلان مرتکب ہونے لگا تو لوگوں نے اس پر سختی کی اور بہت سے لوگوں نے اس پر خروج کیا، اہل مدینہ کے قتل وقتال کے بعد ''حرہ'' کا لشکر پہنچا اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرلیا، ان سے قتال ہوا اور بہت سخت فسادات برپا ہوگئے، یہ تمام واقعات صفر ۶۴ھ میں پیش آئے، انھیں لوگوں کی آگ کا ایک شرارہ کعبہ کے پردوں پر پڑ گیا، جس سے کعبہ مکرمہ کے پردے جل گئے اور کعبہ کی چھت میں بھی آگ لگ گئی اور جو مینڈھا حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے لیے آیا تھا اس کے دونوں سینگ بھی کعبہ میں رکھے ہوئے تھے وہ بھی جل گئے، ان حوادث کے بعد پھر یزید کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے برکت نہ دی اور ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ مطابق ۶۸۸ء کو تین سال سات مہینہ خلافت کرنے کے بعد اس کو ہلاک کردیا۔

شہادت عثمانؓ کے ہولناک نتائج : یہ کیا تھا یہ وہی خون عثمان کے دھبوں کی رنگینی تھی جو مٹ کر اُبھرتی تھی اور اُبھر ابھر کر رنگ لاتی تھی، حضرت عثمانؓ کی شہادت سے اللہ کا جس قدر قہر وغضب مسلمانوں پر ٹوٹا میں تو خیال کرتا ہوں کہ اگر ''امت مرحومہ'' کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو یقیناً دنیائے اسلام کا تختہ پلٹ دیا جاتا، یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہم امت مرحومہ میں پیدا ہوئے ورنہ خدا کی قسم آج ہمارا بھی ''عاد'' و ''ثمود'' کی طرح کہیں دنیا میں نام ونشان نہ ہوتا، حضرت عثمان کی مظلوم شہادت ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کھا جانے کے لیے دانت تیز کیے ہوئے ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے پہلے سے پیشین گوئی کردی تھی کہ تم لوگ اپنے امام کو ظلماً شہید کروگے جس کی پاداش میں تمہارے اپنے آپس میں ہی چلنے لگے گی اور وہی تلوار جو کبھی کافروں کے لیے وقف تھی مسلمانوں کا سر کاٹنے کے لیے بے چین رہے گی، حضرت عثمانؓ کے مظلوم شہید ہونے کی حدیثیں تقریباً حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں، شیعہ

باوجودیکہ خلفائےؓ ثلاثہ کے متعلق تعریف کے بجائے عیب ظاہر کرنے میں بہت چاق وچوبند رہتے ہیں، مگر بے چاروں کے منہ سے جہاں اور بہت سی سچی سچی باتیں نکل گئی ہیں حضرت عثمانؓ کی مظلومیت کا انکار بھی نہ ہوسکا اور خود جناب امیر کے حوالہ سے یہ روایت درج ہوگئی ہے، حضرت علیؓ خود فرماتے ہیں، ''حضرت عثمانؓ اس امت کے مصائب میں مصیبت عظمٰی ہے،'' حضرت علیؓ سے مروی ہے وہ فرماتے تھے:

''خدا کی قسم حضرت عثمانؓ کی شہادت کے روز میری عقل چکرا گئی''(۱)۔

جس روز حضرت عثمانؓ کی شہادت ہونے والی ہے اس دن حضرت علیؓ مرتضٰے نے ان کے مکان پر پہرہ کا بہت سخت انتظام کیا تھا اور ان کو خلیفہ مظلوم کے ساتھ اس قدر محبت تھی کہ اپنے نوجوان چہیتے بیٹوں کو جن کی علاوہ پدری محبت کے قرابت رسول کی وجہ سے بہت عزت بھی کرتے تھے، حضرت عثمانؓ کے مکان پر جہاں جان کا سخت خطرہ تھا پہرہ پر مقرر کیا، جس وقت حضرت عثمانؓ کی شہادت کی وحشت اثر خبر حضرت علیؓ کے کانوں میں پہنچی ہے تو آپؓ کے حواس باختہ ہوگئے اور حضرات حسنینؓ پر اتنا غصہ آیا کہ جوشِ غضب میں حضرت حسینؓ کے ایک طمانچہ مارا اور فرمایا ''تم کیسے غافل ہوگئے کہ عثمانؓ شہید کردیئے گئے،'' امام حسنؓ نے فرمایا ''اے باپ باغی لوگ دروازے سے نہیں گئے، دیوار پھاند کر اندر پہنچے اور میں تو دروازہ ہی پر تھا۔''

حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے ساتھ کس درجہ محبت تھی اور ان کی شہادت سے حضرت علیؓ کو کیا کچھ صدمہ پہنچا ہوگا، یہ حضرت حسینؓ کو مارنے ہی سے ظاہر ہوتا ہے میں تو یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ فانبعث من السماء میز ابان من دم فی الارض کی کچھ چھینٹیں تھیں جن کا پڑنا اور لوگوں کا رنگین ہونا ضروری تھا، آہ آہ! حضرت عثمانؓ کی شہادت سے دنیائے اسلام میں وہ وہ فتنے پیدا ہوئے وہ فسادات، دلخراش واقعات رونما ہوئے جن کے لیے تاریخ میں مورخین کو ایک خونین عنوان قائم کرنا پڑا، جس کی پہلی سطر ہی میں قلم یہ لکھنے پر مجبور ہے کہ یہ فسادات صرف حضرت عثمان کے فیم قتلونی کے

(۱) واللہ لقد طاش عقلی یوم قتل عثمان۔

حسرت ناک اور مظلومیت سے لبریز جملہ کی بنا پر غیظ خداوندی کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئے۔

؎ تھا یہی ہونا رضینا بالقضا
تھی یہی تقدیر رب لم یزل۔

عبداللہ ابن زبیر کا مقام عظمت : حضرت عبداللہ بن زبیر کو آپ معمولی حیثیت کا آدمی نہ خیال فرماویں، آپ کی ہستی اسلام میں بہت بڑے درجے کی ہستی سمجھی گئی ہے اور فی الحقیقت آپ میں جو ہر قابل بھی وہ زبردست ودیعت تھا جو آپ کو جس درجہ پر بھی نہ پہنچا دیتا کم تھا، آپ کے پدر بزرگوار حضرت زبیر بن عوام حضور کے حواری اور مخصوص صحابۂ کرام میں سے ہیں آنحضرت نے ان کو بھی جنت کی بشارت دی تھی، آپ کی ماں حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ تھیں، جن کو ہجرت کے وقت ''ذات النطاقین'' کا مبارک خطاب سرکار نبوت سے عطا ہوا تھا، آپ کی دادی آنحضرت کی پھوپھی حضرت صفیہؓ تھیں، حضرت عائشہؓ آپ کی حقیقی خالہ، ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ آپ کی پھوپھی تھیں، غرض کہ ماں اور باپ دونوں طرف سے آپ کو شرافت اور عزت نسب کا وہ بلند مرتبہ قدرت نے عطا کیا تھا جو کم لوگوں کو ملا کرتا ہے۔

آپ کی ولادت سے بھی عموماً تمام مسلمانوں کو بہت مسرت ہوئی تھی کیوں کہ ''مدینہ'' آنے کے بعد اتفاق سے مسلمانوں کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اور کفار نے مشہور کر رکھا تھا کہ ہم نے اب مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اُن کے کوئی اولاد نہیں ہوتی، عبداللہ بن الزبیر ہی پہلے شخص ہیں جو ''مدینہ'' میں سب سے پہلے پیدا ہوئے اور اپنے وجود سے کفارِ مدینہ کو خائب و خاسر کیا۔

چوں کہ تاریخ اسلام میں عبداللہ بن الزبیر کی ہستی بہت بلندی پر پہنچنے والی تھی اس لیے اس بچہ کے پیر گہوارہ ہی میں دیکھ کر بعض مبصرین تاڑ گئے تھے کہ یہ لڑکا آگے چل کر کچھ دکھائے گا۔

جس طرح عموماً بچوں میں ڈر اور بڑوں کا خوف ہوتا ہے وہ حضرت ابن زبیر میں نہ تھا اور نہ بچوں کی محکومی آپ نے برداشت کی، ہمیشہ آپ تلوار سے کھیلے اور تلوار ہی آپ کا کھلونا بنی، شجاعت و بہادری اور ریاست و سرداری جو آگے چل کر تاریخ کے ایک صفحہ کو رنگین کرنے والی تھی اس کے آثار بچپن میں بھی آپ کی ذات میں نمودار تھے۔

حضرت فاروق اعظم کی سختی اور ڈانٹ تمام لوگوں میں مشہور تھی بڑے بڑے سمجھ دار لوگوں کے حواس باختہ ہو جایا کرتے تھے اور مشکل سے کوئی ان سے بات کر سکتا تھا مگر یہ ایک ابن زبیر تھے کہ بچپن میں ایک مرتبہ چند لڑکوں کے ساتھ کھیل ہو رہا تھا، ادھر سے کہیں حضرت فاروقِ اعظم کا گذر ہو گیا تمام لڑکے اسباب کھیل وغیرہ چھوڑ کر اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے، ابن زبیر اپنے کاموں میں مشغول رہے فاروقِ اعظم ان کو تنہا دیکھ کر پوچھنے لگے کیوں تم کیوں کھڑے ہو؟ فرمانے لگے، ''میں نے کوئی چوری کی تھی جو بھاگتا، یا جگہ مختصر تھی جو ہٹ جاتا، مجرم ہوں گے وہ جو بھاگ گئے۔''

یہ تو لڑکپن کا حال تھا، جوان ہو کر تو آپ نے اپنی بہادری کے جوہر ظاہر کیے تاریخ اسلام میں آج بھی وہ ایک بے نظیر چیز ہے۔

یزید کا حکم : یزید کی ولی عہدی کے چار سال بعد ۶۰ھ میں حضرت معاویہؓ کا انتقال ہو گیا اور یزید کی پُر جفا سلطنت و حکومت نے دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے عبداللہ بن زبیر کے متعلق ولید بن عقبہ حاکم مدینہ کو تحریر کیا کہ جس طرح بنے ان سے بیعت لی جائے، جس وقت ولید کے پاس یہ حکم پہنچا ہے اور حضرت عبداللہ بن زبیر کو معلوم ہوا ہے، آپ نے فوراً ''مدینہ'' سے کوچ کر دیا اور ''حرم'' میں آ کر پناہ گزیں ہو گئے، حضرت حسین بھی ان کے تھوڑے روز کے بعد ''کوفہ'' کے ارادے سے مکہ معظمہ پہنچے، حضرت عبداللہ بن الزبیر اُن سے ملاقات کے لیے گئے۔

عرض کرنے لگے کہ آپ اگر ''حجاز'' ہی میں رہیں اور اپنی امامت کی طرف دعوت دیں تو میں بھی آپ کی بیعت کر لوں گا اور حجاز کے سارے اُمرا و رؤساء آپ کے

ہوتے ہوئے یزید کی طرف ہرگز نہ ملتفت ہوں گے، مگر چوں کہ حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن الزبیر دونوں کے دونوں ایک خیال کی تہ میں ڈوبے ہوئے تھے، اس لیے حضرت حسینؓ نے ان کی بات پر کچھ زیادہ توجہ نہ کی اور ''کوفہ'' روانہ ہو گئے۔

عبداللہ بن زبیر، حضرت حسین کے ''کوفہ'' جانے اور شہید ہونے تک نہایت سکون واطمینان کے ساتھ ''حرم'' ہی میں محفوظ بیٹھے رہے اور اپنی خلافت وامامت کے متعلق راہ ہموار کرتے رہے اس درمیان میں ان کو اپنی طرف لوگوں کو آمادہ کرنے اور یزید سے برافروختہ کرنے کا موقع بھی خوب ہاتھ آیا کیوں کہ یزید کی فوجی قوتیں سب حضرت حسینؓ کی طرف متوجہ تھیں، البتہ یزید کو عبداللہ بن الزبیر کے پروپیگنڈے کی جاسوسوں کے ذریعہ سے خبریں برابر پہنچ رہی تھیں، اس لیے حضرت حسینؓ کے معاملہ میں فراغت پاتے ہی اس نے اپنی فوج کو عبداللہ بن زبیر کی طرف متوجہ کیا، ابتداءً چند آدمی حضرت عبداللہ بن زبیر کے پاس آئے اور یزید سے بیعت کرنے کے متعلق گفتگو کی، ابن زبیر نے ان لوگوں کو صاف یہ جواب دے دیا، کہ ''میں نہ باغی ہوں اور نہ یہ ہی چاہتا ہوں کہ اپنے کو دوسرے کی غلامی میں دے دوں'' یزید کی ضدی اور ہٹی طبیعت نے عبداللہ بن الزبیر کے جس وقت یہ الفاظ سنے ہیں برہم ہوگئی اور طیش میں آکر فوراً حکم دیا کہ ایک مرتبہ پھر ان کو مہلت دی جائے اگر وہ اب بھی نہ مانیں گے تو پھر ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جائے گا جو حسینؓ ابن علیؓ کے ساتھ کیا گیا۔

ظالم بادشاہ کے مقابلہ میں عبداللہ بن زبیر کی بے مثال شجاعت و عزیمت : چنانچہ دوبارہ جو وفد بھیجا گیا اس سے عبداللہ بن زبیر نے صاف صاف کہہ دیا کہ یزید میرے مقابلہ میں وہ حیثیت بھی نہیں رکھتا جو آفتاب کے سامنے ذرّہ کی ہے، لہٰذا خلافت کا اگر کوئی اہل ہے تو وہ میں ہوں۔

یزید کے مقابلہ میں اپنی بیعت کی باعلان دعوت : اس وفد کے ناکامی کے ساتھ لوٹ جانے کے بعد حضرت عبداللہ بن الزبیر ''حرم'' سے نکل آئے اور علی الاعلان

اپنی بیعت کی طرف لوگوں کو بلانا شروع کر دیا، چناں چہ آپ کی آواز پر سوائے حضرت محمد بن حنفیہ اور ابن عباس کے باقی تمام لوگوں نے بیعت کرلی، یزید کے جتنے عامل مدینہ میں کام کر رہے تھے سب کو نکال باہر کر دیا اور ان کی جگہ اپنے عامل مقرر فرمائے اس طرح گویا حضرت ابن زبیر نے ''حجاز'' میں ایک اچھی خاصی معمولی ریاست اپنی قائم کرلی۔

یزید حضرت حسینؓ کے معاملہ میں جو سیاسی اور مذہبی ٹھوکر کھا چکا تھا اور اس کے تلخ تجربہ سے اس کو جو نقصانات پہنچے تھے اس کا خیال کر کے اس نے عبداللہ بن الزبیر کی سرکوبی کے لیے فوج تو روانہ کرنے کا حکم دے دیا مگر چلتے چلتے سپہ سالار مسلم بن عقبہ مری کو یہ تاکید کر دی تھی کہ جاتے کے ساتھ ہی ''مکہ'' پر گولہ باری نہ شروع کر دینا، پہلے وہاں کے لوگوں کو سمجھانا بجھانا اگر وہ اب بھی نہ باز آئیں تو پھر بدرجہ مجبوری مقابلہ کیا جائے۔

مگر مسلم بن عقبہ اپنی فوجیں لیے آرہا تھا اور جیسے ہی ''مدینہ منورہ'' میں آیا تو دیکھا کہ یہاں تو پہلے ہی سے لوگ آمادہ وتیار بیٹھے ہیں، چناں چہ آتے ہی معاملہ نے نازک صورت اختیار کرلی اور ہولناک جنگ کا دروازہ کھل گیا، اہلِ ''مدینہ'' حکومت کی فوج دیکھ کر مشتعل ہوگئے اور افسوس کہ بہت سے صحابہ اس جنگ میں شہید ہوگئے، تین دن تک کامل جنگ کی ہماہمی ہوتی رہی، خوب سرکار کے آرام گاہ کے سامنے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے قیمتی خون سے اپنی تلواروں کی پیاس بجھاتے رہے، ''مدینہ'' اور عزت والے مجاوروں کے گھروں کو خوب لوٹا گیا اور وہ بے دردی اور مظلومیت کے ساتھ مسلمان عورتوں اور بچوں کو ستایا گیا جس کی نظیر آج تاریخی اوراق میں بہت کم نظر آتی ہے۔

کعبہ کی بے حرمتی: یزید کی یہ فوج یہاں سے یلغار کرتی ہوئی مکہ پہنچی، ابوالفداء المؤید نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر حرم محترم میں پناہ اختیار کیے ہوئے بیٹھے تھے اور شہر میں ان کی فوجیں محافظت کر رہی تھیں مسلم بن عقبہ سردارِ لشکر،

یزید کا راستہ میں انتقال ہوگیا تھا، اس لیے اب ان کی جگہ پر اس وقت حصین بن نمیر سپہ سالار کی حیثیت سے کام کر رہا تھا، حصین نے حرم کا محاصرہ کرلیا اور جبل بوقبیس پر بڑی منجنیقیں نصب کر کے ''خانہ کعبہ'' پر گولہ باری کرنا شروع کردی، جس سے افسوس ہے کہ ''کعبہ مکرمہ'' کی عمارت کو سخت صدمات پہنچ گئے۔

یزید کی خبر مرگ : ابن زبیر کی فوجیں شامی فوجوں کے حملوں کی مدافعت کر رہی تھیں اور جنگ روز بروز خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی تھی کہ یکایک ''دمشق'' سے یزید کے مرنے کی خبر شائع ہوتی ہے، یزید کی فوج میں اس خبر کے پھیلتے ہی ایک سنسنی خیز لہر دوڑ گئی اور ہاتھ پیر پھول گئے۔

حصین بن نمیر نے عبداللہ بن الزبیر کے پاس کہلوا بھیجا کہ ہم جس کے لیے لڑ رہے تھے اب چوں کہ وہ خود نہیں رہا اس لیے جنگ کو ملتوی کردو اور حرم کا دروازہ کھول دو تا کہ ہماری فوج طواف کر کے واپس ہو جائے، حصین کی اس درخواست پر حضرت ابن زبیر نے ہاتھ روک دیا اور ''حرم'' کے راستہ سے فوجیں ہٹالیں۔

ابن زبیر کی غلطی : شامی فوج نے مصالحت کے بعد طواف کیا اور واپس ہوگئی اس درمیان میں حصین بن نمیر نے عبداللہ بن الزبیر کو خلیفہ ہونے کے متعلق ایک ترکیب بتائی تھی مگر دشمن کی ہر چیز بُری معلوم ہوتی ہے، اس کے مخلصانہ مشورے کو آپ نے ٹھکرا دیا۔

خدا ترسی اور ایثار و قربانی کی بہترین مثال : یزید کے تخت خلافت پر جو شخص وارث بن کر بیٹھا وہ یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ تھا، معاویہ نہایت نیک اور دین دار شخص تھا، بنوامیہ کی حرکات شنیعہ کی اس کو اطلاع تھی، ان کے بے جا مظالم سے واقف تھا، بہت چاہا کہ ارکان دولت راہ راست پر آجائیں اور موجودہ بدعنوانیاں مٹ جائیں، مگر ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' مجبور ہو کر اس نے ایک روز تمام اپنے خاندان والوں کو جمع کر کے خلافت سے یہ کہہ کر دست برداری دے دی کہ ''مجھ میں تم لوگوں کی امارت کی طاقت نہیں ہے معذور ہوں اور بدقسمتی سے تم میں عمر بن خطاب جیسا کوئی آدمی

بھی نظر نہیں آتا جسے خلیفہ بنادوں اور نہ ویسے اہل شوریٰ ہی دکھائی دیتے ہیں، کہ معاملہ ان پر چھوڑ دوں لہٰذا اب تم کو اپنے معاملات میں مجھ سے زیادہ سوجھ بوجھ کی قوت ہے جو چاہو کرو، اختیار ہے۔

مروان کا دور : ادھر یزید کا انتقال اور اُدھر معاویہ بن یزید کی دست برداری سے اموی حکومت کا قریب قریب خاتمہ ہی ہوگیا تھا اور ابن زبیر ہی تمام دنیائے اسلام پر مستقبل قریب ہی میں کامل و اکمل امیر بنا دیے جاتے، مگر بنوامیہ کے زیرک اور ہوش مند لوگ جمع ہو گئے اور فوراً مروان ابن حکم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

مروان بھی اس وقت ''مدینہ'' ہی میں تھا اور بنوامیہ کے اور اکابر بھی سب کے سب ''مدینہ'' ہی میں آکر ابن زبیر حصین بن نمیر کے ساتھ ہو جاتے اور جیسا وہ کہہ رہے تھے ملک شام چلے جاتے تو یقیناً تاریخ اپنا ورق الٹ دیتی اور شام میں بھی ابن زبیر کا پورا پورا تسلط قائم ہو جاتا، مگر اب پچھتانے سے کیا ہوتا ہے، ''مدینہ'' میں جو افراد بنوامیہ کے موجود تھے وہ سب اس قدر کمزور اور پست ہو رہے تھے کہ خود مروان، ابن زبیر کے سامنے ہتھیار ڈال کر بیعت پر آمادہ ہو چکا تھا، مگر ابن زبیر نے دوسری ٹھوکر اور کھائی، حجاز پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے لیے تمام بنوامیہ کو ''مدینہ'' سے باہر نکل جانے کا حکم دیا جس کا ظاہر مطلب یہ ہوا کہ اب یہ لوگ یہاں سے نکل کر پھر اپنے مرکز پہنچ جائیں اور پورا اقتدار حاصل کر کے پھر ان کے مقابلہ کے لیے فوج مرتب کر لیں، چناں چہ ایسا ہی ہوا، بیمار عبدالملک کو لیے ہوئے بنوامیہ ''مدینہ'' سے باہر نکل گئے، بعد میں ابن زبیر نے ہر چند چاہا کہ مدینہ سے باہر نکل کر ان کو قتل کر دیا جائے مگر اب کیا ہوتا ہے وہ یہاں سے نکل کر پایۂ تخت ''دمشق'' کی طرف بڑھ چکے تھے اس طرح بنوامیہ پھر سنبھل گئے اور مروان تخت پر بیٹھ گیا۔

مروان کی ''دیانت'' : مروان جس وقت تخت خلافت پر بیٹھا ہے بنوامیہ کے شاہی اثرات بہت کمزور پڑ چکے تھے اور خوب کافی عبداللہ بن زبیر کا اثر قائم ہو چکا تھا، مگر

مروان نے حکومت حاصل ہوتے ہی اپنا اقتدار قائم کرلیا اور قبضہ پاتے ہی پہلا کام اس نے یہ کیا کہ ''شام'' میں ابن زبیر کے جس قدر بھی ہمدرد پیدا ہو گئے تھے سب کو شہر بدر کر دیا اور اس کے بعد فوج کشی کر کے تمام ممالکِ شام جو عبداللہ بن زبیر کے زیر نگیں ہو گئے تھے از سرِ نو قبضہ میں کر لیے۔

''مصر'' پر بھی عبداللہ بن الزبیر ہی کے طرف داروں کا قبضہ تھا، ''شام'' سے فراغت پانے کے بعد اب شامی افواج کو مصر کی طرف بھیجا گیا عبدالرحمٰن بن حجرم نے ''مصر'' کے شہر پناہ پر آ کر مقابلہ کیا مگر شاہی شان و شوکت کے آگے زیادہ تاب مقابلہ نہ لا سکا اور بہت جلد سپر ڈال کر راستہ صاف کر دیا، یہاں سے فارغ ہو کر پھر ''دمشق'' واپس آ کر عبداللہ بن الزبیر کے بھائی حضرت مصعب سے ایک رٹا کا ہو گیا، مصعب نے اس فوج کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر پائے تخت دمشق پر دھاوا بول دیا تھا مگر شامی فوج نے آ کر پھر اپنا غصہ پیدا کر کے مصعب کو نکال دیا۔

عبدالملک : ۔۔۔۔اسی زمانہ میں مروان کا بھی انتقال ہو گیا اور مروان کی جگہ پر اب عبدالملک قابض ہوا اور ۶۵ھ میں اس کی عام بیعت کی رسم ادا کی گئی۔

مختار بن عبید : اسی زمانہ میں ابن زبیر اور بنوامیہ کی سخت ہماہمی کو دیکھ کر بنوثقیف میں مختار بن ابی عبید کے قلب میں حکومت کا شوق چرایا اور بڑے سوچ بچار کے بعد اس نے حضرت حسینؓ کے خون کے انتقام کا بیڑا اٹھایا اور اپنی حکومت کی ابتدائی سیڑھیاں تیار کر لیں، کیوں کہ اس نے بساط حکومت پر سیاسی چالوں کو دیکھ کر یہ منصوبہ قائم کیا تھا کہ بنوامیہ کی طرف حکومت اور خزانہ ہے اور ابن زبیر کے ساتھ عزت اور لوگوں کے دل، لہٰذا مختار کے لیے جب ان دونوں چیزوں کے علاوہ کوئی اور اہم چیز نہ شریک ہو وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا، سب سے بڑی اہم چیز دنیائے اسلام میں اس وقت حضرت حسینؓ کی شہادت خیال کی جا رہی ہے اور آپ کی طرف سے انتقامی جذبات پیدا کر کے ہر شخص کامیابی کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہو سکتا تھا چناں چہ مختار نے یہی کیا قاتلان

حسین کے خلاف نفرت وحقارت پیدا کر کے فدائے اہلِ بیت کی شکل میں عوام کے رو
بروآیا جس سے عوام اور اکثر بنو ہاشم اس کے ساتھ ہو گئے۔

بنو ہاشم میں اس وقت عزت و مرتبت کے ساتھ تین آدمیوں کو بہت فروغ حاصل تھا، ایک حضرت محمد بن حنفیہ اور دوسرے زین العابدین، تیسرے ابن عباس، مختار فرداً فرداً ان تینوں سے مِلا مگر چوں کہ صرف امام زین العابدین مختار کے اصل مقصد کی تہ کو پہنچ گئے اس لیے وہ تو اس کے ساتھ نہیں ہوئے، ہاں، ابن عباس اور محمد بن حنفیہ نے ابن زبیر کے مقتدرانہ اثرات کو خطرناک سمجھ کر مختار کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونوں حضرات کے نام سے اس نے بہت فائدہ اٹھایا اور خوب خوب لوگوں کو ابھارا اور رفتہ رفتہ عراق پر مختار پوری طرح قابض ومتصرف ہو گیا، اس کا نتیجہ تھا کہ ابنِ زبیرؓ نے محمد بن حنفیہؒ اور ان کے رفقاء کو زم زم میں قید کر دیا، مگر مختار نے جمعیت شیعیان علیؓ کو اپنے ساتھ لینے کے لیے محمد بن حنفیہ اور عبداللہ بن زبیر وعباس وغیرہ کو لڑ کر چھڑا لیا، پھر وہ قاتلین حسینؓ سے منتقمانہ حیثیت سے فوج کشی کے لیے بڑھا اور خولی، عمر و بن سعد، شمر کو قتل کر کے ان کے سر محمد بن حنفیہ کے پاس بھیج دیے۔

مختار کی سیاست : مختار کی اس حرکت پر بہت سے عوام اس کے شریکِ کار بن گئے کیوں کہ خون حسینؓ کے انتقامی جذبات عوام میں بہت بری طرح موجزن تھے، یہی وجہ تھی کہ بنوامیہ کے علاوہ ابن زبیر کے خلاف بھی اس کو زہر پاشی میں کافی امداد حاصل ہو گئی اور چونکہ مختار نے اپنی اسکیموں کا مرکز کوفہ کو بنا رکھا تھا اور ''کوفہ'' حضرت عبداللہ ابن زبیر کے اثر واقتدار میں تھا اس لیے ان کو بھی مختار کے مقابلہ کے لیے نکلنا پڑا۔

تقریباً سوا سال تک مختار نے بڑی ہماہمی کے ساتھ دونوں کا مقابلہ کیا اور ہر فریق کا قرار واقعی اس نے ایک ایک بازو توڑ دیا، مگر چوں کہ اس نے اقتدار پانے کے بعد عربوں کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا اس لیے ان میں سخت اشتعال برپا ہو گیا اور عرب وعجم میں ایک رٹا کا ہو گیا اور عربوں کو ایک معنے کر کے سخت ہزیمت اٹھانا پڑ گئی،

عرب یہاں سے پسپا ہو کر مصعب بن زبیر کے پاس بصرہ پہنچے اور ان کی سرکردگی میں لڑنے کی درخواست کی، مصعب نے ان کی اس آرزو پر مہلب بن ابی صفرہ کو جو خوارج سے مقابلہ کر رہا تھا ان عربوں کے ساتھ کر دیا اور بعد کو خود بھی بیس ہزار جرار فوج لے کر میدان کارزار میں آ پہنچے اور دونوں فوجوں میں نہایت اندوہ ناک جنگ چھڑ گئی، مصعب کی بہادر فوج نے مختار کی فوج کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور اسکی ساری فوج حملوں کی تاب نہ لا کر بے قرار و مضطربانہ حالت میں منتشر ہوگئی، مصعب کو جس قدر بھی راستہ ملتا جاتا تھا مختار کے پائے تخت ''کوفہ'' کی طرف بڑھتے جاتے تھے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ ''کوفہ'' کی سرحدوں پر مصعب کے سوار پہنچ گئے، مختار دور سے بیٹھا ہوا جنگ کا یہ بگڑتا ہوا نقشہ دیکھ رہا تھا، فوراً فوج تیار کر کے خود آ گا روکنا چاہا مگر باوجود تازہ فوج لانے کے مختار تاب مقاومت نہ لا سکا اور ''دارالامارہ'' میں قلعہ بند ہو گیا، مصعب نے چالیس روز کامل محاصرہ جاری رکھا، چوں کہ مختار کے پاس سامان رسد ختم ہو چکا تھا اور شہر والے بہت خطرناک حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے، اس لیے اس کو پھر آخری ہمت کر کے نکلنا پڑا، مگر ایک مدت لڑتے ہوئے گذر جانے کے باعث بہت جلد پست ہو کر عین میدان میں مختار کو چھوڑ کر ''قصر الامارہ'' کی طرف بھاگنے لگے، مختار بھی یہ رنگ دیکھ کر پلٹا مگر دروازہ تک پہنچتے ہوئے اس کی فوج کا ریلا بے تحاشہ اس میں داخل ہو رہا تھا اور ادھر مصعب بن زبیر کے بہادر سپاہی اس کا تعاقب کرتے ہوئے ''دارالامارہ'' کو مسمار کر دینے کے خیال میں بڑھے چلے آ رہے تھے، مختار کو جو چند آدمیوں کے جھرمٹ میں ادھر چھپتا دیکھا تو دو نوجوان حنفی جھپٹ پڑے اور اس کو وہیں گرا دیا، اس کے قتل ہوتے ہی فوج میں عام اضطراب پھیل گیا اور سب نے سر اطاعت خم کر دیا۔

قتل مختار کے بعد : مختار کا معرکہ سرد ہو جانے کے بعد اب سب سے بڑی مہم بنوامیہ کی تھی، اس زمانہ میں عبدالملک نے سریر آرائے خلافت عبداللہ بن زبیر کی بڑھتی ہوئی طاقت کا اندازہ کر کے اپنے ارکانِ دولت کو جمع کیا، حالات سنائے اور بتایا کہ اگر

ابن زبیر کی طرف جلد توجہ نہ کی گئی تو وہ وقت دور نہیں ہے کہ بنوامیہ کا وجود دنیا سے فنا ہو جائے، سب نے مقابلہ کی رائے دی اور طے کیا کہ اپنی ساری فوجی قوتوں کو جمع کر لیا جائے اور ایک دفعہ جو کچھ ہونا ہے وہ ہو جائے، یا اِس سرے یا اُس سرے، چناں چہ اسی مجلس میں عبدالملک نے فرمان جاری کرنے کا حکم دیا کہ ساری فوجیں ہمارے پاس آ جائیں اور پھر پوری تنظیم کے ساتھ مقابلہ کیا جائے، مخبرین نے اس مشورہ کی فوراً مصعب کو اطلاع دی اور لکھا کہ اب آپ بھی جاگ جایئے، ورنہ عنقریب بنوامیہ امیر المؤمنین عبداللہ بن الزبیرؓ کی پر سطوت حکومت و امارت کے پڑاخچے پڑاخچے اڑا دیں گے۔

مصعب اس خبر کو سن کر بجائے اس کے کہ کچھ زیادہ لاؤ لشکر جمع کر کے مقابلہ کے لیے بڑھتے، جتنی فوجیں اس وقت موجود اور ساتھ تھیں ان کا آگا روکنے کے لیے ویرحانات تک بڑھ آئے، یہاں آ کر دیکھا تو بڑے ساز و سامان بڑے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ ایک جم غفیر لے کے نکلے ہیں، گویا مروانی یہ سمجھ کر اپنے گھروں سے اٹھے ہیں کہ اب یا ہم نہیں ہیں اور یا ابن زبیر اور ان کی افواج نہیں ہیں۔

چناں چہ مصعب اس انبوہ کو دیکھ کر بہت گھبرا گئے مگر چوں کہ جذبہ صادق لے کر نکلے تھے، اس لیے اب پیچھے ہٹنا خلاف مردانگی سمجھا اور وہیں مقابلہ کے لیے فوج کو حکم دے دیا اور لڑائی شروع ہوئی اور ایسی سخت ہوئی کہ مصعب کی فوج بالکل تہس نہس ہو گئی، صرف سات آدمی رہ گئے تھے اور سب شہید ہو گئے اور ان میں بھی اکثر خود حضرت مصعب کے فرزند اور بھائی برادر تھے۔

مصعب اور ان کے صاحبزادے کی بے مثال شجاعت : مگر اللہ ری بہادری حضرت مصعب باوجودیکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ اب یہاں سے جیتا بچنا مشکل ہے، مگر ایک منٹ کے لیے بھی کسی وقت ہراساں نہ ہوئے اور اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ تم بھائی کے پاس چلے جاؤ اور عراقیوں کی ساری دغا بازی کا

قصہ جا کر سنا دو، مگر صاحبزادہ عرض کرنے لگے اے باپ میں قریش کو کیا صورت دکھاؤں گا، وہ یہی کہیں گے کہ باپ کو دشمنوں کے نرغے میں چھوڑ کر بھاگ آیا، مصعبؓ یہ سن کر فرمانے لگے، اچھا اگر یہی ہے تو پھر میدان میں جا کر یا تو دشمن کو تہِ خاک کردو، یا وہیں تم خود بھی شربتِ شہادت نوش کرلو، ''عیسیٰ'' باپ کے یہ کلمات سن کر جوش میں آئے اور تلوار لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے، متواتر چار پانچ گھنٹہ تک یہ اکیلے چاروں طرف تلوار گھماتے رہے، وار کرتے رہے اور اپنے کو بچاتے رہے، مگر ایک اکیلا کب تک کام کرسکتا ہے؟ ہاتھ شل ہوگئے، پیر بندھ گئے، تیروں کی بارش کو ڈھال پر نہ روک سکے، گرے اور گرتے ہی سر دھڑ سے الگ ہوگیا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

عیسیٰ کے بعد اب خود مصعب کی باری تھی مگر مصعب کی چوں کہ کسی زمانہ میں عبدالملک سے بہت زیادہ دوستی اور گاڑھی چھن چکی تھی، اس لیے اس کو اپنے ایماء سے ان کا شہید کرنا بالکل مناسب نہ معلوم ہوا اور تمام ارکانِ دولت کے بالکل مخالف ہو کر اس نے مصعب کو امن دے دیا تھا، مگر شامی بھلا اپنے حریف کو اس طرح زندہ چھوڑ سکتے تھے، عبید اللہ بن زیاد نے ابن زبیر کے اس قوتِ بازو کا بھی نہایت بے دردی اور مظلومیت کے ساتھ خاتمہ کردیا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

اب ابن زبیر کی قوت بہت پست ہوچکی تھی فوج میں جدا افتراق ہوا، محاصل کی آمدنی اور جاگیروں کی ضبطی سے علیحدہ نقصانات پیدا ہوگئے، ادھر عبدالملک اب بالکلیہ ابن زبیر کی طرف سے مطمئن ہونا چاہتا تھا چنانچہ اس نے پہلا کام تو یہ کیا کہ ابن زبیر کے تمام بڑے بڑے کارندوں کو طمع دے دے کر توڑ دیا اور دوسری طرف پالیمنٹ کے مشورہ اور حجاج کے اصرار سے اسی کی کمانڈری میں ذی قعدہ ۷۲ھ میں مکہ مکرمہ کی طرف یلغار کردی۔

قاتل صحابہ حجاج کی بدبختیاں: ابن زبیر نے اپنا دارالخلافت مکہ قرار دیا تھا، اس لیے حجاج اپنی فوجیں بڑھاتا ہوا آیا اور حرم کا محاصرہ ہوگیا، ظالم بدبخت حجاج نے صرف

محاصرہ ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ منجنیقوں اور آگ برسانے والے آلات کے ذریعہ حرم کی بے حرمتی کا دروازہ کھول دیا، کامل تین ماہ تک یہ محاصرہ جاری رہا اور روزانہ حرم کے اندر مسلمانوں اور مجاوروں کا خون حلال کیا جاتا رہا، ابن زبیر نہایت شجاع اور بہادر اور پارسا دل بزرگ تھے، تیروں کی حرم میں بارش ہوتی تھی اور تیر آپ کے پاس آ آ کر گرتے رہے، مگر اس خدا کے بندے نے جو صحن میں مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھنا شروع کی تو کبھی ایسا نہیں ہوا جو اس ڈر سے کہ کہیں کوئی تیر نہ لگ جائے مصلے سے ہٹ گئے ہوں۔

دل سوز حالات و مجبوریاں : ساری فوج برگشتہ ہوگئی سامان رسد بھی اتنے دنوں میں ختم ہوگیا، کوئی مددگار یا غمگسار باقی نہیں رہا، ہر چیز اپنی پوری گرانی پر پہنچ گئی، ایسے موقع پر بھی ان کا قدم استقلال نہ ڈگمگایا، صاحبزادے بھی اس آڑے وقت میں نافرمانی پر کمر بستہ ہوگئے، جب آپ نے وقت کی نزاکت پر غور کیا تو اپنی والدہ ماجدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا جو اب آنکھوں سے محروم ہوگئی تھیں اور عمر شریف بھی ننانوے ۹۹/۱۰۰ سے متجاوز ہوچکی تھی سے مشورہ کیا، بہادر باپ کی بیٹی نے بہادر بیٹے کو بھی بہادری ہی کا سبق دیا اور حکم دیا کہ اے زبیر کے فرزند اے میرے نور نظر اگر تم اپنے کو حق پر خیال کرتے ہو، ہرگز تم نہ دبو اور اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کرتے کرتے مرجاؤ دین اسلام اور شرع محمدی پر اپنے کو قربان کردو، تم ہرگز جمعیت کی غداری اور دوستوں کی بے وفائی لڑکوں کی نافرمانی کا مطلق خیال نہ کرو، جان دینا حق کے راستے میں یہی شیوہ ہے نیکوں اور دینداروں کا، غرضکہ ماں سے اجازتِ شہادت لے کر بیت اللہ میں حاضر ہوئے اور جہاں خدا کے اولوالعزم نبیوں کی گردنیں جھکتی رہی ہیں اس زمین عرش پناہ پر سجدۂ شکر ادا کرکے فوجی لباس زیبِ تن کیا، کچھ دیر تک تو مقابلہ کرتے رہے مگر شامی فوج اور کہاں یہ نہتے۔

تنہا ابن الزبیر لڑتے لڑتے تھک کر چور ہوگئے لیکن اس تنہائی پر بھی شامی فوج پر ابن الزبیر کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، ایک اشارے پر ساری فوج منتشر ہوجاتی تھی،

حجاج قلب لشکر سے بیٹھا ہوا ابن زبیر کی بے جگری کا معائنہ کر رہا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ ابن زبیر تلوار ہلاتے ہوئے جس طرف ہو کر نکل جاتے ہیں، شامی فوج بادل کیطرح پھٹ کر راستہ صاف کر دیتی ہیں، خود اپنی فوج کو لے کر بڑھا اور ہر چند چاہا کہ ابن الزبیر کا علمبردار شہید ہو جائے مگر ابن الزبیر کے پاس بھی کوئی پہنچنے کی ہمت کر سکتا تھا؟ ابن الزبیر حجاج کی طرف بھی بڑھے اور پہلے کی طرح اس فوج کو بھی منتشر کر کے نماز ظہر ادا کرنے بیت اللہ میں داخل ہو گئے مگر افسوس نماز سے فراغت کے بعد اپنے محافظ علمبردار کو بھی شہید پایا اور اب بغیر علمبردار کے لڑنا پڑا، باوجود ان تمام باتوں کے پھر بھی آپ ہراساں نہ ہوئے اور شہادت گاہ میں تلوار لے کر پھاند پڑے، بدن تمام زخموں سے چور چور ہو چکا تھا، ایک شامی بدنصیب نے دور بیٹھ کر تیر و کمان جوڑ کر اپنے ناپاک ہاتھوں کو جنبش دی اور تیر نکل کر سر مبارک کو لہولہان کر گیا، خون کے فوارے دماغ سے چھوٹ نکلے اور تمام کپڑے تر ہو گئے، مگر اللہ رے بہادری اس پر بھی ہمت نہ ہارے اور یہ شعر پڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔

ولسنا على الاعقاب تدمى كلومنا ولكن على اقدامنا تقطر الدما

ہمارے زخم ایڑیوں پر خون نہیں بہایا کرتے (یعنی ہمارے پیچھے کی طرف سے زخم نہیں آیا کرتے) بلکہ ہمارا خون (سامنے سے) ہمارے قدموں پر گرا کرتا ہے۔

رفتہ رفتہ یہ خون آنکھوں تک میں پہنچا اور قوتِ بینائی خطا کرنے لگی، اتنے میں ایک اور تیر آیا اور جمادی الاخریٰ ۷۳ھ میں حواری رسول کا فرزند دلبند لختِ جگر صدیق کے نورِ نظر، عبدالملک کے ظالم و شقی سپہ سالار حجاج ابن یوسف کے ہاتھوں ہمیشہ کے لیے پیوند خاک ہو گیا اور دنیا میں اپنی غیر فانی یاد کے قصص و حکایات کا انبار چھوڑ گیا۔

حجاج کا بزدلانہ انتقام: شہادت کے بعد حجاج نے آپ کی لاش کو سر بازار سولی پر لٹکا دیا، کئی دن تک لاش کے ساتھ یہی بے حرمتی جاری رہی، ایک دن حضرت عبداللہ بن

عمرؓ کا ادھر سے گذر ہوا، آپ رُکے اور ایک نظر بھر کر ابن زبیر کے مجسمے کا یہ المناک سین دیکھا کہ چیل کوّے آپ کے جسم پر چمٹے ہوئے نوچ رہے ہیں، بہت افسوس کے ساتھ ٹھنڈی سانس بھر کر فرمانے لگے، اے ابوخبیب! اللہ تم پر رحم کرے، تم بڑے نیک تھے، تم میں بڑی بڑی خوبیاں تھیں، تم نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے، میں نے تم کو دیکھو کس قدر منع کیا تھا کہ تم اس معاملہ میں نہ پڑو مگر تم نے میرا کہنا نہ مانا، آج اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ میں تم کو اس حالت میں دیکھ رہا ہوں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

قصیدہ در مدحِ قاطعِ رفض حضرت اِمام اہلسنّت نوّر اللّٰہ بُرہانہٗ

(رشحہ قلم جناب مولوی سید علی تجمل خاں صاحب تجمّل حسینی حنفی امروہوی)

ذیل کا پر جوش قصیدہ ان الم انگیز اثرات سے متاثر ہو کر تحریر کیا گیا ہے جو شاعر کے وطن مالوف ''امروہہ'' میں ایک مدت سے حضرات شیعہ نے پھیلا رکھے ہیں کبھی اہل سنت اور ان کے اکابر پر سب وشتم کا بازار گرم کیا جاتا ہے اور کبھی عقائد اسلام اور معتقدات مذہب اہلسنت کی تضحیک کرنے کا بیڑا اٹھایا جاتا ہے ابھی حال میں معلوم ہوا ہے کہ کسی رافضی صاحب نے آفتابِ صداقت کے نام سے کوئی کتاب تحریر کی ہے جس میں حضرت عباس اور عبداللہ بن عباس کو غالی رافضی بتایا گیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حضرات متعہ کو جائز فرماتے تھے۔ اسی رسالہ میں حضرت امام اہلسنت مدظلہ العالی کے متعلق بھی نہایت مکروہ اور توہین آمیز الفاظ تحریر کیے گئے ہیں ہمارے نوجوان شاعر اپنے سینہ میں ایک دردمند اور پر جوش دل رکھتے ہیں چنانچہ اس قصیدہ کے زور اور معنوی بلندی سے فارسی سے ذوق رکھنے والے حضرات اس امر کا بخوبی اندازہ کریں گے۔ مدیر

بعد حمد و نعت کاں خارج زامکاں آمدہ — خامۂ من مادح ممدوح دوراں آمدہ
آنکہ در توصیف او توصیف اللہ و رسول — آنکہ ذاتش افتخارِ اہل ایماں آمدہ
حضرت علامہ عبدالشکور لکھنوی — کو بہ رد شیعیت یکتائے دوراں آمدہ
مولدش کاکوری است و مستقرش لکھنوی — کوہ کا سر بر سر لعنت فروشاں آمدہ
قاتلانِ ابن حیدر است ہر یک مرکزے — در عدوزاں لکھنؤ و کوفہ یکساں آمدہ
دیں عجب کز بہر استیصال دین شیعیاں — اہلسنت را امام از لکھنویاں آمدہ
چونکہ زاخلاف عمر فاروق اعظم ذات اوست — شہرۂ حق گوئیش در ہند و ایراں آمدہ
عالم وہم تشنگانِ علم را سرچشمۂ — عارف وہم رہنمائے راہ عرفاں آمدہ

ظلمت کفر از زبانِ حق بیانش محو شد
چوں دلش آئینہ دار نور ایماں آمدہ

از زبانش بشنوی گر نعت ختم المرسلیں — جانب ہند از عرب گوئی کہ حسان آمدہ
نقش کلکش دیدہ باطل پرستاں راجحیم — حرف او فردوس گوش حق نیوشاں آمدہ
آشنا گردد اگر گوشت زتقریر خوشش — درجہاں بار دگر گوئی کہ سحباں آمدہ

فکر او کشاف اسرار حدیث و نطق او ترجمان معنیٔ آیات قرآن آمدہ
بہر حفظ سنتِ خیر البشر گشتہ سپر ، بہر قطع شیعیت شمشیر عریاں آمدہ

کرد برقصر تشیع حملہ ہائے حیدری
ذوالفقارِ او کلامِ شیریزداں آمدہ

آمدہ از وے بجاں ہر پیرو ابن سبا نام او لاحول بہر آل شیطاں آمدہ
ازپئے تجدید سنت اندریں دور فتن چوں مجدد ذاتِ او باساز و ساماں آمدہ
سینۂ بے کینہ اش گنجینۂ عشق نبیؐ بہر حبّ چار یار آئینہ اش جاں آمدہ
یعنی بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ را بدہر بے غلو مدحت سرا و منقبت خواں آمدہ
دامنش لبریز گلہائے ولاے اہلبیتؓ غیرت باغ جناں زیں نو بہاران آمدہ
بہر اظہار حق و اثبات آئین حسینؓ خامہ اش چوں ذوالفقار شیریزداں آمدہ
دشمن رفض وخروج و ناصبیت ذات اوست برق بہر ملحداں و بدعتیاں آمدہ
فتنۂ مرزائیت شعلہ بہ پیراہن ازوست کزپے دجّال چوں مہدی دوراں آمدہ

مقصد او چوں ہدایت بود پس در لکھنؤ
برکفے بنہادہ یک نجم درخشاں آمدہ

کاں زمہ تابانیش بودہ است محسودِ سہیل بس اویم از فیض بے پایانش بناں آمدہ
بہر اصلاح مسلماناں چہ خوشتر مصلحے وزپئے رجم الشیاطیں رجم شیطاں آمدہ
بالخصوص از بہرآں دینے کہ ہر آئین او نا مسلّم نزد اہل عقل و ایماں آمدہ
آنکہ از تلبیس وکذب وافترا تعمیر اوست دانکہ اصلش لعن و بدگوئی نیکاں آمدہ
بوالعجب دینے کہ اظہارش بیارد ذلتے عزت ہر پیروش مضمر بہ کتماں آمدہ

واندراں تبلیغِ دیں آمدز ممنوعات دیں
گرچہ اخفایش خلاف حکم قرآں آمدہ

چوں مدار اوست برکذب وزنا وسب وشتم زیں سبب ہر پیروش مشتاق عصیاں آمدہ
یزدہ معصوم از مخلوق غیر از انبیاء اینت حیرت متصف خالق بہ نسیاں آمدہ
چوں رسول شاں تقیہ کردو حق پوشی نمود امتش ہم از ہماں آلودہ داماں آمدہ
نزد ایشاں خود رسول و آل و اصحابش تمام ہر یکے از زمرۂ باطل پرستاں آمدہ

اعتقاد شاں بشاں دود مان مصطفےؐ
روکش صد اعتقاد خارجیاں آمدہ

شد ز مرویات اصحاب الائمہ آشکار
ہر امامے ہمقریں نفس و شیطاں آمدہ

بالخصوص آں مومن اول شہ مرداں علیؓ
بے نصیب از دولت اسلام و ایماں آمدہ

اشجع عالم زروئے ملت ابن سبا
شیر حق بودہ بترا ز گوسفنداں آمدہ

ہر یکے زایشا نست در ظاہر نصیری زادۂ
لیک در باطن بتراز ناصبیاں آمدہ

حضرت عباسؓ ہم کو عم خیر الناس بود
مورد صد طعنہ ہائے مفتریاں آمدہ

یعنی او ہرگز نبود از صلب عبدالمطلب
ہستیش غالی تریں رافضیاں آمدہ

ہمچناں فرزند او کوبُد امام المسلمین
از گروہ شاں بقول ابن سفیہاں آمدہ

آنکہ اورا اہل ایماں، خیر امت گفتہ اند
بیں کہ نزد کافراں او ہم از ایشاں آمدہ

وندریں مذہب بقول مرتضیٰؓ در احتجاج
درخور نفریں ہمہ مضموں فرقاں آمدہ

باوجود وعدۂ حفظ خدا ازبہر او
ایں جماعت قائل تحریف قرآں آمدہ

نزد ایشاں چونکہ حرفے زاصل او محفوظ نیست
حفظ قرآں بہر شاں بیروں زامکاں آمدہ

الغرض اللہ و قرآن و نبیؐ وہم علیؓ
باصحابہ ازیک از ناراستگویاں آمدہ

آں جماعت کو بہ قرآں است ممدوح خدا
نزد ایشاں مایۂ صد کذب و بہتان آمدہ

الحذر از اعتقاداتِ روافض الحذر!
اندریں عالم. خدایا ایں چہ طوفاں آمدہ

ایں خصوصیات رفض از خود نہ ہرگز گفتہ ام
آشکارا زہر کتاب رافضیاں آمدہ

بہر محو ظلمت ایں کفریات اہل رفض
صاحب النجم چوں خورشید رخشاں آمدہ

آنکہ نام نامیش مذکوردر آغاز شد
آنکہ ذات سامیش ممدوح دوراں آمدہ

آنکہ بہر خدمت اسلام خودرا وقف ساخت
آنکہ تنہا برسر اعدا بمیداں آمدہ

آنکہ از صدیق فیض صدق میدارد بدل
آنکہ از فاروقؓ پر از جوش ایماں آمدہ

آں کہ در حلم و حیا بگرفتہ از عثمانؓ سبق
آں کہ فائض از علیؓ در علم و عرفاں آمدہ

آں کہ دارد دولت حسن تکلم از حسنؓ
آنکہ درحق فدوی شاہ شہیداں آمدہ

آنکہ او غواص دریائے علوم مذہب است
آنکہ او گنجینۂ دُرہائے ایماں آمدہ

آنکہ قائم از پئے تبلیغ دارے کردہ است
آنکہ غازی درجہاد دین و ایماں آمدہ

آنکہ او برہر کتاب شیعیاں وارد عبور | آنکہ از حفظش گروہ شیعہ حیراں آمدہ
آنکہ علم او علمبردار اہل سنت است | آنکہ ذاتش حامی تعلیم قرآں آمدہ
گوہرش تادیر باد ازانکہ اہل رفض را | از سرش صد سینہ چاک و دیدہ گریاں آمدہ

وصف پاکش ریخت از کلک تجمل زانکہ او
قاطع رگہائے جانِ رافضیاں آمدہ

موصوف قاری علی تجمل نقوی مرتب کے حقیقی بڑے بھائی تھے، اکتوبر ۱۹۸۶ء میں انتقال فرمایا، مدعیان تحریف قرآن کے ازلی مخالف و مدمقابل تھے اور امام اہلسنتؒ کے پروانے و کفش بردار، جیسا کہ قصیدہ سے ظاہر ہے، امام اہلسنتؒ بھی بھائی پر نہایت شفیق و مہربان تھے، جب بھی پاکستان تشریف لائے ہیں، محبت بھرے انداز میں راقم سے پہلا سوال یہی کیا "تجمل کا کیا حال ہے" انداز سوال والہانہ تعلق کا غماز ہوتا تھا۔ گویا ع

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی

زیر نظر قصیدہ کا جواب باوجود ہزار کوشش کے شیعیان "امروہہ" نہ دے سکے، شعراء "امروہہ" کی طرف سے جو جواب بھی لکھا گیا اس کو وطن عزیز کے خود شیعہ اہل علم ہی نے یہ کہہ کر فیل کر دیا کہ ہمارا جواب زبان و ادب میں زیر نظر قصیدہ کے ہم پلہ نہ ہونے کے سبب نا قابل طباعت بلکہ ہمارے لیے باعث ذلت اور اعتراف شکست کے مترادف ہے۔

یہ روداد خود بھائی نے راقم کو سنائی تھی۔ امام اہلسنتؒ کے ترجمان خاص پسر ثانی رئیس التحریر مولانا عبدالمومنؒ کا خیال تھا کہ اگر مجھے حالات نے فرصت دی تو میں اس قصیدہ کی شرح لکھوں گا۔

دلچسپ واقعہ: محمود احمد عباسی صاحب نے قصیدہ کی پندرہ کاپیاں منگوا کر ڈاک سے بعض شیعہ حضرات کو بھیج دیں کاپیاں پہنچی تھیں کہ ان میں سے بعض حضرات نانا کے پاس (جو شیعہ تھے) نہایت مشتعل و افسردہ پہنچے اور غصہ سے سوال کیا کچھ نواسہ کی بھی خبر ہے کہ کیا کر رہا ہے؟ اور نواسہ پر آیا ہوا غیض و غضب نانا پر اتار دیا۔ (مرتب)

حرف آخر

زیر نظر کتاب جب پہلی مرتبہ منظر عام پر آئی اور ''ملتان'' پہنچی، تو ''ملتان'' کے ایک صاحب نے جن کو عباسی صاحب سے خصوصی عقیدت تھی اظہار بیزاری کرتے ہوئے راقم کو لکھا تھا:

> ''خبیث تو رافضی ہے تو نے محمود احمد عباسی کے خلاف کتاب لکھدی، ''امروہہ'' کے جتنے بھی نقوی، تقوی اور زیدی ہوتے ہیں وہ رافضی ہیں، تقیہ میں سنی بنے ہوئے ہیں''۔ (حسب یاد)

مذکورہ کتاب موصوف کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہے، الحمدللہ یہ کتاب ارباب علم اور عوام دونوں طبقوں میں نہایت مقبول ہوئی اور دونوں سے داد تحسین واعتماد حاصل کر چکی ہے، مدیر بینات مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا اپنے تبصرہ میں یہ لکھنا کہ:

> ''عباسی صاحب کی تلبیسات کا تجزیہ تو متعدد اہل علم اور اہل قلم کر چکے ہیں لیکن زیر تبصرہ کتاب اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس کے ذریعہ عباسی کی ذہنیت کا پس منظر اور اس کے افکار و نظریات پہلی بار منظر عام پر آئے ہیں''۔

مذکورہ تبصرہ اسکی صحت کی واضح ضمانت ہے علاوہ ازیں راقم کی گذارش یہ ہے کہ موصوف کا راقم کو رافضی لکھنا خود ان کے شیخ اور پیر و مرشد، محمود احمد عباسی صاحب کی نظر میں شدید غلطی اور لاعلمی پر مبنی ہے، کاش کہ موصوف راقم کے مذہب کا فیصلہ بجائے خود کرنے کے اپنے شیخ کے مطابق کریں، اخلاص عقیدت کا یہی تقاضا ہے، اتنا عرض کردوں کہ عباسی صاحب کی مورخ اور ایک علمی شخصیت کی حیثیت سے تمام تر شہرت ان کی پہلی تالیف ''تاریخ امروہہ'' ہی کے سبب عمل میں آئی، ''تاریخ امروہہ'' واقعی عباسی صاحب کا عظیم کارنامہ ہے، یہ کئی سو صفحات کی تین جلدوں پر مشتمل ہے ''تاریخ امروہہ'' ''تذکرۃ الکرام'' اور ''تحقیق الانساب''۔

عباسی صاحب تاریخ امروہہ میں راقم کے خاندان کے متعلق رقم طراز ہیں:

اس کا جواب مسٹر منول کے مندرجہ بالا اقتباس ہی کی آخری سطور میں ملتا ہے یعنی امروہہ کے مسلمانوں میں مذہبی تفریق نوابان اودھ کے زمانہ سے جو بذات خود غالی شیعہ تھے شروع ہوئی۔

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ اودھ اور روہیلکھنڈ میں نواب آصف الدولہ نے شیعہ مذہب کی تبلیغ کی مولانا حکیم سید عبدالحی مرحوم ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جو ضلع رائے بریلی کے قدیم اور مشہور خاندان سادات کے نامور رکن، عالم، ادیب، و طبیب حاذق ہونے کے علاوہ، فاضل مؤرخ بھی تھے لکھتے ہیں:-

"نواب آصف الدولہ کے زمانہ کا یہ کارنامہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ لہو و لعب میں مشغول ہونے کے ساتھ مذہب تشیع کی اشاعت میں انہوں نے دل سے کوشش کی۔ ان کے نائب حسن رضا خان بھی مذہبی آدمی تھے، وہ بھی اسی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ ان کی کوششوں سے ہزاروں خاندان سنی سے شیعہ ہو گئے اور انکو جاگیریں ملیں اور جو اپنی ضد پر قایم رہے ان کی جاگیریں، جو شاہان مغلیہ کے وقت سے چلی آتی تھیں ضبط کی گئیں۔" (گل رعنا صفحہ ۱۵۳)

صوبہ اودھ میں تبلیغ شیعیت کے متعلق مولانا حکیم سید عبدالحی مرحوم مندرجہ بالا اقتباس میں فرماتے ہیں کہ نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں:-

"ہزاروں خاندان سنی سے شیعہ ہو گئے اور ان کو جاگیریں ملیں اور جو اپنی ضد پر قایم رہے انکی جاگیریں جو شاہان مغلیہ کے وقت سے چلی آتی تھیں ضبط کی گئیں۔"

اس قول کی تائید میں متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ نواب مدار الدولہ کے والد خواجہ موسیٰ خان جو خاندان مشائخ نقشبندیہ سے تھے سنی المذہب تھے۔ ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ نواب برہان الملک کی صحبت میں جو پہلے نواب وزیر تھے، مذہب شیعہ اختیار کیا تھا لیکن تقیہ میں تھے ان کے فرزند نواب مدار الدولہ نے شیعیت کا اعلان

کیا ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر انعام میں ملی۔ ایک شیعہ مورخ لکھتے ہیں کہ :-

"خواجہ موسیٰ خان از جہت تولد در توران و صحبت بزرگان خود سنی بود در ہندوستان چوں صحبت نواب برہان الملک دریافت بمذہب اثنا عشری میل نمود لیکن بکمال اخفا و مدار الدولہ ہرگز اخفائے مذہب کہ در اثنا عشریاں تقیہ ہم بست بخاطر نہ دارد و بہ اعلان تمام تعزیہ داری می کرد و حالا در لکھنؤ جاگیر شصت ہزار روپیہ از سرکار دولتمدار برائے او مقرر است۔"

خواجہ موسیٰ خان بوجہ ملک توران میں پیدا ہونے اور اپنے بزرگوں کی صحبت کی وجہ سے سنی تھے جب نواب برہان الملک کی صحبت میں رہے تو مذہب امامیہ کی جانب مائل ہوئے لیکن نہایت خفیہ طریقہ پر اور مدار الدولہ (جو ان کے فرزند تھے) اپنے مذہب کا اخفا جسکو امامیہ مذہب میں تقیہ کہتے ہیں ہرگز نہ کرتے تھے بلکہ علی الاعلان تعزیہ داری کرتے تھے اور اب لکھنؤ میں انکو ساٹھ ہزار روپیہ کی جاگیر سرکار سے ملی ہوئی ہے۔ (عماد السعادت)

برخلاف اسکے جن امرا کی جاگیریں شاہان مغلیہ کی عطا کردہ تھیں اور وہ مذہب کے معاملہ میں اپنی ضد پر قائم رہے، ضبط کی گئیں۔ امروہہ میں بعض مثالیں اسکی تائید میں ملتی ہیں۔ سادات امروہہ اولاد حضرت شاہ ولایت میں سید **علی اعظم خان** (ڈھڑیال والے) کا خاندان ابا عن جد سنی حنفی ہے۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے اس خاندان میں نامور منصب دار اور امرا ہوتے رہے۔ شاہان مغلیہ اور سلطنت اسلامی کی شاندار خدمات کے صلہ میں بڑی بڑی جاگیریں ملیں۔ جب روہیلکھنڈ کا علاقہ نوابان اودھ کے زیر حکومت آیا تو نواب شجاع الدولہ کے زمانہ میں اور جاگیرداروں کی طرح انھیں بھی پروانہ واگذاشت ملا لیکن جب نواب آصف الدولہ بہادر مسند حکومت پر بیٹھے تو سید علی اعظم خان سے بھی، جو اس زمانہ میں امروہہ کے بڑے جاگیردار تھے، مذہب شیعہ اختیار کرنے کی تحریک ہوئی اور در صورت انکار ضبطی جاگیر کی دھمکی دی گئی لیکن سید موصوف نے اس نازک وقت میں بھی دنیاوی مال و دولت پر اپنے عقائد مذہبی کو ترجیح دی۔ اس طرز عمل کی پاداش میں

شیوہ حکومت نے ان کی جاگیر کے مواضعات مجھوآنہ وغیرہ عطیۂ شاہان مغلیہ ضبط کر لئے کسی معمولی شخص کا معاملہ ہوتا تو اس زمانہ میں شخصی حکومت کے استبداد کے خلاف چارہ کار ہی کیا تھا مگر سید علی اعظم خان[1] خود بھی منصب دار تھے شاہ دہلی کے وزرا سے ان کے خاندانی تعلقات تھے۔ وہاں سے نواب آصف الدولہ کے نائب حسن رضا خان پر جو ان کارروائیوں کے بانی مبانی تھے زور ڈالا گیا تب جا کے یہ جاگیر واگذاشت ہوئی اس سلسلہ میں شاہ دہلی کے وزیر کی ایک سفارشی تحریر جو نواب آصف الدولہ کے ایک مقرب خاص کے نام ہے تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے شایع کرنا بے محل نہ ہوگا۔ یہ اصلی تحریر خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے کاغذ افشاں ہے جس پر طلائی کام ہے، اسکا عکس بھی شایع کیا جاتا ہے:۔

نواب صاحب برادر مہربان سلامت

بعد اشتیاق ملاقات محبت آیات کہ حد ے و نہایتے ندارد مشہود خاطر خلت مآثر میدارد کہ سیادت و رفعت نشان محمد اعظم[1] از قدیم باینجانب واسطہ مرافقت و موافقت دارند واجب الرعایت خود اند نظر بر این یعنی رسوخ ارادت ایشاں را بجناب نواب

---

[1] ان کا اصلی نام "سید محمد اعظم" تھا اور "علی اعظم خان" خطاب۔ ملاحظہ ہو حصۂ دویم۔ سید علی اعظم خان حضرت شاہ عبد الہادی قدس سرہ سے بیعت ارادت رکھتے تھے ان کے نامور فرزندوں میں سید بنیاد علی خان صوفی اور راسخ العقیدہ سنی تھے انہوں نے یہ دیکھ کر کہ سادات کی برادری میں شیعہ و سنیوں کی باہم مناکحت و رشتہ داری کے تعلقات و اثرات سے شیعی عقاید کا رواج ہونے لگا ہے اپنے خاندان میں اس کی روک تھام کی حتیٰ کہ جو جائداد انہوں نے وقف کی تھی اسکے متعلقین کیلئے سنی المذہب ہونے کی قید لگائی۔

(*) عباسی صاحب نے "تاریخ امروہہ" میں وقف نامہ اور جائیداد کی تفصیل بھی سپرد قلم کی ہے مگر اس کا نقل کرنا لاحاصل اور موضوع سے خارج بھی ہے۔ (مرتب، علی مطہر نقوی)

عنوان آں گذارش نمودہ دلنشین گردانید چنانچہ پروانہ واگذاشت دیہات جاگیر محولہ
ویرہ عملہ پرگنہ امروہہ را بواسطہ علاقہ زمینداری رفعت نشان مرقوم مرحمت فرمودند
ازانجا کہ پرگنہ مذکور در قلمرو نواب صاحب قدردان نواب آصف الدولہ بہادر است بپرداخت
رفیقان اینجانب کہ در حقیقت از متوسلان نواب صاحب موصوف اند بنابراں مستلزم
محبت و یکدلیہا آن است کہ احوال ایشان بخوبی ذہن نشین گردانیدہ پروانہ واگذار
دیہات مرقوم را حاصل کردہ دہند کہ کامیابی رفعت نشان مسطور فی الحقیقت خوشنودی
اینجانب تواند شد و مدام ترسیل مکاتیب مسرت اسالیب مسرور و خورسند دارند۔
زیادہ چہ تحریر در آید۔"

مولوی محب علی خان عباسی، جنھوں نے امروہہ میں مذہب شیعہ کی اشاعت کا ابتدائی دور بچشم خود دیکھا تھا، اپنی تالیف آئینہ عباسی میں لکھتے ہیں:-

"اس شہر (یعنی امروہہ) میں بعد سالار غازی کہ آٹھ سو برس ہوئے ہونگے، اہل اسلام سادات و شرفا بود و باش رکھتے ہیں، سب کا ایک مذہب حق اہل سنت والجماعت تھا جیسا کہ آثار و اطوار و تصانیف و اخبار سے بخوبی ثابت ہے۔ اب عرصہ ۵۰ برس سے بوجہ آنے عملداری نواب وزیر (اودھ) کہ وہ ہی اس مذہب ..... کا موجد ہندوستان میں ہے بفحوائے اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ بعض بعض نے بہ طمع نفسانی اپنے بزرگوں کا مذہب ..... چھوڑ کر تشیع اختیار کیا۔ اب ہمارے سامنے اس مذہب کی ترقی ہوئی۔"

اس خیال کی تائید کہ مذہب شیعہ نے امروہہ کے سادات فاطمی میں ابتداءً نوابان اودھ کی کوششوں اور شیعہ حکومت کے اثرات کی بدولت رواج پایا اور شیعہ حکومت کی حمایت سے اس کو قوت حاصل ہوئی

سید عبد الغفار کے فرزند دیوان سید محمد مختار ۱۰۸۰ھ میں دو ہزاری ذات کے منصب اور خطاب بہادر سے سرفراز تھے، کثیر جاگیر انعام میں پائی۔ ان کے چار فرزندوں میں سے سید لطف علی و سید غضنفر علی بھی منصبدار و جاگیردار تھے، اول الذکر سے عقب نہیں۔ سید غضنفر علی کے ایک فرزند سید وارث علی اور ان کے خلف الصدق سید عبد الواحد دونوں باپ بیٹے ہزاری ذات کے منصبدار و جاگیردار ہوئے۔ سید غضنفر علی کے دوسرے فرزند سید منور علی تھے ان کے ایک بیٹے سید علی مرتضیٰ خاں بعہد محمد شاہ بادشاہ ہزاری ذات و خطاب خانی سے سرفراز ہوئے۔ بڑی جاگیر انعام میں پائی ان کے نامور فرزند سید علی اعظم خاں* بعہد شاہ عالم عالی گہر بادشاہ سہ ہزاری ذات و سات سوار کے منصبدار اور خطابات "بہادر" اور "خان" سے سرفراز ہوئے۔ پندرہ مواضعات جاگیر میں پائے۔ اور ان کے دونوں بیٹوں سید امان علی خاں و سید بنیاد علی خاں کو بھی جاگیریں ملیں۔

سید اعظم علی خان اور سید محمد اسد اللہ خان عرف میر کلو اپنے زمانہ میں امروہہ کے مشہور اور ممتاز امرا اور بڑے جاگیرداروں میں سے تھے۔ ان کی نسل کے بعض افراد کے پاس اب بھی جزوی جاگیر باقی ہے۔

---

* راقم (مرتب) کا خاندان سید علی اعظم خاں کی اولاد ہے اور امروہہ میں گھڑیال والے سے موسوم ہے۔ (علی مظہر نقوی)

* میر کلو خود اپنے بھائی سید علی اعظم خاں کی طرح پختہ صحیح العقیدہ سُنّی تھے، مگر افسوس کہ ان کی اولاد "شیعہ" ہو گئی۔ (مرتب، علی مظہر نقوی)

نواب صاحب [illegible] مهربان [illegible] سلامت

بعد که [illegible]

[illegible]

[illegible] دهات [illegible]

رفقت [illegible] محمد معظم [illegible]

موافقت [illegible] والاجاه الرعایت [illegible]

[illegible]

نمود [illegible] گذاشت

دهات [illegible] که موضع [illegible]

نواب [illegible] علاقه [illegible]

[illegible] مذکور [illegible]

نواب آصف الدوله بهادر [illegible]

در حقیقت [illegible] نواب صاحب [illegible]

[illegible] محبت [illegible]

[illegible]

دهات [illegible]

[illegible]

اینجا [illegible]

[illegible]

[illegible] ضبط کرده نواب آصف الدوله بهادر [illegible]

عجیب اتفاق کہ امام اہلسنت ؒ کی آخری آمد کے موقع پر راقم ایک روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، مولانا تنہا تھے راقم مولانا کے قریب ہی جا کر بیٹھا، مولانا کے سامنے ''خلافت معاویہ و یزید'' رکھی ہوئی تھی، مولانا راقم کے بیٹھتے ہی ازخود فرمانے لگے کہ

''ابھی ابھی محمود احمد صاحب گئے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ میں بھی اس پر کچھ لکھ دوں تو میں نے ان سے کہا کہ میں اولاً اس کو پڑھ لوں وہ کتاب چھوڑ گئے ہیں''۔

راقم نہیں کہہ سکتا کہ مولانا نے مذکورہ کتاب پڑھی یا نہیں؟ اور کچھ لکھا یا نہیں؟؟ لیکن قارئین زیر نظر کتاب میں مولانا کے عشق علی و حسین سے ملبب مضامین پڑھ کر خود ہی بآسانی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ مولانا موصوف ''خلافت معاویہ و یزید'' کو کس درجہ کذب وافترا کا مجموعہ اور ایمان سوز و گمراہ کن قرار دیتے، جس میں مولانا کے علی الرغم حسین کو بمقابلہ یزید باغی و خاطی اور جاہ طلب ثابت کیا گیا ہے، بلکہ علیؓ و حسینؓ دونوں کو بے وقار و خود غرض باور کرایا گیا ہے، امام موصوف اور انکے سراپا علم و ایمان قابل فخر جانشین مولانا عبدالمومنؒ جو خصوصاً شیعوں کے مقابلہ میں سیف قاطع ہیں کے مضامین کا ایک ایک لفظ بول رہا ہے کہ یہ پیکران ہدایت علی و حسین کے پروانے اور یزید کو نفرت و حقارت سے دیکھنے والے تھے، واضح رہے کہ مذہب اہلسنت کے جملہ ترجمان امام ابن تیمیہؒ، مجدد الف ثانی شاہ ولی اللہؒ امام اہلسنت ہی کی طرح علی و حسین کے عشاق و پروانے تھے اور یزید کو بنظر حقارت و تنفر ظالم و سفاک ثابت کرنے والے حضرات تھے، جس نے کافروں کی طرح مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، ایسے بدبخت تو اسلامی تاریخ نے کم ہی دیکھے ہیں۔

اسی عقیدے اور نظریے کا نام مذہب اہلسنت ہے، الحمدللہ امام اہلسنت ؒ کو جملہ اکابرین اہلسنت کے مسلمہ ترجمان کا مقام حاصل ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دینی افکار و عقائد سے قطع نظر عباسی صاحب راقم الحروف ہی کے نہیں بلکہ ہمارے خاندان کے نہایت قدردان اور بچہ بچہ پر شفیق اور پیکر خلوص تھے اسی لیے راقم کا قلم عباسی صاحب کے مقابلہ میں لکھتے ہوئے بار بار رکتا ہے مگر تعلق باللہ اور اس کے دین کے مقابلہ میں ہر تعلق ہیچ اور قربان ہے صرف یہی جذبہ عباسی صاحب کے صحیح تعارف میں مجموعہ ہذا کا اصل محرک ہے اللہ گواہ ہے، اس کے علاوہ اور کوئی غرض یا مقصد ہرگز نہیں۔

الحمدللہ نہایت خوشی اور اطمینان کی بات ہے کہ عباسی صاحب کے خاندان میں ایک عباسی صاحب کے سوا (جو گزر گئے) باقی سب لوگ راقم کے علم کے مطابق پختہ دیوبندی سُنی عقائد رکھنے والے ذی علم خوش کردار مسلمان ہیں اور یہ خاندان ہمیشہ سے امروہہ کے لیے باعث فخر و عزت ہے، امروہہ کے موجودہ مقام میں عباسی صاحب اور ان کے گھرانے کا حصہ ناقابل فراموش ہے۔

سید علی مطہر نقوی امروہوی

ایک قاری کے تاثرات

اعجاز احمد خان سنگھانوی

قومِ یہود ۔ نے اسلام کو مٹانے، کمزور کرنے اور مسلمانوں کو باہم لڑانے کے لیے طرح طرح کے فتنوں کو جنم دیا، روافض، خوارج اور نواصب کے فتنے خیر القرون کے بعد وجود میں آئے اور جھوٹ، تلبیسات اور بہتان تراشی کے زور پر وقفے وقفے سے سر اٹھاتے رہے لیکن اہل سنت والجماعت اور دین حق کے پیروکاروں نے ہمیشہ ان فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ہر ہر میدان میں انھیں شکست فاش سے دوچار کیا۔

ماضی قریب میں حجۃ الاسلام علامہ مولینا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوری تیاری کے ساتھ روافض کا مقابلہ ان کے گھر میں بیٹھ کر کیا، اس سلسلے میں مولانا مرحوم نے تحریر، تقریر اور تلامذہ کے ذریعہ پوری ایک فوج قائم کر دی اور اعتدال وسنجیدگی کے ساتھ دلائل کے انبار لگا دیے۔

قیام پاکستان کے بعد انکار ختم نبوت، انکار حدیث، الحاد و کفر، تشکیک و بے یقینی، رفض و بدعت اور ناصبیت نے نئے نئے لباس میں پر پرزے نکالے اور بڑی شدّ ومد کے ساتھ لوگوں کے ذہنوں کو مسموم کرنے کی کوشش کی، دوسری طرف علماء حق نے بھی پوری تیاری اور جدوجہد کے بعد ان فتنوں کا زور توڑ دیا۔

محمود احمد عباسی صاحب ''امروہہ'' کے رہنے والے اور علی گڑھ یونیورسٹی کے بی۔ اے تھے، الحاد و بے دینی شروع ہی سے دماغ میں تھی، نماز روزہ سے عاری اور چینی سفارت خانہ میں مترجم کی حیثیت سے ملازم تھے، انھوں نے ''خلافت معاویہؓ و یزید'' نامی کتاب لکھ کر ناصبیت کو ہوا دی اور ملحدین اور سطحی علم کے حامل افراد ان کے گرد جمع ہو گئے اور انھیں ''شیخ الاسلام'' کے عظیم منصب پر فائز کر دیا، جبکہ وہ خود ایک عام مسلمان بننے کی صلاحیت سے بھی محروم تھے۔

جناب علی مطہر نقوی صاحب عباسی صاحب کے ہم وطن اور ان کے راز داں ہیں لیکن انھوں نے از خود کچھ لکھنے کے بجائے مختلف علماء کرام، معاصرین اور اہل قلم کی تحریروں کو بڑے سلیقے اور انتہائی اونچے معیار پر اِس طرح ترتیب دیا ہے کہ اس گروہ کے جملہ افراد کی اصلیت سامنے آجاتی ہے اور ناصبیوں کا الحاد وزندقہ کھل کر واضح ہو جاتا ہے۔

ساتھ ہی نقوی صاحب نے یہ کمال بھی کیا ہے کہ اہل سنّت والجماعت کے عقائد کو صاف اور واضح طور پر نقل کر دیا ہے، جس سے خلفائے راشدینؓ، صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؓ کی شان وعظمت کے مطابق عقائد درست کرنے کی تعلیم ملتی ہے۔

نقوی صاحب نے جگہ جگہ بعض باتوں کی وضاحت کے لیے مختصر نوٹ بھی لکھ دیے ہیں، جن سے اصل حقیقت ذہن نشین ہو جاتی ہے اور مبہم بات روشن ہو کر سامنے آجاتی ہے۔

جناب علی مطہر نقوی کی مساعی جمیلہ سے ناصبیت کا پردہ چاک ہو گیا ہے اور ان کے باطل دعوے از خود منہدم ہو گئے ہیں، لیکن نقوی صاحب نے یہ سب کچھ اس چابکدستی سے ترتیب دیا ہے کہ ناصبیت کے خلاف انھوں نے از خود تو کچھ نہیں لکھا لیکن ان کی ضرب کلیمی سے یہ باطل کا بت پاش پاش ہو گیا ہے۔۔۔۔۔اور مسلمان اس کتاب کو پڑھ کر ان شاء اللہ تعالیٰ ''ناصبیت'' کے زہر سے نہ صرف محفوظ رہیں گے بلکہ اس زہر کے اثر کو بھی ختم کر دیں گے اور ہر ہر محاذ پر ناصبیت کا مقابلہ کریں گے۔

یہ کتاب ان شاء اللہ تعالیٰ جہاں ناصبیت کے زہر کے لیے تریاق ثابت ہوگی وہاں نقوی صاحب کے لیے اجر آخرت میں اضافے اور ان کی مغفرت کا ذریعہ بھی ثابت ہوگی۔

جناب علی مطہر نقوی کی سلیقہ مندی اور ہوشیاری کو دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ وہ اسی جذبہ اور ہنر کو کام میں لا کر روافض کے بارے میں بھی جم کر کام کریں، اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے اور دین کی مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت لکھنویؒ اپنے معاصرین کی نظر میں

زیر نظر مجموعہ چونکہ بیشتر مقامات پر امام اہلسنت علامہ محمد عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ کی مصنفہ کتب کے اقتباسات اور حوالوں سے مزین ہے، اس لیے کیا ہی اچھا ہو کہ اپنے ہم عصر مشاہیر کی نظر میں امام اہلسنتؒ کا جو مقام ہے اس کو قارئین کرام کے مطالعہ میں بھی لے آیا جائے۔ خاکسار مرتب

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ

سابق صدر جمعیۃ علماء ہند دہلی (م ۱۹۵۳ء)

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے ایک موقع پر تحریر فرمایا تھا:

"جامع معقول و منقول و حاوی فروع و اصول حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب لکھنویؒ مدیر النجم علماء احناف اہلسنت و جماعت میں ایک متبحر اور مقدس عالم ہیں۔ مذاہب باطلہ خصوصاً شیعوں کے مقابل میں مولانا موصوف کی خدمات قابلِ قدر و تحسین ہیں، جزاهم الله عني و عن سائر المسلمين۔ حضرت مولانا اس کے مستحق ہیں کہ مذاہب باطلہ کے مقابلہ میں اہلِ اسلام ان کو اپنا نمائندہ منتخب کریں۔ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ اس دور کے شاہ عبدالعزیزؒ ہیں۔"

جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ سابق مدیر صدق لکھنؤ (م ۱۹۷۷ء)

"مولاناؒ کا شمار وقت کے ممتاز فضلائے اہلسنت میں تھا۔ قرآن پاک، حدیث رسول، اور کلام فقہاء تینوں پر گہری نظر رکھنے والے اور شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کے بھی راز دار تھے۔ طبعاً بھلے، شریف، متین، باوقار، صلح کل اور آشتی پسند تھے۔ مناظرہ کی راہ محض دفاع میں اور مجبوراً اختیار کرنا پڑی تھی۔ دریاباد ایک زمانہ میں برسوں آنا ہوتا رہا تھا، وعظ سادہ و بے تکلف،

تھا۔ نہ کہیں جوشِ خطابت، نہ گردن اور ہاتھوں میں جنبش نہ خوش الحانی کے ساتھ شعر خوانی، بجائے تقریر کے سارا انداز محض گفتگو کا، اور اس کے باوجود نہایت مؤثر، قناعت، بے لوثی اور بے طمعی کے لحاظ سے زندگی ایک درویش جیسی۔ حق تعالیٰ اپنی بہترین رحمتوں اور نوازشوں سے مالا مال کرے۔"

مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ سابق مدیر الفرقان لکھنؤ (م ۱۹۹۷ء)

"ہمارے دینی اور علمی حلقوں میں حضرت مولانا کی شہرت مسلک اہلسنت کے ایک لائق وکیل اور کامیاب مناظر و متکلم کی حیثیت سے رہی ہے اور اس کام کے لیے یہ واقعہ ہے کہ ہمارے اس زمانہ میں کسی خاص درجہ کے رسوخ علمی کی ضرورت نہیں رہی ہے اس لیے جن لوگوں کو مولانا کے قریب رہنے کا زیادہ اتفاق نہیں ہوا ان کو غالباً بالکل اندازہ نہیں ہوگا کہ ممدوح صرف مناظر اور مصنف ہی نہیں بلکہ علمائے راسخین میں سے تھے۔ نامور اصحابِ درس کی سی ٹھوس علمی استعداد اور اپنے دائرے میں مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اسی کے ساتھ قدرت نے حافظہ بھی بے نظیر دیا تھا۔ راقم السطور نے اپنی عمر میں بہت کم حضرات ایسے قوی الحافظہ دیکھے ہیں۔ جن لوگوں نے حضرت مولانا کی تقریریں سنی ہیں انھیں یاد ہوگا کہ صرف قرآنی آیات و احادیث ہی نہیں بلکہ شیعوں کی کتب حدیث و اسماء الرجال اور بعد کے مصنفین کی کتابوں کی بھی لمبی لمبی عبارتیں حتیٰ کہ شاہنامہ اور حملۂ حیدری کے صفحے کے صفحے مولانا بالکل حافظوں کی طرح پڑھتے تھے۔ بہرحال مولانا اپنے غیر معمولی حافظہ کے لحاظ سے اللہ کی قدرت کی ایک نشانی تھے۔ سلامتیٔ فہم کے ساتھ ذہانت و ذکاوت سے بھی اللہ تعالیٰ نے حصۂ وافر عطا فرمایا تھا۔ ان سب چیزوں کے جامع ہونے کی وجہ سے خالص علمی حیثیت سے بھی مولانا کا مقام بہت بلند تھا، علومِ دین کے مختلف شعبوں میں سے علمِ قرآن سے خاص شغف تھا۔ آپ کا سلسلہ تفسیر آیات آپ کے تدبر فی القرآن کی زندہ اور باقی رہنے والی شہادت ہے۔"

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

سابق ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (م ۱۹۹۹ء)

"نہ صرف ہمارے شہر لکھنؤ اور نہ صرف ہندوستان بلکہ عالمِ اسلام اور عصرِ حاضر کا ایک اہم ملی اور دینی حادثہ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی کی وفات ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا اس وقت دنیائے اسلام کے ممتاز ترین علماء و مصلحین اور ان چند برگزیدہ شخصیتوں میں سے تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے تاریخِ اسلام کے مختلف زمانوں میں خاص اصلاحی اور تجدیدی کام لیا ہے۔ وہ علاوہ اس کے کہ ایک بڑے متبحر عالم اور عمیق النظر فقیہ تھے ایک کامیاب مصنف اور متکلم، صاحبِ سلوک اور صاحبِ سلسلہ شیخ اور خوش بیان مقرر بھی تھے۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت اور امتیاز یہ تھا کہ انھوں نے عامہ مسلمین اور اہلسنت کے ذہنوں کو صاف کرنے کا اور صحابۂ کرام سے ان کا رابطہ تازہ اور مستحکم کرنے کا ضروری کام انجام دیا اور اس سلسلہ میں ان غلط فہمیوں اور غیر اسلامی اثرات سے بچایا جو ناواقفیت، غلط صحبت، اور غلط پروپیگنڈے سے ان میں سرایت کر گئی تھیں۔ حقیقت میں ہندوستان کی سرزمین میں اس مخصوص سلسلہ کے جس اصلاحی کام کو حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنے اپنے وقت میں انجام دیا تھا مولانا نے اس کو بہت آگے بڑھایا اور اس کی ترقی و تکمیل کی خدمت انجام دی۔ اس میں مبالغہ نہیں ہے کہ وہ اس موضوع خاص اور شیعہ لٹریچر اور ان کے عقائد اور علم کلام کے اس زمانے میں سب سے بڑے عالم اور ناقد تھے اور اس سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ عصر حاضر میں ان کی کوئی نظیر نہ تھی بلکہ یہ بھی واقعہ ہے کہ ان کی تحقیقات بہت سے قریب العصر محققین سے بھی آگے بڑھ گئی تھیں

بشکریہ

امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ

حیات وخدمات

مؤلفہ: پروفیسر محمد عبدالحئی فاروقی

سابق صدر شعبۂ مطالعات اسلامیہ جامعہ ہمدرد

نئی دہلی ۶۲ ہند

تبصرہ

بنیادی اسلامی عقائد

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی، صفحات ۴۰

روزمرہ زندگی کے ضروری مسائل اور عقائد پر مشتمل جامع اور عام فہم کتابوں میں "بہشتی زیور" اور مختصر مجموعوں سے "تعلیم الاسلام" کو جو قبولیت عامہ حاصل ہے اس میں ان کے مؤلفین حضرات کے اخلاص اور للّٰہیت کا بڑا دخل ہے۔

زیر نظر مجموعہ جو اسلام کے بنیادی عقائد پر مشتمل ہے، اپنے اختصار کے باوجود بہت ہی اہم ہے، رسالہ میں مرکزی اور بنیادی طور پر عقائد کو ۷ عنوانات پر تقسیم کیا گیا ہے، اگرچہ ذیلی طور پر اس میں تمام بنیادی عقائد کو شامل کر لیا گیا ہے، اس میں آخری عقیدہ نمبر ۶، ۷ خصوصیت کے حامل ہیں جن میں صحابہ کرامؓ کے بارے میں مسلمانوں کا کیا اعتقاد ہونا چاہیے، تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، الغرض قرآن وسنت سے ماخوذ عقائد ضروریہ پر مشتمل بے نظیر مجموعہ ہے جس کا ہر مسلمان کے پاس ہونا از حد ضروری ہے۔

(ماہنامہ بینات کراچی، شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ)

تقریظ

مفتی اعظم پاکستان شیخ الحدیث مفتی ولی حسن صاحب

بُنیادی اسلامی عقائد

ایسا جامع ومانع از اوّل تا آخر خالص قرآن وسنت سے ماخوذ، عقائدِ ضروریہ اسلامیہ پر مشتمل مجموعۂ عقائد آج تک میری نظر سے نہیں گذرا، جو مختصر ہونے کے باوجود مسلمانوں کے جملہ بنیادی عقائد پر اس درجہ مُحیط ہو۔

الحمد للہ مجموعۂ ھٰذا کے بعد اب اِصلاحِ عقائد کے لیے کسی مسلمان کو کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں رہی، چونکہ زندگی کے تمام اعمال کی صحت ومقبولیت کا انحصار عقائد کی صحت ہی پر منحصر ہے۔ اس لیے "بہشتی زیور" اور "تعلیم الاسلام" کی طرح تمام طالبانِ حق امام اہلسنّت کے تحریر کردہ نجات کی کنجی اِن اوراقِ زرّیں کو اپنے لیے حرزِ جان بنالیں اور اس کی ایک ایک سطر کو بار بار پڑھ کر اپنے دل ودماغ میں کندان کرلیں، اصلاحِ اعمال کی یہ ہی بہترین راہ ہے۔

عقائد کی اہمیت کے پیشِ نظر ائمہ مساجد کی ذمّہ داری ہے کہ وہ قبل خطبۂ جمعہ اپنے نمازیوں کو سبقاً سبقاً اس مجموعہ کو سُنائیں اور مستقل مطالعہ کی ترغیب دیں اور دعا کریں کہ خدا اس ادارے کو ایسی ہی گراں قدر دینی خدمات کی توفیق بخشتا رہے کیا ہی اچھا ہو کہ مخیّر حضرات اس کو مفت تقسیم کرائیں۔

[signature]